ماہنامہ
آنچل
کراچی
Digests of Pakistan

سالگرہ نمبر آنچل

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا اسپیل

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن۔ مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400

سرورق: بینی ...... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: محمد ناصر

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

فیکس 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل info@aanchal.com.pk

فرمانِ رسول ﷺ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مرد مسلمان کو کسی چیز کی وصیت کی جانی ہو اس کو یہ درست نہیں کہ دو شب بھی بغیر اس کے رہے کہ وہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔

(بخاری، کتاب الوصایا)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپریل ۲۰۱۱ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

الحمدللہ آپ کے آنچل نے اپنی عمر کی بتیس سیڑھیاں طے کرلی ہیں اور ۳۳ویں سال کا پہلا شمارہ بطور سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پرچے کو بنانے سنوارنے میں آپ بہنوں کے مشوروں اور آراء سے جو روشنی ملی وہی ہمارے لیے مشعل راہ بنی ہے۔ بتائیے کہ یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا۔

لکھنے کو تو بہت کچھ ہے جی چاہتا ہے کہ لکھتے ہی چلے جاؤ لیکن ملکی سیاسی معاشی اقتصادی صورت حال نے اہل وطن کو بے حال کر رکھا ہے۔ اب نہ لب و لہجے کی حد رہی نہ معاملات و اخلاقیات کی کوئی حد رہی ہر قسم کی حدود کو پھلانگا جارہا ہے اور عوام بے بسی سے منہ تک رہی ہے مہنگائی کا عذاب ہے کہ کسی سونامی کی طرح بڑھتا ہی چلا آرہا ہے۔ سونامی پر یاد آیا کہ حالیہ دنوں میں جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک کو سونامی کے عذاب نے کیسے لمحوں میں تلپٹ کرکے رکھ دیا۔ جاپان کے کئی شہروں قصبوں کی اینٹ سے اینٹ بج کر رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن عزیز کو ہر بلا ہر آفت اور مشکل سے بچائے اور اپنی پناہ نصیب فرمائے۔

سمیرا شریف طور کا سلسلے وار ناول اپنی تمام تر دلچسپیوں اور رنگارنگی کے ساتھ تکمیل کو پہنچا۔ چونکہ بہنوں کا اصرار ہے کہ سلسلے وار ناول کی ایک حد مقرر کردی جائے اور افسانوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ اس کا فیصلہ آپ نے ہی کرنا ہے۔

اقراء صغیر احمد ایک نہایت دلکش من موہنی تحریر آپ کے لیے لکھ رہی ہیں جو جلد پیش کردی جائے گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆ تم محبت ہو — اقراء صغیر احمد کا سالگرہ نمبر کے لیے خصوصی مکمل ناول۔

☆ مقدس — بینا عالیہ پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کررہی ہیں۔

☆ نوید صبح — عروسہ عالم نوید صبح کے ساتھ شریک محفل ہیں۔

☆ یہ دل اور کچھ سمجھا تھا — ام اقصیٰ دیکھیں دل کو کیا سمجھا رہی ہیں۔

☆ محرک — سندس جبیں ایک اچھے محرک کے ساتھ کیا پیش کررہی ہیں دیکھیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو مشتاق احمد قریشی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

صدمہ۔ رُخ چوہدری کی والدہ محترمہ کا ۱۱ فروری کو انتقال ہوگیا۔ آنچل کا پورا ادارہ بہن رُخ چوہدری کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعا گو ہے۔

حمد

نہیں میرا کوئی حامی خداوندا سوا تیرے
سناؤں کس کو میں حالِ پراگندہ سوا تیرے

پھنسا ہے مرغِ دل بے طرح میرا بندِ عصیاں میں
چھڑاوے کون کس سے یہ کھلے پھندا سوا تیرے

رگ و ریشہ ہے میرے قلب کا آلودۂ عصیاں
کسی سے ہوسکے کیا پاک یہ گندہ سوا تیرے

زمیں کیا آسماں کیا کوہ کیا گلزار و صحرا کیا
سبھی ہوجائیں گے اک دن پراگندہ سوا تیرے

ظہورِ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ برپا ہے عالم میں
نہیں موجود کوئی چیز پائندہ سوا تیرے

نگین دل سے مٹ جائے نشانِ عالمِ فانی
کسی شے کا نہ نقش اس میں رہے کندہ سوا تیرے

نہ ہو مطلب کسی سے یاد تیری میری ہمدم ہو
نہ کوئی کام ہو مجھ کو نہ کچھ دھندا سوا تیرے

گناہ جتنے ہی ہوں لیکن بتا سکتا ہوں ہاں اتنا
کرم ہیں میرے جرموں سے خداوندا سوا تیرے

حسن اوپر ترے فریاد لایا نفس سرکش کی
مدد چاہے بھلا کس سے ترا بندہ سوا تیرے

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

نعت

تم فخرِ رسولاں ہو شہِ کون و مکاں ہو
تم حاصلِ کُل باعثِ تخلیقِ جہاں ہو

تم بحرِ کرم ابرِ سخا منبعِ احساں
تم مظہرِ اوصافِ خدائے دو جہاں ہو

تم سارے زمانے کے لیے آیۂ رحمت
تم درسِ اخوت ہو محبت کا بیاں ہو

تم خستہ دلوں کے لیے سرمایۂ تسکیں
تم مرہمِ زخمِ دلِ آشفتہ سراں ہو

ظلمت کدۂ دہر میں ہے تم سے اُجالا
پردے میں مہ و مہر کے تم نور فشاں ہو

وہ سنگِ گراں راہ میں رہتا ہے جو حائل
چھولے جو قدم آپ ﷺ کے منزل کا نشاں ہو

کب آئے گی وہ صبح سعادت مرے آقا
جب یہ دلِ شوریدہ مدینہ کو رواں ہو

ہو نامِ محمد ﷺ لب کہتی پہ الٰہی
جب طائرِ جاں گلشنِ ہستی سے رواں ہو

ذکی کیفی

در جواب آں

ادارہ

طیبہ نذیر......شادیوال، گجرات

طیبہ! دعائیں۔ لیجیے آپ کا خط شامل اشاعت ہے۔ تعارف باری آنے پر ہی شائع ہوجائے گا۔ لہٰذا انتظار کیجیے۔ آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کے مشورے نوٹ کر لیے گئے ہیں۔

اسماء عطاریہ......کراچی

اسماء خوش رہو۔ لیجیے جواب حاضر ہے۔ دوستوں سے مبارک باد وصول کیجیے۔ چیز اگر معیاری ہو تو ضرور شائع ہوجاتی ہیں مگر باری پر۔

یاسمین عندلیب......شورکوٹ

یاسمین! سدا سلامت رہو۔ آنچل سے آپ کا لگاؤ قابل قدر ہے۔ آپ کا ناول مل گیا ہے انشاءاللہ جلد پڑھ لیں گے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

انعم خان......ہری پور ہزارہ

جھنڈا بردار بھتیجی! خوش رہو۔ بہت ساری دعائیں۔ یقیناً آپ کا اور ہمارا دکھ مشترک ہے مگر کیا کیا جائے کہ اس دکھ پر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ ہم سب مشیت ربّ کے سامنے بے بس ہیں سو بس اس کو ربّ کی رضا جان کر صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ آنچل سے آپ کا خلوص بے مول ہے۔ جس کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آپ کی کہانی جلد پڑھ لی جائے گی۔

حنیفہ سلیم......ساہیوال

حنیفہ! دعائیں۔ آنچل سے آپ کی پسندیدگی اور دیرینہ ربط قابل قدر ہے۔ پاکستان سے آپ کی محبت اور لگاؤ قابل قدر ہیں دعا ہے کہ ہر پاکستانی کی سوچ آپ جیسی ہوجائے تو پھر کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ افسانے مل گئے ہیں جلد ہی پڑھ کر بتادیں گے۔

سباس گل......رحیم یار خان

سباس گل! سدا خوش رہو۔ آنچل کے لیے آپ کا نام اجنبی نہیں ہے۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کا افسانہ اچھا جلد ہی قریبی اشاعت میں شامل کرلیا جائے گا۔

عابی ناز......گوجرانوالہ

عابی! سدا سلامت رہو۔ آنچل سے وابستگی پر خوش آمدید اور پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کے لکھنے کا رجحان قابلِ قدر ہے۔ لیکن آپ کو مطالعے اور شدید محنت کی ضرورت ہے۔ آپ کا افسانہ اک سبق آموز موضوع تھا لیکن آپ اسے درست طریقے سے نہیں لکھ پائیں۔ اس لیے شائع ہونا ممکن نہیں ہے۔ مطالعے پر زور دیا جائے اور فی الوقت افسانوں کی صنف پر طبع آزمائی کریں۔

عنبرین اظہر......لاہور

عنبرین! سدا خوش رہو۔ آنچل اور فرحت آپا کے لیے آپ کے جذبات کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ آپ کی تحریر پڑھ لی گئی ہے لیکن لکھنے کے لیے ابھی آپ کو سخت محنت اور مطالعے کی ضرورت ہے لہٰذا یہ تو شائع نہیں ہوسکے گی۔ فی الوقت آنچل کے سلسلوں میں معیاری چیزوں کے ساتھ شرکت کرسکتی ہیں۔

افراء تاج......جہلم

اقراء! خوش رہو۔ آپ نے ٹھیک کہا کہ

مایوسی کفر ہے۔ تحریر رد ہونے سے مایوس نہیں ہوتے کہ ”گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں۔“ ہمیں آپ کے دلی جذبات کا بھرپور احساس ہے۔ تحریر ابھی پڑھی نہیں گئی ہے۔ پڑھنے کے بعد رائے دے دی جائے گی کہ قابلِ اشاعت ہے کہ نہیں۔

میوی شاہ......گرین لینڈ

میوی شاہ! سدا سلامت رہو۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ فرحت آپا کا دکھ تو ہم سب کا مشترکہ دکھ ہے۔ استدعا ہے کہ اپنی خاص الخاص دعاؤں میں انہیں یاد رکھیں۔ آپ کی نظم شعبے کو بھیج دی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور شائع کردی جائے گی۔

عندلیب......راولپنڈی

عندلیب! دعائیں۔ آپ کہانیوں کا بغور مطالعہ کریں تو ضرور اچھا لکھ لیں گی۔ آپ کی دیگر چیزیں ان کے شعبوں کو بھیج دی ہیں۔ آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ اور ڈھیروں ڈھیر محبتوں کے جواب میں بہت سی دعائیں۔

طوبیٰ بلال......ڈیرہ غازی خان

طوبیٰ! خوش رہو۔ آپ کا خط شامل اشاعت ہے اور نازیہ کنول نازی جی کو ان سطور کے ذریعے آپ کا پیغام پہنچائے دے رہے کہ وہ آپ سے رابطہ کرلیں۔ آپ کی شاعری شعبے کو بھیج دی گئی ہے جس کا فیصلہ وہیں کیا جاتا ہے۔

حمیرا اکبر......میرپور خاص

حمیرا! سدا سلامت رہو۔ آپ کا نوک جھونک سے بھرپور افسانہ اچھا تھا لیکن آپ نے افسانہ بنا کوئی کہانی پیش کیے جلدی سمیٹ لیا۔ معمولی غلطیوں کی اصلاح ضرور کی جاتی ہے مگر آپ اینڈ

لکھنے میں کامیاب نہیں رہیں۔ اس لیے ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ امید ہے کہ مایوس نہیں ہوں گی۔

سیدہ جویریہ شبیر......کراچی

جویریہ! سدا ہنستی مسکراتی رہو۔ آپ کی تحریر بہترین اسلوب لیے ہوئے ہے مگر آپ کو کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ مطالعہ پر زور دیجیے تاکہ آپ معیاری افسانہ لکھ سکیں۔ امید ہے قلمی تعاون برقرار رہے گا۔

عطرو بہ سکندر......اوکاڑہ

عطروبہ! خوش رہو۔ دعاؤں کے لیے بے حد شکریہ۔ نگارشات آنچل کے موجودہ پتے پر ہی ارسال کریں۔ آنچل کے صفحات کے لیے بھی آپ کا نام کوئی اجنبی نہیں ہے۔ آپ کی آمد ہمیں خوشی دیتی ہے۔

مستبشریٰ خالد......ڈیرہ غازی خان

مستبشریٰ! آپ کا نام بہت خوب صورت ہے۔ آنچل میں خوش آمدید۔ آنچل آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ آپ نے جو کہانی ارسال کی ہے وہ نامکمل ہے اور اس کو آپ نے کہانی کی طرز پر بھی تحریر نہیں کیا نہ پیراگراف نہ باب سب مسلسل لکھ دیا اخبار میں خبر کی طرح آئندہ اس بات کا خیال کیجیے گا۔ بغور مطالعہ کیجیے کہ کہانیاں کس طرح لکھی جاتی ہیں۔ دعاؤں کے لیے شکریہ۔ اللہ پاک آپ کو بھی شاد و آباد رکھے، آمین۔

تصویر العین......اوکاڑہ

تصویر العین! جیتی رہو۔ فرحت آپا کے لیے آپ کے جذبات قابلِ قدر ہیں۔ مگر کیا کیا جائے کہ اس دکھ پر صبر اور دعائے مغفرت ہی کی جاسکتی ہے۔ سو آپ بھی انہیں اور ہم سب کو دعاؤں میں

شامل رکھیں۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو آمین۔

سویرا احمد کیانی...... گوجر خان

سویرا! خوش رہو۔ محفل میں آپ کی آمد اچھی لگی اور یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ پڑھائی کے ساتھ ساتھ ایف ایم سے بھی وابستہ ہیں۔ وطن عزیز کے لیے آپ کے جذبات قابل قدر ہیں، آپ کے جذبات اور دعائیں ہر محب وطن کے لیے دل کی آواز ہیں۔ جواب میں ہم بس اتنا کہیں گے کہ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

آپ کی شاعری متعلقہ شعبے تک بھجوادی ہے۔ قابل اشاعت رہی تو ضرور شامل ہوگی۔ آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

سمیرا کاجل صدیقی...... جنڈانوالہ بھکر

سمیرا! خوش رہو۔ اتنی ناراضگی بجا نہیں۔ آپ کا خط شامل اشاعت ہے اگرچہ اس میں جواب طلب کوئی بات نہیں۔ اب یہ نہ کہنا کہ چند سطری جواب یوں ملا! سوال کریں گی تو جواب ملے گا نا! ہماری بھرپور کوشش رہتی ہے کہ محفل میں ہر خط شامل ہو۔ جو ڈاک وقت پر مل جاتی ہے ان کو شامل اشاعت کرلیا جاتا اور بعد میں ملنے والی ڈاک کو محفوظ کرلیا جاتا ہے۔

طاہرہ پروین...... جتوئی

طاہرہ! سدا سلامت رہو۔ فرحت آپی کے لیے آپ کے جذبات قابل قدر ہیں اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ ان کے درجات کو بلند تر فرمائے آمین۔ دعاؤں کے لیے رب کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ آنچل کی پسندیدگی پر تہہ دل سے مشکور ہیں۔

اسماء کرن...... بھکر

اسماء کرن! فرحت آپا کے لیے آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے کہ ان جیسے لوگ ہمیشہ دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ آپ بھی انہیں اپنی دعاؤں میں شامل رکھیے۔ آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ کہانیوں کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں۔ آنچل آپ کا اپنا ہے۔ آپ کا تعارف ملتا تو ضرور شائع کرتے۔ آپ دوبارہ بھیج دیجیے۔ بہن سمیرا شریف اور نادیہ فاطمہ کو ان سطور کے ذریعے آپ کی پسندیدگی پہنچا رہے ہیں۔

غل ہما...... فیصل آباد

غل ہما! خوش رہو۔ آپ کی تجاویز قابل غور ہیں۔ جن پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ آنچل کی پسندیدگی اور دعاؤں کے لیے شکریہ۔ انشاءاللہ کوشش کریں گے کہ اس کے معیار کو برقرار رکھا جائے۔

سمیعہ کنول...... فیصل آباد

سمیعہ! دعائیں۔ آپ کا خط کا جواب حاضر ہے اگرچہ خط میں کوئی جواب طلب بات نہ تھی۔ آنچل کو سراہنے کے لیے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین

روشین بی بی...... مقام نہیں لکھا

روشین بی بی! خوش رہو۔ آنچل کی پسندیدگی اور دعاؤں کے لیے شکریہ۔ آپ کا خط شامل اشاعت ہے مگر آپ اپنے شہر کا نام لکھنا بھول گئیں آئندہ اس بات کا خیال کیجیے گا۔ آنچل کے تمام پڑھنے والے ہمیں دل سے عزیز ہیں وہ وطن عزیز میں چاہے کسی بھی شہر کے رہنے والے ہوں۔

شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

مولف: مشتاق احمد قریشی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شیطان نیک ومتقی لوگوں کو جو اس کی وسوسہ اندازی کے فریب میں نہیں آتے یا ایسے کاموں کو اختیار نہیں کرتے جن سے اسلام نے روکا ہے وہ اپنی عقل وشعور کو کام میں لاکر شیطان کے حربوں کو ناکام بنادیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے وہ مختلف انداز سے حملہ آور ہوتا ہے اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفادات اتحاد واتفاق پر ضرب لگانے کی کوشش کرتا ہے درپیش حالات سے مطابقت رکھتی ہوئی جھوٹی خبریں پھیلا کر اہل ایمان کو ورغلانے کی کوشش کرتا ہے اس سے بچنے اور اتحاد واتفاق برقرار رکھنے کے لئے بھی اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں ہدایت فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ دشمنوں سے مخالفین تک سے بھی بات چیت کرو تو نرمی اور اچھے طریقے سے کرو غصے کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ہی حرام کیا ہے کہ غصہ شیطان کی خصوصیات میں سے ہے اور جب انسان کو غصہ آجاتا ہے تو وہ غصے میں وہ کچھ کہہ جاتا ہے جس کے بارے میں اس نے سوچا تک نہیں ہوتا اور مخالفت ودشمنی میں ایسی بات کہہ دینے سے رکا کوا بن جاتا ہے اور بات کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہے اس لیے ہی اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے کہ سوچ سمجھ کر اور اچھے انداز سے گفتگو کرو کیونکہ اسلام تو ایک ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد ہی تہذیب وشائستگی پر رکھی گئی ہے جو اپنے ماننے والے پیروکاروں کو انسانیت کی بھلائی کا، دوسروں کی فلاح کا درس دیتا ہے لیکن شیطان مردود جو انسان کے پیچھے مسلسل لگا ہوا ہے وہ ہمیشہ آگ پر تیل چھڑکنے کا کام ضرور سرانجام دیتا ہے جیسا کہ آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے۔

ترجمہ:۔ اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بندوں کو کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں، کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلوا دیتا ہے بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (بنی اسرائیل۔۵۳)

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آپس میں گفتگو کرنے اور اپنے مخالفین سے گفتگو کرنے کے آداب تعلیم فرما رہا ہے تاکہ انسان شیطان کے چنگل سے بچ سکے اور شیطان کے بہکائے میں آکر کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھے جس سے اس کی دنیا تو خراب ہو ہی کہیں آخرت میں بھی لینے کے دینے نہ پڑجائیں آپس میں گفتگو کر رہے ہوں تب بھی احتیاط سے اچھے کلمات کے ساتھ بات چیت کرنی چاہیے تاکہ جب کبھی مخالفین سے بات چیت کی ضرورت پڑے تو بھی وہ شخص عادتاً نرم ومشفقانہ ہی لہجے میں بات کرے گا۔ اکثر زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان جو انسان کا کھلا دشمن ہے وہ آپس میں فساد ڈلوا دیتا ہے اور مخالفین کے دل میں نامعقول گفتگو سے بغض وعناد میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی طرف ہتھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چلوا دے (اور وہ مسلمان بھائی کو جا لگے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے) پس جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔ (بخاری شریف)

شیطان انسان کا خصوصاً اہل ایمان اور متقی انسانوں کا تو وہ حد درجہ دشمن ہے وہ کوئی طریقہ نہیں چھوڑتا جس سے انسان کو بہکایا جا سکے راہ حق سے ہٹایا جا سکے کچھ نہیں تو وہ معاشرے میں عام برائی اور فواحش کا رجحان پیدا کرنے کے اسباب اور ذرائع کو عام کرنے میں مدد کرتا ہے پہلے لوگوں کو اپنی وسوسہ اندازی سے اکساتا ہے پھر اس برائی اور فحاشی کو پھیلانے کے ذرائع اور وسائل مہیا کرنے میں مدد کرتا ہے وہ انسان کو ایسی ایسی باتوں پر اکسائے گا جس کی اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ شیطان کی خصلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جگہ جگہ تفصیل سے اہل ایمان کو آگاہ کیا ہے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اس سے کیسے بچنا ہے اس کا طریقہ اور راستہ بھی بتایا گیا ہے اس کے بعد انسان کی اپنی ذمہ داری شروع ہوتی ہے کہ وہ اپنی عقل و ادراک سے کام لے کر اپنے آپ کو اپنے بدترین دشمن دین دشمن اول سے کیسے بچائے ورنہ وہ کھلا دشمن تو تباہی اور آگ کے گڑھے کی طرف چلنے کی پوری طرح ترغیب دیتا رہتا ہے اور دیتا رہے گا جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے۔

ترجمہ:۔ وہ (شیطان) تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کا کہنے کا حکم (اللہ کے نام سے جھوٹی باتیں) دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔ (البقرہ۔۱۶۹)

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ شیطان جو تمہارا دشمن ہے جو اپنی وسوسہ اندازی کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں شک و شبہ اور وہم پیدا کرتا ہے اور انہیں یہ یقین دلاتا ہے کہ جن قدیم رسوم و رواج پر تم چل رہے ہو وہ تو تمہارے بزرگوں اور باپ دادا سے چلی آ رہی ہیں تم انہیں کیسے چھوڑ سکتے ہو دنیا کیا کہے گی اور یہ تو خالص مذہبی امور ہیں ان سے اللہ تعالیٰ راضی و خوش ہوتا ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارے گئے ہیں ان سے انحراف اللہ کے حکم سے انحراف و بغاوت ہوگی حالانکہ ان معاملات کا من جانب اللہ ہونے کی کوئی سند موجود نہیں ہوتی لیکن شیطان ایسے لوگوں کو بہکا کر اپنے پیچھے لگائے رکھتا ہے اور انہیں اپنے ساتھ لئے جہنم کی طرف چلتا چلا جاتا ہے اور لوگوں کے دل و دماغ سے اللہ تعالیٰ کی یاد تک بھلا دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے یہ شیطانی لشکر ہے کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے۔ (المجادلہ۔۱۹)

آیت مبارکہ میں تمام ایسے لوگوں کو جنہوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اللہ کی یاد کو دل سے نکال دیا ہو اللہ کا خوف ان کے دل سے نکل چکا ہو اور وہ شیطان کے کہے میں آ کر صراط مستقیم سے دور چلے گئے ہوں ایسے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ میں شیطان کا لشکر یا گروہ سے تعبیر کیا ہے جو بڑے نقصان سے دوچار ہونے والا ہے شیطان تو جہنم واصل ہونے والا ہے یہی بات سورۃ الحشر میں اس

طرح بیان کی گئی ہے اور تاکید کی جا رہی ہے اہل ایمان کو کہ شیطان کے پیچھے لگ کے ایسے نہ بن جانا کہ اللہ کو ہی بھول جاؤ۔

ترجمہ:۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے ہیں۔ (الحشر۔۱۹)

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو تاکید کی جا رہی ہے کہ تم ان کے جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا ہے یعنی اب وہ اپنے اعمال سے بھی غافل کر دیئے گئے ہیں جن کے کرنے سے انہیں فائدہ ہوتا جن کے ذریعے وہ اپنے نفسوں کو عذاب الٰہی سے بچا سکتے تھے لیکن جو انسان اللہ تعالیٰ کو بھولتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خود سے بھی غافل کر دیتے ہیں اس کی عقل خود اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی اور آنکھیں اس کی راہ حق کو نہیں دیکھ سکتی نہ ہی اس کے کان کلام حق سننے کے قابل رہ جاتے ہیں نتیجتاً اس سے از خود ایسے کام سرزد ہوتے چلے جاتے ہیں جس سے اس کی تباہی و بربادی یقینی ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ خود اپنے اعمال سے اپنے پیروں چل کر جہنم کی آگ کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے اللہ کو بھلا رکھا ہے اور اللہ کا خوف ان کے دل و دماغ سے نکل گیا ہے اس طرح وہ اللہ کا نہیں خود اپنا نقصان کر رہے ہیں خود اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں وہ جو اپنے جسم و جان کو راحتیں اور آرام پہنچانے کے لئے دنیا میں بڑے پاپڑ بیلتے رہے تھے خود اپنے اعمال اور غفلت کے باعث جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اللہ ہر انسان کو اس کے اعمال و افعال کے مطابق ہی اس کے عمل کی جزا دیتا ہے نیکوکاروں، متقی لوگوں کو ان کی نیکی اور تقویٰ کی جزا ملے گی تو بدکاروں اور بدی کرنے والوں کو ان کی بدی کی سزا ملے گی یہی قانون قدرت ہے۔

ترجمہ:۔ یاد رکھو! شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے (اپنا) دشمن ہی سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لئے بلاتا ہے کہ وہ سب (اس کے ساتھ) جہنم واصل ہو جائیں۔ (فاطر۔۶)

آیت مبارکہ کا یہی مضمون سورۃ الکھف ۵۰ میں ابتدا میں گزر چکا ہے اس آیت میں بھی یہی بات دہرائی گئی ہے کہ دشمن ایمان سے تم بھی سخت عداوت رکھو جیسی کہ وہ تم سے رکھتا ہے۔ اس کے مکر و فریب اور اس کے ہتھکنڈوں سے کوشش کر کے خود کو بچاؤ جس طرح اپنے دشمن سے اپنا بچاؤ کرتے ہو ایسی ہی کوشش شیطان سے خود کو بچانے کے لئے کرنی چاہئے کیونکہ شیطان کا مقصد اور کوشش تو یہی ہے کہ وہ تمہیں دھوکے میں مبتلا کر کے اس دنیا کی عارضی لذتوں میں الجھا کر یاد الٰہی سے غافل کر دے اور انسان دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائمی زندگی جو لذتوں راحتوں سے لبریز ہوگی کو بھول جائے اس کا تو مقصد ہی زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ جہنم میں داخل کرانا ہے۔ شیطان اپنی مکاری اور عیاری سے انسان کو دھوکہ دیتا ہے اور ان کو اپنے خوشنما وعدوں کے جال میں الجھا کر راہ حق سے روکتا ہے اور اپنی راہ چلاتا ہے اس کے جھوٹ اور فریب کاریوں کی اطلاع بھی رب کائنات قرآن حکیم میں دے رہا ہے۔

ترجمہ:۔ وہ (شیطان) ان سے زبانی وعدے (جھوٹے) کرتا رہے گا اور (انہیں) سبز باغ

دکھاتا رہے گا (مگر یاد رکھو) شیطان کے (تمام) وعدے ان سے سراسر فریب کاریاں ہیں۔
(النساء۔ ۱۲۰)

آیتِ مبارکہ میں اہلِ ایمان مومنین کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ شیطان اپنے مکروفریب سے انسانوں کو بہکانے کے لئے جھوٹے وعدے کرتا ہے انہیں اپنے جال میں پھنسانے اور راہِ حق سے روکنے کے لئے بڑے بڑے سبز باغ دکھاتا ہے اور دینِ حق کی جھوٹی قباحتیں سمجھاتا ہے دین پر چلنے اور قائم رہنے کی مشکلات سمجھاتا ہے بتاتا ہے کہ بس یہی دنیا چار روزہ ہے اس کے بعد تو موت ہے اور سب کچھ یہیں ختم ہو جانے والا ہے اس چار دن کی زندگی کو جتنے عیش و آرام سے گزار لو گے وہی تمہارے عیش و آرام کے دن ہوں گے مرنے کے بعد تو سب کچھ ختم ہو جائے گا مٹی میں مل جائے گا اور پھر اس دنیا میں دوبارہ آنا ہی نہیں ہو سکے گا اس لیے انسان اپنی اس زندگی میں وہ عیش و آرام حاصل کر لے جو اسے پھر کبھی میسر نہیں آسکے گا وہ مشورہ دیتا ہے کہ "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" یعنی اے بابر جتنے عیش کرنے ہیں کر لے کیونکہ یہ عالم پھر تجھے میسر نہیں آئے گا" یہی سوچ شیطان اپنی وسوسہ اندازی کے ذریعے انسان کے دل و دماغ میں ڈالتا رہتا ہے جن کا حقیقت سے دور پرے کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

یہی بات آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سمجھا رہا ہے کہ احکامِ الٰہی کے خلاف جتنے وسوسے جتنے خیالات تمہیں آئیں سمجھ لو کہ وہ سب کے سب شیطانی عمل ہے شیطان تمہیں بہکا کر تمہاری عاقبت و آخرت خراب کرنا چاہ رہا ہے اس لئے تمام فاسد برائی اور بدی کے خیالات کو ہمیشہ ذہن سے جھٹک دینا چاہئے اور احکامِ الٰہی اور سنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنی چاہئے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی اطاعت و بندگی میں اپنی زندگی بسر کر لی جائے کیونکہ قرآن کریم اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی انسانوں کو راہِ حق یعنی صراطِ مستقیم کی ضمانت دیتے ہیں کیونکہ صراطِ مستقیم سیدھی جنت کی راہ ہے اس کے علاوہ باقی تمام راستے دوزخ کی طرف جاتے ہیں جہاں شدید ترین آگ کے گڑھے دہک رہے ہیں اور شیطان اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کو ہڑپ کرنے کے منتظر ہیں شیطان کے دکھائے ہوئے سبز باغ نہیں ہیں دراصل وہ تو آگ کی گہری گہری کھائیاں ہیں جن میں انسان اگر گرے گا تو پھر کبھی باہر نہیں نکل سکے گا یہی بات سورۃ النساء کی اس آیت کے بعد آنے والی آیت میں وضاحت سے کہی گئی ہے۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں چھٹکارا نہیں ملے گا" جبکہ راہِ حق اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ وعدہ فرما رہا ہے انہیں خوش خبری سنا رہا ہے اور یقین دلا رہا ہے کہ ان کے اجر و ثواب میں ذرا معمولی سی بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

(جاری ہے)

♥

مہوش ناز

ملیحہ احمد

آنچل کے تمام قارئین کو میرا محبت بھرا اور مہکتا ہوا سلام قبول ہو۔ میرا نام مہوش ناز ہے۔ 19 جنوری کو کھلابٹ ہری پور میں ہماری تشریف آوری ہوئی، اس لحاظ سے میرا اسٹار جدی ہے۔ اس برج کی تمام خوبیاں خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔ ہم تین بہن بھائی ہیں۔ دو بھائی اور ایک بہن۔ بڑے بھائی یاسر خان عرف خان لالہ آرمی میں ہوتے ہیں پھر وسیم خان جو کہ حافظِ قرآن ہے اور ایک مسجد میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دے رہا ہے۔ آخری نمبر مابدولت کا ہے جو کہ سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہے اور مستقبل میں پاکستان سنبھالنے کا ارادہ ہے یعنی سیاست کے میدان میں جھنڈے گاڑنے ہیں۔ ہم کاسٹ کے لحاظ سے پٹھان ہیں مگر یہ پتا نہیں کہ کون سی خیل سے تعلق ہے اور نہ ہی پشتو آتی ہے۔ ہم لوگ ہندکو اردو مکس بولتے ہیں۔ ہمارے کھلابٹ میں ضرورت کی ہر چیز کے علاوہ جس کی ضرورت نہ ہو وہ بھی مل جاتی ہے۔ آنچل سے رشتہ پرانا اور گہرا ہے۔ میں اور میری کزن حلیمہ عطاریہ مل کر آنچل منگواتے ہیں لیکن پڑھنے کا شرف پہلے مجھے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے تمام سلسلے مجھے بہت پسند ہیں۔ خاص طور پر سلسلے وار ناول۔ آنچل کی رائٹر سے ملاقات کا بہت شوق ہے لیکن میں ابھی تک صرف ایک رائٹر سے ملی ہوں بلکہ ان سے میری دوستی بھی ہے اور وہ ہیں انعم خان۔ انعم ہمارے کالج میں پڑھتی ہیں۔ کھانے پینے کی خاص شوقین تو نہیں ہوں مگر سموسے شوق سے کھاتی ہوں۔ کبھی اپنی بھانجی سنبل کے ساتھ اور کبھی اپنے بھتیجے علی نواز کے ساتھ مل کر، کیونکہ وہ اپنے پیسوں سے منگواتے ہیں۔ پھولوں میں مجھے موتیا۔ رنگوں میں کالا۔ پھلوں میں چیکو اور موسموں میں برسات کا موسم پسند ہے۔ سردیوں کی بارش میں رات کے وقت بھیگنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ مجھے پینٹنگ کا بے حد شوق ہے۔ پاکستان کے تمام پسماندہ علاقوں کی سیر کا بہت شوق ہے۔ جو کہ کسی حد تک پورا ہو رہا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بزرگانِ دین کے مزاروں پر جاؤں۔ جانوروں میں مجھے کتا (چھوٹے قد اور لمبے بالوں والا) پسند ہے۔ مجھے پرندے پالنے کا شوق ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش مدینے شریف جانا ہے تاکہ میں وہاں جا کر اپنے وطن کے لیے دعا مانگوں۔ دوستوں کے معاملے میں ہم خاصے امیر واقع ہوئے ہیں لیکن حلیمہ عطاریہ اور نورین میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ اس کے علاوہ نازیہ، ماریہ، سدرہ خان اور نور السحر شامل ہیں۔ چونکہ میری بہن کوئی نہیں ہے، اس لیے میں نے اپنی ایک پیاری سی دوست آمن کو بہن بنا لیا ہے۔ زندگی میں ہمیشہ اپنے کزن دل نواز اعوان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ استادوں میں مجھے سر طاہر، سر ناصر، سر بلال، مس صدف اور مس گل رعنا پسند ہیں۔ موسیقی سے دلی لگاؤ ہے، اس کے علاوہ فلمیں بھی شوق سے دیکھتی ہوں۔ جھوٹ سے نفرت ہے۔ پنجابی ثقافت سے بہت محبت ہے۔ شاعری کا بہت شوق ہے۔ بہت سے اپنوں کے لیے غزلیں لکھی ہیں۔ اپنی ذات کی نفی پسند نہیں کرتی۔ درگزر کرنا جانتی ہوں۔ گھر کے کاموں میں سو فی صد ماہر ہوں۔

لباس میں کرتا پاجامہ پسند ہے۔ چائے کو زندگی سمجھ کر پیتی ہوں۔ شادی بیاہ کی رسمیں اچھی لگتی ہیں۔ ہنگامہ پسند طبیعت کی مالک ہوں۔ کھلاڑیوں میں کامران اکمل اور شعیب اختر پسند ہے۔ مہندی بہت اچھی لگتی ہے۔ بچے گھروں میں رہنا پسند ہیں۔ انیلا آپی بہت اچھی لگتی ہیں کیونکہ وہ بہت مخلص ہیں۔ تمام رشتوں کا احترام کرتی ہوں۔ اپنے والدین سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اگرچہ انہیں مجھ سے ہزاروں شکایتیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ تعارف کچھ زیادہ لمبا ہوگیا ہے لہٰذا اجازت چاہتی ہوں، خدا حافظ۔

ثمرہ ناز ثمرہ

رُخ سے ذرا زلف ہٹا کے پڑھنا
سمجھ نہ آئے تو عینک لگا کے پڑھنا

آہم! السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور تمام پیارے آنچل قارئین۔ اوجی ذرا ہم سے ملیے نا...... مزا آجائے گا۔ ہمارا نام ہے ثمرہ ناز لیکن سب ہمیں سمری کہہ کر پکارتے ہیں۔ ارے بھئی آپ انگلش کی سمری نہ سمجھ بیٹھیے گا۔ نہیں جناب یہ ہمارا نک نیم ہے۔ اپنے گھر میں، میں سب سے چھوٹی اور گھر والوں کی انتہائی لاڈلی ہوں۔ مجھ سے بڑے پانچ بہن بھائی ہیں۔ یعنی ہم تین بہنیں اور تین ہی بھائی ہیں۔ میرا اسٹار لبرا ہے۔ 13 اکتوبر کو میں اس دنیا کی رونق میں اضافہ کرنے آئی۔ میرا تعلق سرگودھا کے گاؤں وجھی بالا سے ہے۔

گریجویشن کے پارٹ ون میں آگئی ہوں۔ مگر اماں کہتی ہیں کہ مجھ میں نہ عقل ہے اور نہ دماغ۔ نبی کریم اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حد سے زیادہ عشق ہے۔ ماں سے ہر کسی کو محبت ہے مگر مجھے حد سے زیادہ اپنی ماں سے محبت ہے۔ جناب ایف ایم سننا میرا زندگی کا اہم کام ہے۔ ریڈیو کو میں نے بہت بچپن سے سننا شروع کیا ہے۔ آنچل سے میرا تعلق آٹھویں کلاس سے شروع ہوا ہے۔ ''محبت دل پہ دستک'' نے مجھے آنچل کا دیوانہ بنایا اور پھر میں کبھی آنچل کو بھلا نہ سکی۔ لباس میں مجھے مشرقی بیٹیوں کی طرح شلوار قمیص اور لمبا دوپٹہ پسند ہے۔ رنگوں میں مجھے لائٹ پرپل اور فیروزی کے ساتھ وائٹ کنٹراس بہت پسند ہے۔ کھانے میں چائنیز اور بریانی کے ساتھ سردیوں میں آئس کریم کھانا مجھے اچھا لگتا ہے۔ فلمیں میں نے کبھی دیکھی نہیں، نا ہی مجھے خاص دلچسپی ہے۔ موسموں میں مجھے خزاں کا موسم بہت اچھا لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے شاخوں سے گرتے پتوں کو دیکھتی ہی رہوں، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

چمن میں رہنے والوں سے ہم صحرا نشیں اچھے
بہار آ کر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

مجھ میں بُرائیاں یقیناً بہت زیادہ ہوں گی مگر سہیلیاں کہتی ہیں کہ اگر تمہیں کوئی غلط یا بُری بات لگے تو منہ کے اوپر ہی بندے کی بے عزتی کر دیتی ہو۔ مگر میں کہتی ہوں دل میں جلنے سے بہتر ہے کہ بندہ کہہ کر اپنا غبار نکال لے، ورنہ کہتے ہیں جلنے والے کا منہ کالا۔ کانچ کی چوڑیاں خریدنا اور پہننا اچھا لگتا ہے۔

کالج فرینڈز میں کوئی حساب ہی نہیں کیونکہ

میں موڈی بالکل نہیں، ہر کسی سے اپنائیت سے ملنا میرے مزاج کا حصہ ہے۔ فرینڈز میں مجھے نبیلہ، مصباح، مصباح ناز، تسمیہ، تنزیلہ، عصمت، ذُنیرہ، نادیہ، امیر، طاہرہ، بلقیس، نازش وغیرہ شامل ہیں۔ فرینڈز مجھے مغرور بہت کہتی ہیں لیکن آپ بتائیں کیا میں آپ کو مغرور لگتی ہوں۔ حالانکہ میرے انتہائی لمبے اور خوب صورت بالوں کی ہر کوئی تعریف کرتا ہے لیکن ان پر بھی میں نے کبھی غرور نہیں کیا کیونکہ غرور کا سر ہمیشہ نیچے ہوتا ہے۔ پڑھنے والوں میں عروبہ سکندر کی چوائس بہت زبردست ہوتی ہے۔ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آئیڈیل بنانا چاہئے اور خواب دیکھنے چاہئیں لیکن آنکھ کھلنے کے بعد ان کو پانے کے لیے محنت اور لگن ضرور کرنی چاہیے۔

مشروب میں مجھے پیپسی اور پھلوں میں کیلا بہت پسند ہے۔ زندگی کا یادگار دن ضلع جہلم میں قلعہ روہتاس اور منگلا ڈیم کے قریب سے بعد واپسی کا جو سفر تھا۔ میں کبھی بھلا نہیں پاؤں گی۔ شاپنگ مجھے جوتوں کی کرنا بہت اچھا لگتا ہے اور وہ بھی ہیل والے۔ سنگرز میں مجھے اکا اور عاطف پسند ہیں۔ ایکٹرز میں ہمایوں سعید اور سعدیہ امام۔ آر جے میں ڈاکٹر علی، عمیر مرزا اور احمد علی جہلم کے بہت پسند ہیں۔ شام کی نماز کے بعد لمبی دعا مانگنا بہت اچھا لگتا ہے۔ رائٹرز میں مجھے عمیرہ احمد، نازیہ، سمیرا شریف اور عفت سحر بہت پسند ہیں۔ فیورٹ شاعر علامہ اقبال اور محسن نقوی ہیں۔ کرکٹ مجھے حد سے زیادہ دل عزیز ہے اور منسٹری تو میں اب تک میچ اور ریز کے مقابلے پر کرتی ہوں۔ اکثر میں نوافل مانتی ہوں پاکستان کے جیتنے کے لیے اور پھر اگر ہار جائے تب بھی پڑھتی ہوں۔ ینگ آف ذی سکس آفریدی اور عمر اکمل میرے فیورٹ پلیئر ہیں۔ ٹیچر سارے ہی اچھے ہوتے ہیں لیکن ہمارے کالج کی سب سے اچھی اور کیوٹ مس شبانہ مختار ہیں، وہ اکنامکس کی ٹیچر ہیں۔ محبت کے بارے میں میرا نظریہ ہے کہ ایک خوب صورت جذبہ جو ہر دل میں موجود ہوتا ہے مگر ظاہر کوئی کوئی کرتا ہے۔ جناب ایک اعزاز بھی مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ اپنے گاؤں کی پہلی لڑکی ہوں جو شہر کالج میں پڑھنے کے لیے گئی۔ آنچل بہت اچھا رسالہ ہے اور مجھے اس نے اس قابل کیا ہے کہ میں آپ تک اپنے آپ کو پہنچا سکی ہوں۔ دوستی کرنے کی حامی ہوں۔ آپس میں میل ملاپ سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ حساس بہت ہوں اگر میں کسی کہانی میں بھی خون یا قتل وغیرہ کا منظر پڑھ لوں تو حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ ڈیئر قارئین آپ کو بور ہرگز نہیں کروں گی۔ سدا خوش رہیں اور اپنے لیے تو جیتے ہی ہیں، جینا تو وہ ہے جو دوسروں کے لیے جیا جائے۔ مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتائیے گا۔ اس شعر کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتی ہوں، اللہ حافظ۔

ستارے مشعلیں لے کر مجھ کو ڈھونڈنے نکلیں
میں رستہ بھول جاؤں جنگل میں شام ہو جائے
شکیب اپنے تعارف کے لیے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے ہٹ کر چلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے

محبت تم ہو

اقرا صغیر احمد

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

حسنِ دل آرا کی خاطر پائی رسوائی بہت
ہم نے اپنے عشق کی سچائی دکھلائی بہت
کیا ملے گا تجھ کو زنجیرِ رفاقت توڑ کر
میں بھی تنہا تو بھی تنہا اور تماشائی بہت
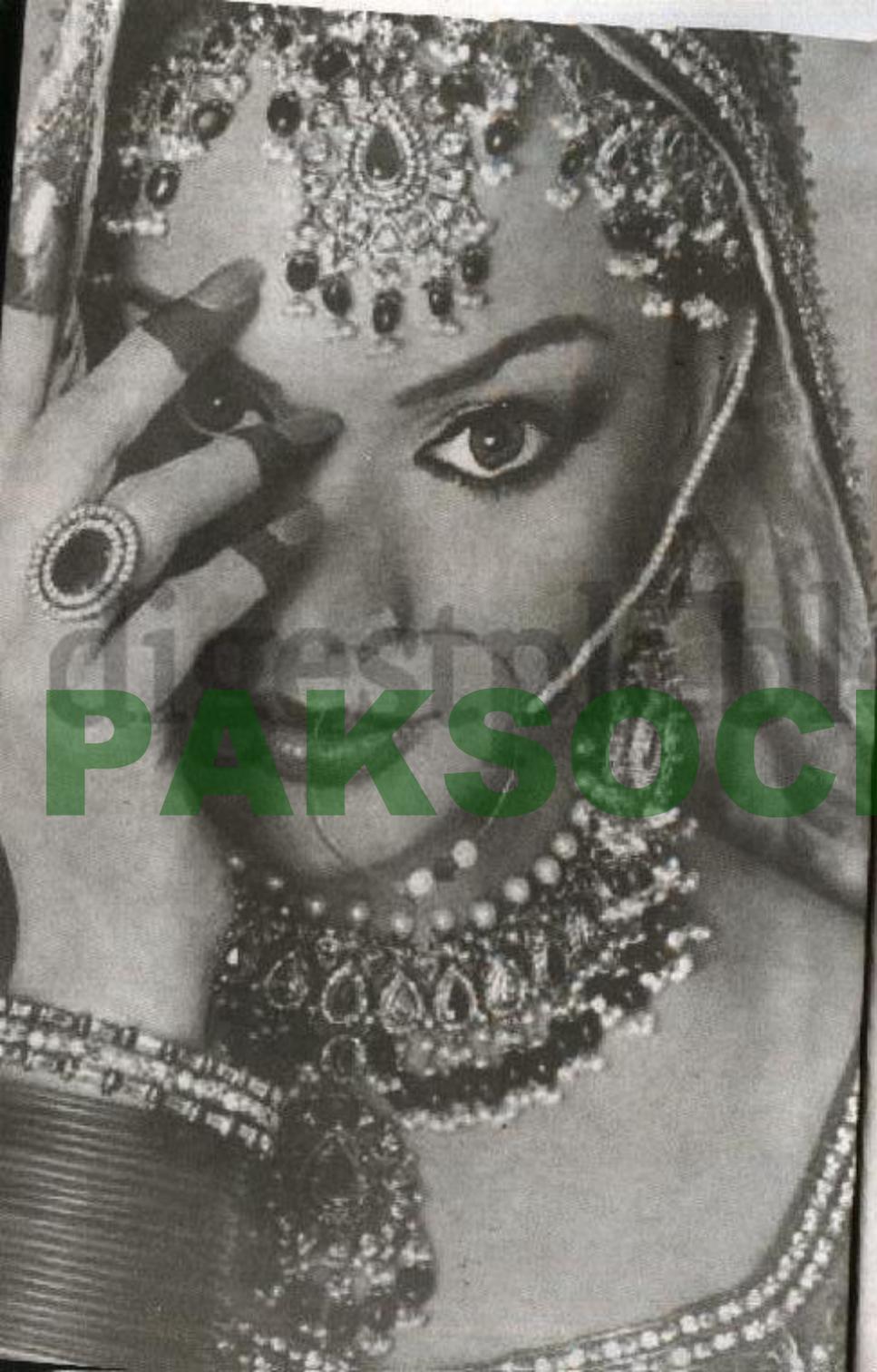
بارش زور و شور سے جاری تھی۔ اس کی آنکھیں بھی جل تھل تھیں۔ بارشوں کا یہ موسم اس کے لیے درد بھری یادیں اور وحشت آمیز اداسیاں لاتا تھا۔ رات کو نامعلوم کس پہر بارش شروع ہوئی تھی صبح اٹھی تو باہر لان میں درخت نکھرے نکھرے مسکرا رہے تھے۔ ان کا سبزہ مزید نکھر گیا تھا۔ پھولوں کے رنگ اور شوخ ہوگئے تھے مگر اس پہ نہ سبزے کی تراوٹ نے اثر کیا نہ پھولوں کی خوب صورتی اس کے مزاج میں خوش گواریت پیدا کرسکی۔ مستزاد اس کے اندر یادیں وحشت پھیلانے لگیں۔ برسات کا موسم مما کو پسند نہ تھا جب کہ وہ اس موسم کو خوب انجوائے کرتی تھی۔

بارش کا بوند بوند برستا پانی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، گیلی مٹی کی سوندھی مہک!

وہ دیوانی سی ہوجاتی تھی اس موسم میں اور مما کو بھی ساتھ زبردستی گھسیٹ لیا کرتی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کی خوشی کے لیے سب برداشت کرلیا کرتی تھیں۔

”مما! آپ کو یہ موسم پسند کیوں نہیں ہے؟“ کبھی اس نے پوچھا تھا۔

”پسند تو ہے، مگر یہ بارش اپنے ساتھ اداسی لے کر آتی ہے اس کے شور میں بھی ایک ایسا سناٹا ہوتا ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے، وہ پسند نہیں۔“

مما کی نرم خوب صورت آواز اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی اور آج اسے بھی یہ بارش اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اداسی اور وحشت نے اسے بھی مما کی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بارش زور و شور سے ہونے کے باوجود وہ گہرا سناٹا اپنے اندر پھیلتا محسوس کررہی تھی۔ صبح سے رات ہوگئی وہ کمرے سے نہ نکلی تھی۔

عمیرہ، عروسہ آپی، عارفہ آپی ناشتا لنچ اسے کمرے میں ہی کروا گئی۔ دونوں بھابیوں، بھائی اور انکل آنٹی نے آکر اس کی خیریت دریافت کی، وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ ان میں سے کسی کی صدا ہے قرار نہ دے سکی۔ وہ چلے گئے اور وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گئی۔ نگاہوں میں اس کا اپنا گھر تھا جہاں مما اور بابا کے ساتھ وہ بہت مزے سے رہتی تھی۔

یادیں شفاف قطروں کی صورت اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ رہی تھیں۔ مما دروازے

دروازے کے اس پار سے آنے والی آہٹوں میں اس نے سرعت سے چہرہ صاف کیا اور رضائی چہرے تک اوڑھ کر لیٹ گئی۔

چند سیکنڈ بعد عارفہ آپی اسے پکارتی اندر آئیں۔

"حیا، حیا..... گڑیا!" وہ پیار سے پکارتی رہی پھر اسے سوتا سمجھ کر واپس چلی گئیں۔

□□.....☆.....□□

"کیا ہوا، حیا ساتھ نہیں آئی؟" ہارون صاحب نے عارفہ سے پوچھا۔

"وہ سو رہی ہے۔" عارفہ کے جواب پر وہاں موجود ماں جی اور ان کی تینوں بیٹیوں کے منہ بن گئے جب کہ یاسمین بیگم خاصی نروس ہوگئی تھیں۔

"سو رہی تھی تو اس کو اٹھانے سے قیامت برپا ہوجاتی جو اٹھایا نہیں مہارانی کو۔" بڑی پھوپو ثمینہ شدید غصے سے گویا ہوئیں۔

"سارا دن نکل گیا، رات سر پہ آ پہنچی اور وہ لڑکی کمرے سے نہ نکلی۔ حیرت ہے اب ایسی بھی کیا آرام پسندی و کاہلی؟ مہرو آپا نے بہت ہی بگاڑ دیا لڑکی کو۔" منجھلی پھوپو تہمینہ نے بھی بہن کے انداز میں ابرو چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم تو بھتیجی سے ملنے کی چاہ میں بھاگے چلے آئے اور وہ ہیں کہ کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔" چھوٹی پھوپو زرینہ نے بھی شکوہ کیا۔

"دل چھوٹا مت کرو، ابھی اسے یہاں آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ وہ جس غم و تکلیف سے گزر رہی ہے، وہ بہت بڑی ہے کچھ وقت لگے گا، اسے پرانے رشتے بھولنے اور نئے رشتے قبول کرنے میں۔ رفتہ رفتہ وہ ہم میں گھل مل جائے گی۔" ہارون صاحب نے تحمل سے بہنوں کو تسلی دی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو، ورنہ پوت کے پاؤں تو پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں۔" ماں جی اپنے مخصوص ٹھار انداز میں بڑبڑائی تھیں۔ ان کے کہنے پر کھانا شروع ہوگیا تھا۔ ماہین کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

□□.....☆.....□□

"ماں جی! میں نے شادی کی ساری تیاریاں کرلی ہیں۔ شادی اور ولیمے کے جوڑے بھی تیار ہو کر آگئے ہیں۔ اب میں رکوں گی نہیں۔" موقع پاتے ہی تہمینہ سے مخاطب ہوئیں ثمینہ اور زرینہ بھی موجود تھیں۔

"کون روک رہا ہے تجھے؟ کل بارات لے کر آجا۔" وہ خوش دلی سے بولیں۔

"ارے واہ! ایسے ہی، اکلوتا بھانجا ہے ہمارا ثوبان خوب دھوم دھڑکا ہوگا۔" زرینہ نے چہک کر کہا تو ثمینہ بردباری سے گویا ہوئیں۔

"ہم سمجھ رہے ہیں تہمینہ کی بات، مہرو کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہو نا؟"

"ہاں آپی! مجھے نہیں لگ رہا بھائی بہن کے انتقال کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی بچی کی شادی کرنے پر راضی ہوجائیں گی۔" بہن کی بات پر وہ کھل کر بولیں۔

"ماں جی کے ہوتے ہوئے اس گھر میں بھائی کے فیصلے چلیں گے؟ یہ کام ماں جی کے کرنے کے ہیں۔ ویسے بھی مہرو آپا کو گزرے ڈیڑھ ماہ گزر گیا۔ اگر ڈیڑھ سال یا ڈیڑھ صدی بھی گزر جائے تو وہ واپس آنے والی نہیں ہیں پھر کیوں ان کے سال گزرنے کا فضول انتظار کیا جائے۔" زرینہ نے چالاکی سے ماں کے کان بھی بھرے اور سکھا بھی دیا جس کی تائید دونوں بہنوں نے بھرپور انداز میں کی اور ماں جی جو پہلے ہی بیٹیوں کی باتوں پر عمل پیرا رہتی تھیں۔ فوراً ہی بہو بیٹے کو حکم دے دیا کہ دو ہفتے بعد

عروسہ اور ثوبان کی شادی ہے بڑے بیٹے اور بہو کو بھی بلالیا گیا اور ماں جی کے آگے کسی کی کیا جرأت تھی کہ انکار کرسکے۔ ماہین جو بڑی بہن کی اچانک بیماری اور پھر موت کے صدمے سے دوچار تھیں نہ چاہنے کے باوجود خاموش رہیں۔ تہمینہ دوسرے دن ہی اپنی بھری پری سسرال اور عزیز و اقارب کے ساتھ شادی کی تاریخ طے کرگئی تھیں۔

عزیز و اقارب سب جاچکے تھے ماں جی بیٹوں، بیٹیوں اور بہوؤں کے درمیان بڑی تمکنت سے بیٹھی تھیں۔ شادی کی تاریخ دے دی گئی تھی۔ دو ہفتے بعد ہونے والی تقریبات پر ڈسکس ہو رہا تھا۔ معاً حیا کو ریڈور سے بیگ کھینچتی ہوئی وہاں آئی۔ سب کی حیران سی نگاہیں اس کی طرف تھیں جب کہ چند نگاہوں میں برہمی دھڑ ابھرنے لگا تھا وہ سب کو نظر انداز کرتی ہارون کے پاس چلی آئی۔

"انکل! مجھے یہاں نہیں رکنا، شارجہ جانا ہے۔" اس کا لہجہ بہت پر اعتماد تھا۔

"بیٹا، بیٹا اتنی ایمرجنسی میں ٹکٹ کس طرح دستیاب ہوں گے؟" ہارون صاحب حقیقتاً پریشان ہوگئے تھے۔ ماہین اٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئیں۔ "کہاں جاؤ گی حیا؟ اب یہی آپ کا گھر ہے۔"

"میرا گھر نہیں ہے یہ، میں بابا کے پاس جاؤں گی۔"

"نہیں نہیں جاؤ گی تم! بھول جاؤ بابا کو۔ تمہارا باپ وہ نہیں ہارون ہے سمجھیں؟" ماں جی کی بارعب کڑک دار آواز ہال میں گونج اٹھی۔

"ماں جی پلیز! آپ غصہ مت کریں۔ میں سمجھالوں گا۔" ہارون حیا کے سر پر ہاتھ رکھ کر ماں سے آہستگی سے گویا ہوئے۔ حیا کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔

"یہ لڑکی تو ہمیں کچھ جچتی ہی نہیں ہے۔ ہمیں دیکھتے ہی کمرے میں بند ہوجاتی ہے۔ آج بھی اس نے یہی کیا۔ ہماری خوشی میں ایک لمحہ شرکت نہ کی اس نے۔"

"میں رشتوں میں برابری کی قائل ہوں، جب آپ میرے دکھ میں شریک نہیں تو میں کس طرح آپ کی خوشی شیئر کرسکتی ہوں۔"

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ کئی منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ نوجوان پارٹی نے بھی دلچسپی سے اپنی اس نازک و خوب صورت کزن کو دیکھا جس نے ثمینہ جیسی عورت کے آگے منہ کھولا تھا۔ جن کے آگے لوگوں کے منہ بند ہوجاتے تھے۔

"اچھا، اب تم ہمیں رشتے نبھانے اور برابری کرنے کا درس دو گی؟" ان کا لہجہ کسی زہریلی ناگن کی پھنکار کی مانند تھا۔

"سوری میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے انکل [illegible] تک آپ مجھے کسی ہوٹل میں رہنے کا انتظام کرادیں اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

ثمینہ کو جواب دے کر وہ ہارون سے مخاطب ہوئی۔

"بدتمیز، ماہین! یہ تربیت کی ہے تمہاری بہن نے؟ اس لڑکی کو بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے۔"

ثمینہ کے آگے کسی کو نگاہ اٹھانے کی جرأت نہ تھی۔ اس کل کی لڑکی نے زبان درازی کرکے ان کی بے عزتی کر ڈالی تھی۔ جو انہیں کسی طرح برداشت نہ تھی۔ وہ حیا کو قہر آلود نگاہ سے گھورتے ہوئے ماہین سے مخاطب ہوئیں جو پہلے ہی حیا کی پے در پے جراتوں پر بدحواس و خوف زدہ تھیں کچھ کہہ نہ

سکیں۔

"بیٹی! آپ یہاں سے کیوں جانا چاہتی ہیں۔ کوئی شکایت ہو تو بتائیں؟" ہارون کے بڑے بھائی احسان نے اٹھ کر معاملہ سنبھالا اور حیا سے مخاطب ہوئے۔

"انکل! یہ میرا گھر نہیں ہے۔ یہاں مجھے گھٹن محسوس ہوتی ہے اور مما کے جانے کے بعد بابا بہت ڈسٹرب ہو گئے ہیں میں بھی اگر یہاں رہی تو بابا بالکل تنہا ہو جائیں گے۔ کون خیال رکھے گا ان کا؟"

اس کی آواز بھیگنے لگی تو وہ چپ ہو گئی۔ آنسو ضبط کرنے سے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"گھٹن محسوس ہو یا دم نکلے، رہنا تمہیں اب یہیں ہے۔"

"ماں جی! آپ......!" ہارون لجاجت سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ وہ طیش میں آ گئیں۔

"اب تم درمیان میں مت بولو ہارون! اس کو سچ بتا دو، اب یہ کہیں نہیں جائے گی۔ غفران سے تمہارا تعلق مہرین کی زندگی تک تھا۔ مہرین چلی گئی غفران سے تمہارا تعلق خود بخود ختم ہو گیا۔ تمہارے خالہ، خالو تھے وہ اب تم اپنے سگے ماں باپ کے گھر میں ہو اور یہیں تمہیں رہنا ہے بس۔"

ماں جی سنگدلی و بے حسی کی زندہ حقیقت بنی کہہ رہی تھیں حیا کے سپید پڑتے چہرے پر دکھ کی کیفیت بڑھنے لگی یا اس کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھا اور وہ دوسرے ہی لمحے ہارون کے بازوؤں میں گر کر بے ہوش ہو گئی۔

□□......☆......□□

"ہیلو، یار کب آ رہے ہو؟ یہاں کئی خوش خبریاں ہیں۔"

"کیا، کیا ہیں؟ بتاؤ یار!" دوسری طرف سے بہت فریش مگر بھاری آواز ابھری۔

"پہلے بتا کب آ رہا ہے؟" ظفر نے جرح کی۔

"اگلے ہفتے۔"

"سچ پہلی خبر یہ ہے کہ ثوبان کی شادی......!"

"اوہ...... مجھے پتا ہے اور دوسری خبر؟"

"ہارون انکل کے ہاں ایک بیٹی آئی ہے۔ بہت پیاری لڑکی ہے۔ لیکن بہت مغرور اور تنک چڑھی ہے۔ کسی سے بات تک نہیں کرتی۔"

"اوہ! کہاں سے آئی ہے؟" پر تجسس انداز میں پوچھا۔

"ماہین آنٹی کی بہن کو تو جانتے ہو، مہرو آنٹی ان کی بہن ہے دراصل ہارون انکل کی بیٹی ہے۔ آنٹی بے اولاد تھیں تو ان دونوں کے اصرار پر ہارون انکل اور ماہین آنٹی نے پیدا ہوتے ہی اپنی بیٹی انہیں دے دی تھی۔ جسے وہ لے کر شارجہ چلے گئے تھے گھر کے بڑے سب اس حقیقت سے واقف تھے جب کہ یہاں ہم سب سے چھپایا گیا۔ وہاں حیا سے بھی پوشیدہ رکھا گیا اور اب مہرو آنٹی کی وفات کے بعد انکل حیا کو یہاں لے آئے ہیں۔ جب اس نے غفران انکل کے پاس شارجہ جانے کی ضد کی تو دادو نے بھانڈا پھوڑ دیا۔"

"اوہ بہت برا ہوا اب کیا تاثرات ہیں محترمہ کے؟"

"بہت شدید چار دن اسپتال رہ کر آئی ہے۔ شاکڈ کی وجہ سے اور گھر آ کر بھی وہ اس حقیقت کو ماننے کو تیار نہیں ہے۔ وہ یہاں سے جانا چاہتی ہے دادو نے نا معلوم غفران انکل کو کیا کہا ہے کہ وہ حیا سے بالکل رابطہ ختم کیے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن موبائل ٹرائی کرتی رہتی ہے۔ ناکامی پر رونے لگتی ہے دادو کے اور اس کے تعلقات بے حد بگڑ گئے ہیں اور

خاص طور پر ثمینہ پھوپو کے بھی۔"

"ارے ممی کے بھی...... کیوں؟"

"جب آؤ گے خود دیکھ لینا او کے اللہ حافظ۔"

□□......☆......□□

سارے خواب کچے رنگوں کی طرح گڈمڈ ہو گئے تھے۔ گزرے دن خواب تھے یا ان دنوں وہ خوابوں میں جی رہی تھی۔ بھیانک خوابوں کی کانٹوں بھری پگڈنڈی تھی۔ جہاں ہر قدم پر ان گنت کانٹے چبھ رہے تھے اور جن کی چبھن روح تک میں پیوست ہو رہی تھی۔ وہ شدید ترین تکلیف میں مبتلا تھی۔

"حیا! کیوں کمرے میں بند رہتی ہو؟ کیا سوچتی رہتی ہو میری جان؟" ماہین اس کے کمرے میں آ کر قریب بیٹھتے ہوئے ممتا بھرے لہجے میں بولیں۔

"آنٹی! یہ سب خواب ہے۔ میں سوچتی ہوں یہ کوئی ڈراؤنا خواب ہے جلد میری آنکھ کھل جائے گی اور...... اور پھر میں اپنے گھر میں ہوں گی۔ مما اور بابا کے درمیان۔ جہاں خوشیاں ہیں، رنگ ہیں، پھول ہی پھول ہیں۔"

"سوچوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ حیا سوچیں صرف فریب و دھوکا دیتی ہیں۔ اگر سوچنے سے دنیا بدلنے لگے، حالات سنورنے لگیں تو بیٹا! دنیا میں کوئی دکھی کوئی پریشان نہ ہو۔ آپ سچ کو مانو بیٹا! سچائی میں سکون و راحت ہے۔" انہوں نے اسے سینے سے لگا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ "عروسہ کی شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے۔ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آپ شریک ہوں۔ دیکھو لڑکیاں کس طرح حصہ لے رہی ہیں آپ کو بھی اچھا لگے گا۔"

"آپ مجھے یقین دلا دیں آنٹی! مجھے بابا کے پاس بھیج دیں گی۔ تو میں جو آپ کہیں گی کروں گی۔ آپ مجھے بابا کے پاس بھیج دیں گی نا؟" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسا کسی معصوم بچے کا والدین سے بچھڑنے کے بعد ہوتا ہے۔

"میں وعدہ نہیں کر سکتی حیا! آپ ہمیں آپی اور دولہا بھائی کی جگہ چاہے نہ دو مگر پلیز، حالات سے سمجھوتا کر لو۔ ماں جی کا حکم ہے آپ کو یہاں ہی رہنا ہے۔ دولہا بھائی سے تمام رابطے ختم کر دیے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"میں نہیں مانتی ماں جی کو۔ مجھے میرے باپ کو کوئی جدا نہیں کر سکتا۔" غصے سے وہ چیخ اٹھی اور وہاں سے نکل کر ان کے پاس پہنچ گئی۔

"ماں جی اور ثمینہ سر جوڑے کھسر پھسر کر رہی تھیں اسے دیکھ کر سنبھل گئیں۔

"دادو! آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ پلیز مجھے جانے دیں بابا کے پاس۔" وہ ان کے قریب کھڑے ہو کر التجائیہ انداز میں بولی۔

"ہزار دفعہ سمجھا چکے ہیں تمہیں، وہ تمہارا باپ نہیں ہے۔ تمہارا اس سے کوئی رشتہ نہیں مہرو کے مرنے کے بعد وہ نامحرم ہو گیا ہے تمہارے لیے اور ہم نامحرموں کو اپنی لڑکیاں نہیں دیا کرتے۔ آئی سمجھ تمہارے؟" ثمینہ نے پتھر مار انداز میں کہا۔ وہ اس سے دشمنی سی محسوس کرنے لگی تھیں۔

"بس، بس اب کچھ مت کہنا جو ثمینہ نے کہا ہے کافی ہے۔ ویسے بھی یہ بڑی پھوپو ہیں تمہاری، یہاں پر مجھ سے زیادہ ان کی چلتی ہے، جو یہ کہے وہ مانا کرو۔" دادو نے اسے منہ کھولتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"نامحرم؟ مجھے ان کو دیتے ہوئے آپ کو یاد نہیں آیا کہ وہ نامحرم ہیں؟"

"کس کو معلوم تھا مہرین اچانک اللہ کو پیاری

ہوجائے گی اور تم بلا بن کر ہم پر سوار ہو جاؤ گی۔" دادو نے چڑچڑے پن سے کہا۔

"مہرو نے زبان درازی کے علاوہ کچھ سکھایا ہی نہیں۔ خود تو میکے میں بھی صرف دونوں بہنیں تھیں۔ سسرال میں بھی غفران بھائی کے سوائے کوئی نہ ملا مگر تمہاری تو سوچ سمجھ کر تربیت کرنی چاہیے تھی۔ بدقسمتی سے بھری پری ہماری جیسی سسرال مل گئی۔ تو دوسرے دن ہی کاغذ پکڑا کر میاں باہر نکال دے گا زبان دیکھ کر۔"

"جب، آج تک آپ کو "کاغذ" نہیں ملا تو مجھے بھی نہیں ملے گا۔"

"اوئی ماں! کس غضب کی زبان دراز لڑکی ہے۔ اس میں مجھے طلاق۔ توبہ توبہ۔" وہ دونوں ہاتھوں سے گال پیٹتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ حیا وہاں سے چلی گئی۔ ستون کے پیچھے کھڑی ماہین دل پکڑ کر رہ گئیں۔

□□......☆......□□

عروسہ کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ چند دن بعد وہ مایوں بیٹھنے والی تھی۔ اس کے چہرے پر دھنک رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ گھر کا ہر فرد ہی خوش تھا۔ ہر ایک کے چہرے پر اسے مسرت دکھائی دیتی تھی کیونکہ یہ خاندان کی دہری شادی تھی۔ عروسہ منجھلی پھوپو کی اکلوتی بہو بن کر جارہی تھی، دونوں طرف جوش وخروش قابل دید تھا۔ مہمانوں کی آمد ورفت بھی جاری تھی۔ ہنسی مذاق، قہقہے، چھیڑ چھاڑ کا بازار ہر وقت ہی گرم رہتا اور اس کو کہاں عادت تھی اتنے لوگوں میں رہنے کی۔ ان کی بہت مختصر سی فیملی تھی بابا کم گو تھے مگر اس کی باتیں بہت توجہ اور محبت کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ امی آہستہ اور نرمی سے گفتگو کرنے کی عادی تھیں۔ اس نے دونوں کو بھی تیز بولتے نہیں سنا تھا۔ یہاں تو ماحول ہی مختلف تھا ہر بات، ہر عادت متضاد تھی۔ وہ خود کو اس ماحول میں ان کے درمیان ان فٹ محسوس کرتی تھی اور سوائے آنسو بہانے کے کر بھی کیا سکتی تھی۔ وہ روئی بھی بہت مگر، جب اسے خود یہ احساس ہوا کہ اس گھر میں خوشیاں بکھری تھیں ان لوگوں نے اول دن سے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور جب سے یہ حقیقت آشکار ہوئی تو ان کی محبت مزید بڑھ گئی۔ دونوں بڑے بھائی وحید اور رومیل دونوں بھابیاں مہوش اور نازش بھائیوں سے چھوٹی عروسہ، عارفہ اور عمیرہ اسے ہر دم خوش رکھنے کی سعی میں لگے رہتے ان کے علاوہ دیگر کزنز بھی تھے جن کو اس نے لفٹ نہ دی تھی۔ اس نے جب اپنے بہن بھائیوں کے چہروں پر اپنے آنسوؤں کی وجہ سے رنجیدگی دیکھی تو سوچا اس کا حق نہیں ہے خوشی کے موقع پر ان کو رنجیدہ کرنے کا، غم راکھ کی کوکھ میں چھپی آگ کی طرح اندر ہی اندر سلگتا ہوا ٹھیک ہے۔ جب محبتیں، چاہتیں اس نے تنہا وصول کی ہیں تو غم بھی کسی سے شیئر کرنے کی ضرورت نہیں اور پھر وہ روتے دل کے ساتھ مسکرانے کا ہنر تو نہ سیکھ سکی مگر یہ تبدیلی اس میں ضرور آگئی کہ وہ ان کے درمیان بیٹھنے لگی تھی۔

"عروسہ آپی! وہ...... وہ...... سبط بھائی آگئے امریکا سے۔" عمیرہ بھاگتی ہوئی آئی اور عروسہ سے لپٹ کر کہنے لگی تھی۔

"ارے اچانک؟ رات تک پھوپو یہیں تھیں۔ ان کو معلوم ہوتا تو وہ ضرور بتاتیں۔ بلکہ ان کے تو اہتمام ہی ختم نہ ہوتے سبط کے لیے۔"

"انہوں نے سرپرائز دیا ہے۔ دادو کے پاس بیٹھے یہی کہہ رہے ہیں کہ عروسہ کے لیے اس سے بہترین شادی کا تحفہ کوئی اور نہ ہوگا۔ ہے بھی ٹھیک

بات، سبط بھائی نہ آتے تو مزا بھی نہ آتا شادی میں۔" عمیرہ بے حد خوش ہوئی۔

"سبط بھائی انجینئر ہیں۔ پچھلے سال فرم کی طرف سے امریکا گئے تھے پانچ سال کے معاہدے پر۔ ثمینہ پھوپو کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ بہت لاڈلے، چہیتے۔" عمیرہ بڑی خوشی کے احساس سے سرشار حیا کو بتا رہی تھی۔ جو ثمینہ بیگم کے نام پر خاصی بدمزا ہوئی تھی۔

"آؤ حیا! سبط سے ملواتی ہوں تمہیں۔" عروسہ نے کہا۔

"ضروری ہے کیا؟" اس کا لہجہ سرد ہوگیا۔

"نہ...... نہیں مرضی ہے تمہاری مگر ملو گی تو اچھا لگے گا۔"

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔ مجھے ایسے لوگوں سے مل کر اچھا لگتا بھی نہیں ہے۔ گھمنڈی ماں کی گھمنڈی اولاد ماں کی طرح شو باز ہی ہوگا۔" وہ کہہ کر رکی نہیں کمرے میں آگئی۔ رات کا کھانا بھی کمرے میں ہی کھایا۔ سبط اچانک آیا تھا اس طرح حیران کرکے جو اسے اور سب کو خوشی ملی تھی۔ وہ عروسہ تک مسرور رکھتی تھی۔ ائرپورٹ سے وہ سیدھا گھر آیا۔ ممی، پاپا بھائی و بھابی سے مل کر وہ ان کے ہمراہ نانو سے ملنے آیا تھا۔ وہاں بھی اس کی اچانک آمد پر کچھ خفگی و خوش دلی سے استقبال کیا گیا۔ دونوں ماموؤں کی فیملیز تھیں۔ نانو نے فون کرکے دونوں خالاؤں کو بھی بلا لیا تھا۔ سب جمع ہوگئے ہلا گلا تھا۔ ایک تقریب کا گماں ہونے لگا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ ظفری کے ساتھ چہل قدمی کے لیے باہر نکل گیا۔ ظفری نے کہا۔

"حیا سے ملے یار؟" ظفری نے اشتیاق بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"حیا؟" فوراً ہی اس کو یاد نہ آسکا۔ "اوہ، وہ امپورٹڈ کزن، میں تو بھول ہی گیا تھا۔ وہ تو مجھے نظر نہیں آئی۔" سبط نے سوچتے ہوئے کہا کیونکہ تمام شناسا چہروں کے درمیان وہ گھنٹوں گھرا رہا۔ اس دوران کوئی غیر شناسا چہرہ دیکھنے کو نہیں ملا تھا۔

"ہاں بھائی! وہ اتنی آسانی سے نظر آنے والی چیز بھی نہیں۔"

"اچھا، تم کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آتے ہو اس سے؟" سبط نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"آف کورس، متاثر تو میں ہوا ہوں۔ اس کے اعتماد سے وہ حق بات سامنے والے کے منہ پر کہتی ہے۔ ہمارے خاندان کی لڑکیوں یا عورتوں کی طرح نہیں کہ اس کی بات اس سے اس کی بات اس سے کہہ کر جنگ کا میدان گرم ہی رکھتی ہیں۔ مجھے اس کی دلیری پسند آئی ہے کسی ایسے ویسے خیال کو جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہے دل میں۔" ظفری نے رسانیت سے کہا تھا۔

□□......☆......□□

"حیا! کیا ہوا بیٹی؟ عارفہ کہہ رہی ہے آپ کو وہ کپڑے پسند نہیں آئے؟" ماہین اس سے مخاطب ہوئیں جس نے شادی کی تقریبات کے لیے بنائے گئے تمام کپڑے ناپسند کردیے تھے۔

"سوری آنٹی! مجھ سے اتنے بھاری بھرکم بھڑکیلے کپڑے نہیں پہنے جائیں گے۔"

"شادی کی تقریب میں تو بیٹا بھاری بھرکم کپڑے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"میں شاید آپ کا دل دکھا رہی ہوں آنٹی!" وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر خفت بھرے انداز میں آہستگی سے گویا ہوئی۔ "مجھے عادت نہیں ہے

اپنے بھاری بھرکم کپڑوں کی۔"

"کوئی بات نہیں میری جان! میں شوفر کو کہہ دیتی ہوں آپ کو وہ شاپنگ سینٹر لے جائے گا۔ آپ اپنی پسند کی شاپنگ کر لینا۔"

وہ اسے پیار کر کے کہتی ہوئی چلی گئیں اور اسے محسوس ہوا مما کی مہک کہیں آس پاس ہی پھیل گئی ہو، ماہین کا انداز بھی مہرو جیسا ہی تھا۔ محبت کے گداز و ممتا کی مٹھاس سے لبریز دھیما و زم مگر پھر بھی وہ انہیں مما نہ کہہ سکی تھی۔

وہ تیار ہو کر باہر آئی تو ڈرائیور کار کے پاس ہی کھڑا تھا۔ بلیو جینز، وائٹ ٹی شرٹ میں اس کی وجاہت نمایاں تھی۔ براؤن بالوں کا ہیئر اسٹائل اس کے ڈریسنگ کسی طرح اسے ڈرائیور ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ اس نے رک کر لان اور پورٹیکو کو دیکھا۔ وہاں کوئی دوسرا تھا ہی نہیں۔ وہ اس کے پاس پہنچ گئی جو سیل فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ ایک ناشناسا چہرہ سامنے تھا۔

"شوفر؟" بڑی الجھن بھری آواز تھی گویا یقین و بے یقینی کے انداز میں پکارا گیا ہو۔ سبط جو ابھی اپنے گھر سے یہاں پہنچا تھا کار سے نکلتے ہی کسی کی کال آ گئی جو سننے کے لیے وہ رک گیا تھا۔ اس لڑکی کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ حیا ہے۔ اس کی گوری رنگت اور بھوری آنکھوں سے کافی حد تک ماہین ممانی کی شبیہہ آ رہی تھی۔ اس کی رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

"جی میڈم!" اس نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے لہجے کو مودبانہ بنایا۔

"شاپنگ سینٹر چلو۔" کنفرم ہونے کے بعد اس کا لہجہ حکمیہ ہو گیا۔

"جی اچھا۔" سبط نے سعادت مندی سے کہتے ہوئے کار کا دروازہ کھول دیا۔

"دماغ درست ہے تمہارا؟ پچھلا دروازہ کھولو۔" بے دھیانی میں وہ اگلا دروازہ وا کر بیٹھا۔ اس کے چلانے پر سرعت سے پچھلا دروازہ وا کیا۔

"میڈم! کس شاپنگ سینٹر جائیں گی؟" سبط نے بیک مرر میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے یہاں اچھا اور بڑا مال کون سا ہے؟"

اسے امریکا گئے ابھی ایک ہی سال ہوا تھا۔ ذہن کی اسکرین پر پورا کراچی موجود تھا۔ جس کے چپے چپے سے وہ بخوبی واقف تھا۔ ایک بہترین شاپنگ مال پر وہ اسے لے آیا تھا۔ وہ پرس اور دوپٹا سنبھالتی کار سے نکل آئی۔

"اے، تم کہاں آ رہے ہو؟" اسے ساتھ آتے دیکھ کر وہ بولی۔

"میڈم! خریداری میں مدد کراؤں گا آپ کی۔"

"شٹ اپ، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں گاڑی کے پاس جاؤ۔" وہ اسے ڈانٹ کر اندر داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"واہ میڈم! آپ نے تو مجھے واقعی ڈرائیور بنا دیا ہے۔" وہ مسکراتا ہوا کار کی طرف بڑھ گیا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے آدھے گھنٹے بعد حیا کو کئی شاپرز پکڑے آتے دیکھا۔ اس نے بڑھ کر وہ تمام بیگز کار میں رکھ دیے۔

"میڈم آپ نے اتنی جلدی خریداری کر لی؟" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے پیچھے بیٹھی حیا سے حیرانی سے کہا۔

"جب ایک بوتیک سے سب مل جاتا ہو تو کیا ضرورت ہے پورا مال چھاننے کی۔"

"یہ بات بھی آپ نے درست کی اگر......!"

"منہ بند کرو اپنا، کار ڈرائیو کرو۔" حیا نے اسے ڈانٹا وہ "جی اچھا" کہہ کر ڈرائیونگ کرنے لگا تھا۔ حیا اس کے اعتماد پر حیران تھی۔ وہ رکھ رکھاؤ سے ہی نہیں، گفتگو و اعتماد سے بھی ڈرائیور نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی پراعتماد و شوخ نگاہوں کے حصار میں وہ جاتے ہوئے الجھی رہی تھی اس نے واپسی میں جگہ بدل دی تھی مگر اس نے پہلے ہی سائیڈ مرر اسی طرف فوکس کر دیا۔ گویا وہ اس کی سوچوں سے باخبر تھا اور وہ واپسی میں بھی اس کی نگاہوں میں رہی۔

وہ بیگز لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ہال سے خوب صورت آوازیں آ رہی تھیں۔ سب وہاں جمع تھے اپنی شاپنگ وہاں لے کر جاتی تو اسے معلوم تھا مذاق اڑایا جاتا۔ ان کے بھڑکیلے چمکیلے لباس کے آگے اس کے سادہ کپڑے اور سادہ لگتے۔ ایسے میں وہ آنٹی اور عروسہ وغیرہ کے چہرے پہ اپنی وجہ سے پھیلتی ندامت یا تکلیف محسوس کرتی۔ اس وجہ سے کمرے میں آ گئی۔ بیگز اس نے بے دلی سے بیڈ پر رکھ دیے آنکھوں سے پھر روم جھم برسنے لگی تھی۔ مما بابا کی یادوں سے کہاں چھپ سکتی تھی۔ ان سے بچھڑے دو ماہ سے زیادہ عرصہ بیت گیا تھا اور اس عرصے میں ایک لمحہ ایسا نہ تھا کہ ان کی یاد سے غافل ہوئی ہو۔ اب بھی ان کے ساتھ کی جانے والی شاپنگز اسے یاد آ رہی تھی۔ یادوں کے سنگ بھاگتے بھاگتے وہ نیند کی وادی میں اتر گئی اور پھر ماہین کے جگانے پر اٹھی۔ انہوں نے اس کی شاپنگ کی خوب تعریف کی تھی۔ دونوں بھابیوں اور عروسہ نے نامعلوم اس کا دل رکھنے کے لیے تعریف کی تھی یا واقعی انہیں شاپنگ پسند آئی تھی۔ وہ چپ چاپ ان کی تعریف و توصیف سنتی رہی۔

"ثمینہ پھوپو آپ کو کئی مرتبہ پوچھ چکی ہیں۔" بڑی بھابی مہوش نے کہا۔

"روز روز آ جاتی ہیں ان کا اپنے گھر میں دل نہیں لگتا۔" اس نے منہ بنا کر کہا ماہین گھبرا کر بولیں۔

"ایسے نہیں کہتے انہوں نے سن لیا تو طوفان مچا دیں گی۔"

"کیوں ڈرتی ہیں آپ؟ ان کا کام کیا ہے سب کی برائیاں کرنا۔ حکم چلانا اور بے عزتی کرنا...... مجھے بالکل پسند نہیں ہے وہ۔ میں نہیں جاؤں گی لاؤنج میں۔"

"پھوپو زیادتی بھی بہت کرتی ہیں حیا کے ساتھ، بلاوجہ اس کے ساتھ خار رکھنے لگی ہیں۔ یہ بڑا پن تو نہیں ہے۔" عروسہ کو بہن سے محبت تھی۔

"سب چھوڑو آؤ ہم باہر چلتے ہیں۔" عارفہ مسکراتی ہوئی زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر باہر لے آئی اور لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ سیدھی اس شخص پر پڑی تھی وہ بڑے استحقاق بھرے انداز میں دادو کے قریب بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس کے دوسری جانب پھوپو بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔ ظفری، عبیرہ، زرینہ پھوپو کی سوہنی، تایا کہ خولہ اور مائرہ، فہد رازی سب موجود تھے۔ وہ مارے حیرانی کے ساکت رہ گئی۔ اسی دم سبط کی نظریں بھی اٹھیں اور آن واحد میں اس کے ہونٹوں کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی شرارت بھری مسکراہٹ جگمگا رہی تھی۔ ساتھ ہی وہاں موجود سب کزنز بھی مسکرانے لگے تھے۔ ان کے درمیان وہ خود کو احمق محسوس کر رہی تھی۔

"تمہیں کیوں سکتہ ہوگیا اور تم لوگ کیوں کھی کھی کر رہے ہو۔" ثمینہ پہلے عارفہ کے پہلو میں کھڑی حیا سے بولیں اور پھر ان سب سے جو اپنی ہنسی نہ روک سکے تھے۔ عبیرہ ہنستی ہوئی بولی۔ "یہ سبط بھائی ہیں ثمینہ پھوپو کے بیٹے۔ تم ان کو شوفر سمجھی تھیں۔" اس کا مارے شرمندگی کے چہرہ سرخ ہوگیا کتنی آسانی سے وہ اسے بے وقوف بنا چکا تھا اور اپنے کارنامے کی ان سے داد بھی وصول کر چکا تھا۔ تب ہی اسے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ وہ عارفہ سے ہاتھ چھڑا کر وہاں سے بھاگتی کمرے میں آ گئی۔ سبط کے چہرے سے یکدم ہی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ حیا کی کیفیت اور اس کی آنکھوں میں بھر آنے والی نمی اس کی حساس نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ وہ نادم سا ہوگیا۔

"یہ کیا بات ہوئی ماں جی! یہ لڑکی ہر بار کچھ نیا ہی کرتی ہے۔" ثمینہ حیا کو بنا کچھ کہے سنے وہاں سے بھاگتے دیکھ کر گویا ہوئیں تو عبیرہ نے سبط کی زبانی سنی ساری بات دہرا دی۔

"کیسی کم عقل لڑکی ہے دیکھو تو بھلا، میرے بچے میں اسے کیا ڈرائیوروں والی بات نظر آئی ہے۔ جو وہ ڈرائیور ہی سمجھ بیٹھی؟ احمق کہیں کی۔"

"ممی! میں نے شرارت کی تھی غلطی اس کی نہیں ہے۔"

سبط ماں کو آگ بگولہ دیکھ کر حقیقت بتانے لگا اور بڑی مشکل سے ان کا غصہ ٹھنڈا کر پایا۔ عبیرہ اٹھ کر حیا کے پاس آ گئی۔ جو ان سے خفا ہوگئی تھی اور رو ئے جا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا ان سب نے مل کر اسے بے وقوف بنایا ہے۔ ماہین کے سمجھانے بجھانے پر وہ چپ ہوئی تھی مگر کچھ دن پہلے جو وہ بے تکلفی و اجنبیت کے خول سے باہر نکلی تھی اسی خول میں پھر بند ہوگئی اور عروسہ کی مایوں تک کمرے سے باہر نہ نکلی۔

□□......☆......□□

مایوں کی رسم ادا کی جا چکی تھی۔

مہمانوں سے لان بھرا ہوا تھا۔ جو مایوں کی رسم کے لیے خصوصاً بہت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ عبیرہ اس کا ہاتھ تھامے گھوم رہی تھی۔ اس کے اصرار پر اس نے مایوں کا ڈریس پہنا تھا۔ سبز اور پیلی کڑھائی والی فراک پر سرخ دوپٹا تھا۔ دونوں کے سوٹ یکساں تھے۔ عبیرہ دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ اس کو ایسی چیزوں سے رغبت نہ تھی۔ البتہ عارفہ کے کہنے پر اس نے موتیا کے کنگن ہاتھوں میں پہن لیے تھے۔ موتیا کے پھولوں کی ڈھیروں لڑیاں عبیرہ نے اس کے بالوں میں لگا دی تھیں۔ جو اس کے دائیں شانے سے آگے لٹک رہی تھیں۔ رشتے داروں سے اسے ملوایا گیا تھا۔ وہ کافی نظروں کے زد میں تھی۔ جن سے وہ الجھن محسوس کر رہی تھی۔ عبیرہ نے نامعلوم کون کون سے رشتوں کے کزنز سے اسے متعارف کروایا مگر وہ چہرے پر اتنی بے زاری و سنجیدگی طاری کیے ہوئے تھی کہ کسی کی ہمت نہ ہوئی اس سے بے تکلف ہونے کی۔ وہ عبیرہ کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ معاً فلیش لائٹ چمکی اس نے دیکھا سامنے سبط کے ہاتھوں میں کیمرا تھا۔

"یہ کیا سبط بھائی! میری فوٹو تو آئی بھی نہیں ہوگی؟" عبیرہ جو کسی مہمان خاتون سے بات کرنے رک گئی تھی۔ اس کے قریب آ کر بولی۔

"یار! میں نے تمہاری تصویر لی کب ہے؟ میں تو ماں جی کی تصویر لے رہا تھا۔" اس نے کن انکھیوں سے حیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جھوٹ بول رہا ہے کمینہ، ماں جی کہاں ہیں؟" حیا نے غصے سے سوچا۔

"او کے، پوز دو۔ اب لے لیتا ہوں۔" وہ دل کشی سے مسکرا کر بولا۔

"آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ۔" عبیرہ نے اسے بھی کہا تو وہ اس جگہ آ کر بیٹھ گئی جہاں بچوں کی کیدرنگ تھی۔ سامنے فاصلے پر اسٹیج تھا۔ جس پر زرد سوٹ اور سبز دوپٹے میں ملبوس عروسہ سسرالیوں میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ تینوں پھوپیاں ماں جی، تائی اور آنٹی تہمینہ کے ساتھ آنے والی عورتیں و لڑکیاں وہاں موجود تھیں۔ کئی گھنٹے ہونے کو آئے تھے ان کی رسموں کا سلسلہ ختم نہ ہو رہا تھا۔

"ہیلو۔" سبط وہاں آ کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"میں نے اس دن مذاق کیا تھا آپ سے اور آپ مائنڈ کر گئیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا آپ ہرٹ ہوں گی تو میں کبھی ایسا نہیں کرتا۔ آئی ایم سو سوری۔" سبط کے لہجے میں خلوص و سچائی تھی۔ اس دن اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ مذاق میں زیادتی کر بیٹھا ہے۔ وہ بے حد شوخ و شریر ہونے کے ساتھ بلا کا حساس و ذمے دار تھا۔ روتوں کو وہ ہنسا دیا کرتا تھا اور کوئی اس کی وجہ سے شرمندگی محسوس کرے اس حد تک کہ رو پڑے، یہ اسے گوارا نہ تھا۔ تب سے آج وہ اسے ملی تو وہ معذرت کرنے چلا آیا۔

"آئی ڈونٹ کیئر۔ میں آپ جیسے لوگوں کی پروا نہیں کرتی۔"

وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی نفرت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"ارے آپ تو کچھ زیادہ ہی ناراض معلوم ہوتی ہیں۔" اس نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"مائی فٹ! میں آپ سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔" حیا کے لہجے میں اہانت تھی۔ لمحے بھر کو سبط کے وجیہہ چہرے پر سرخی پھیلی وہ وہاں سے جاتی حیا کو حیرانی سے دیکھتا رہا۔

□□......☆......□□

"ہارون! بہت غلط فیصلہ کیا تھا تم نے بیٹی سالی کو دینے کا۔ اب دیکھو نا۔ لڑکی اس گھر کی رہی نہ اس گھر کی۔ لٹک گئی ہے درمیان میں۔" وہ ماں جی کے پاس بیٹھے تھے جب ثمینہ ہارون سے مخاطب ہوئیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں آپی! وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی وہ۔"

"ارے فکر مند کیسے نہ ہوں؟ بھائی کی فکر بہن نہ کرے گی تو کون کرے گا؟ مہرو نے ذرا بھی اچھی تربیت نہ کی، مجھے تو فکر ہے کس طرح یہ لڑکی گھر بسائے گی؟ ذرا مروت و سلیقہ نہیں ہے۔ کل مایوں کی تقریب میں سارا خاندان تھا۔ مجال ہے جو کسی سے مسکرا کر اخلاق سے ملی ہو، سب سے منہ ٹیڑھا کر کر کے ملی ہے۔ سب نے ہی اسے بدمزاج و مغرور کہا ہے۔ کتنے لوگوں نے تو ہم سے ہی کہا۔"

"اسے ابھی وقت لگے گا ہمارے ماحول میں ڈھلنے میں مہرو بہت کم ہی لوگوں سے تعلقات رکھتی تھی۔ پھر رشتے داریاں تھیں نہیں جو آنا جانا ہوتا اور حیا کو عادت ہوتی۔ وہ بچپن سے ایسا ماحول دیکھتی آئی ہے۔ اپنے یہاں تو ماشاء اللہ خاندان اتنا وسیع ہے۔ خیر اسے عادت ہو جائے گی۔"

تائی ثریا نے دیورانی کے پریشان چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ثمینہ سے کہا۔

"بات ساری یہ ہے کہ اپنوں کو اپنے ہی ڈھانپتے ہیں دونوں بھائیوں اور تینوں بہنوں کی بیٹیاں اور بیٹے ہم نے آپس میں ہی رشتے کر کے نبٹا دیے ہیں اور جو موجود ہیں ان کے بھی رشتے طے ہیں سمجھو اور ان سب میں اس لڑکی کی جگہ کہیں نہیں بنتی ہے۔ سبط کے لیے تو ہم لڑکی پسند کر چکے ہیں اور شاید ظفری کے لیے بھابی دیکھ چکی ہیں کوئی لڑکی۔"

"ثمینہ! کیا رشتوں کی بات لے کر بیٹھ گئی ہو، پہلے ثوبان اور عروسہ کا فرض تو ادا ہونے دو پھر سوچیں گے کچھ۔" ماں جی نے پان کھاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"آج ثوبان کی مایوں اور رسم حنا بھی ہے۔ کل بارات، پرسوں ولیمہ، کون سے ڈھیروں دن پڑے ہوئے ہیں۔ سبط دو ماہ بعد واپس چلا جائے گا اور اس کے جانے سے پہلے اس کی شادی کرنا چاہ رہی ہیں۔" وہ پرسوچ انداز میں گویا ہوئی۔

"ارے واہ آپی! یہ ایک دم ہی پروگرام بنا ڈالا آپ نے کل تک تو کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا آپ کا۔" زرینہ حیرانی سے گویا ہوئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ سبط کے پپا نے یہی کہا ہے کہ اب اسے یہاں سے شادی کے بعد ہی بھیجنا ہے۔ ان کے کئی دوستوں کے بیٹے اور بھائی ان ملکوں میں گئے ہیں۔ تو میموں کے چکروں میں ایسے پڑے ہیں کہ سالوں سال گزر گئے پلٹ کر نہیں آئے ہیں۔" انہوں نے وجہ بیان کی۔

"اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل سبط سے بھی معلوم کر لینا وہ کیا چاہتا ہے۔" بڑے بھائی احسان نے بھی اندر آتے ہوئے باتوں میں حصہ لیا۔ ہارون اور ماہین وہاں سے اٹھ آئے تھے۔ ان کے چہروں سے ہی تفکر و ملال عیاں تھا۔ ثمینہ نے جو باتیں کیں، بے شک وہ کڑوی تھیں مگر سچائی تھی ان میں۔

"وہ مس فٹ ہے۔ ہم لوگوں میں، کیا ہوگا ہماری بچی کا ہارون؟ مہرو آپا نے پھولوں کی طرح سے اس کی پرورش کی ہے۔ یہاں آ کر رل گئی وہ۔"

"مجھے معلوم ہے ماہین، ہماری بیٹی بد دماغ و بد تمیز نہیں ہے، وہ ابھی خود کو سنبھال نہیں پائی ہے۔ اس نے مہرو آپا اور غفران بھائی کے سنگ جتنی محبتیں اور خوشیاں پائیں ان کے جاتے ہی پے در پے صدمات ملے ہیں بچی کو۔" ہارون کے لہجے میں بھی بیٹی کے لیے پیار و محبت تھی۔

"ماہین! تمہیں معلوم ہے آپی نے سبط کے لیے کس لڑکی کا انتخاب کیا ہے؟"

"نہیں ویسے ان کا اشارہ مجھے زرینہ کی بیٹی سوہنی کی طرف لگ رہا ہے، بہت پسند کرتی ہیں اس کو۔"

ان کے پاس کسی کام سے آتی حیا باہر ہی رک گئی۔

"اچھا چلو اچھی بات ہے زرینہ کی بیٹی اور ہماری بیٹی میں کوئی فرق نہیں ہے، ورنہ میرا ارادہ تو کچھ اور ہی تھا۔" وہ گہری سانس لے کر بجھے لہجے میں گویا ہوئے۔

"کیا ارادہ تھا آپ کا؟" ماہین نے پوچھا۔

"سبط کو میں نے دیکھا تو نا معلوم کیوں میرے دل نے کہا کہ سبط اور حیا کی جوڑی خوب رہے گی۔ وہ بھی خاندان میں سب سے خوبرو اور سعادت مند بچہ ہے اور ہماری حیا کی تو ماشاء اللہ اس کے ساتھ جوڑی خوب رہتی مگر...... جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔" ان کی افسردہ آواز حیا کو جھنجلا گئی۔

☆......☆

سبط سر میں درد ہونے کے باعث گولی کھا کر سو گیا تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو گھر میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ سب لوگ مہندی لے کر جا چکے تھے۔ لاؤنج میں کچھ بزرگ خواتین گفتگو میں مصروف تھیں۔ ملازمائیں وہ چیزیں سمیٹ رہی تھیں جو مہندی لے کر جانے والے مہمان اور گھر والے پھیلا گئے تھے۔

"تم نہیں گئے؟ مہندی تو تمہارے [illegible] تمہیں ضرور جانا چاہیے تھا۔" وہ عروسہ کے کمرے میں چلا آیا۔ جو مایوں کے زرد سرخ لباس میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ ابھی پارلر سے آ کر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ و پاؤں میں مہندی لگی ہوئی تھی۔ سبط کے چھیڑنے پر وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔ وہ اسے ثوبان کے حوالے سے چھیڑنے لگا معاً گیٹ وا ہوا اور حیا اندر آئی۔ میرون و گرین کڑھائی والے سوٹ میں اس کی شہابی رنگت چمک رہی تھی۔ گولڈن بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ سبط کی بے ارادہ اٹھنے والی نگاہ اٹھی رہ گئی تھی۔

ایک انوکھا غیر شناسا احساس اس کے دل کی تہوں تک اترتا چلا گیا اور پہلی بار اسے احساس ہوا اس سرپھری و بددماغ لڑکی کو دیکھنا اچھا لگ رہا ہے۔ وہ نا معلوم کب اور کیسے اس کے دل کو تسخیر کر چکی تھی۔ وہ بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا کہ دل پر وہ اس کے پہلی نگاہ سے ہی قابض ہو گئی تھی اور وقت کے ساتھ ساتھ جذبوں کے اندر تلاطم پیدا کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے جذبات کی سرکشی سے نبرد آزما تھا نہیں چاہتا تھا کہ اس کو خبر ہو اور وہ اس کے جذبوں کی پامالی کرے یہ اس کی نگاہوں کی حدت تھی یا حیا کا وہ طرز تغافل جو اس کو دیکھ کر اس کے انداز سے عیاں ہونے لگا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی اور نگاہیں سیدھی سبط کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔ سبط کو دیکھتے ہی اس کے اندر چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں کہ شام میں ہی تو اس نے انکل آنٹی کی گفتگو سنی تھی۔ وہ ان کو ساتھ دیکھنا چاہتے تھے مستقبل کے حوالے سے جب کہ وہ اسے اس وقت سے ناپسند کرتی تھی جب سے سبط نے اسے بے وقوف بنایا تھا پھر اس کی نفرت کا سبب یہ بھی تھا کہ وہ ثمینہ پھوپو کا بہت لاڈلا و چہیتا بیٹا تھا۔ ثمینہ وہ عورت تھیں جنہوں نے پہلے دن سے ہی اس سے بلاوجہ بیر باندھا ہوا تھا کوئی موقع وہ اسے باتیں سنانے کا چھوڑتی نہ تھیں۔

غصے کی سرخ آندھی اس کی آنکھوں میں چھا گئی۔

"حیا! ایک کپ چائے سبط بھائی کے لیے لے آنا۔" عروسہ نے اس سے کہا جو کمرے میں آتے ہی واپس نکل رہی تھی، اسی اثنا میں اس کا پاؤں پھسلا قبل اس کے کہ وہ فرش پر اوندھے منہ گرتی سبط نے سرعت سے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ تو اس کے بازو کو اس نے مضبوطی سے تھاما تھا مگر پھر دوسرے پل ہی اپنے حواس درست کرتی ہوئی اس سے علیحدہ ہو کر

غرائی۔

"تم نے مجھے ٹچ کرنے کی ہمت کیسے کی؟" وہ شدید اشتعال میں آئی۔

"کیا مطلب! میں نے آپ کو گرنے سے بچایا ہے۔" وہ ششدر رہ گیا۔

"معلوم ہے مجھے آپ کی نیچر تھرڈ ٹائپ مین ہیں آپ۔"

اس کی بدگمانی و بدزبانی پر وہ کھول کر رہ گیا۔ ساری شوخی و شگفتگی ہوا ہوگئی۔

"پلیز حیا! چیخو مت مہمان ہیں گھر میں، کیا سوچیں گے؟" سبط بھائی نے تمہاری مدد کی ہے اور تم فضول بات کر رہی ہو۔" عروسہ نے سرعت سے کمرے کا دروازہ بند کر کے اس سے کہا۔

"اس نے مجھے چھوا ہے آپ......!"

"شٹ یور ماؤتھ! بہت بکواس کرلی تم نے۔ کیا سمجھتی ہو خود کو؟ اگر مجھے ماموں جان کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں بتاتا۔" وہ عروسہ کے خیال سے کہتے کہتے چپ ہوگیا اور کمرے سے غصے سے باہر نکل گیا۔

☆

کتابی چہرہ بھی ہے اس کا چاندنی کی طرح
وہ چل رہا ہے میرے ساتھ روشنی کی طرح
عجب بات ہے کہ دشمن بھی ہے وہی میرا
مجھے عزیز ہے جو شخص زندگی کی طرح

سرخ و سیاہ فینسی سوٹ میں وہ وہاں موجود لڑکیوں میں سب سے علیحدہ اور نمایاں تھی۔ گولڈن گھنے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ سادگی میں بھی رعنائی سے بھرپور تھا۔ کانوں میں اس کے رنگ تھے اور گردن میں روبی کی مالا تھی۔ بائیں ہاتھ میں گھڑی اور دائیں ہاتھ میں میچنگ بریسلیٹ اس کے چہرے پر بے نیازی اور سنجیدگی تھی جو کسی کو اس سے بے تکلف ہونے کا موقع نہ دیتی تھی۔

وہ عیرہ کے ساتھ تھی سوہنی اور روزی نے پھر بھی اس سے زبردستی ہی دوستی کرلی تھی اب وہ ساتھ تھیں باتیں کر رہی تھیں مگر حیا چپ تھی۔

"جہاں تیری یہ نظر ہے میری جاں مجھے خبر ہے۔" ظفری شوخی سے گنگناتا ہوا اس کے قریب آ کر گویا ہوا۔

"تمہیں خبر نہ ہوگی تو کس کو ہوگی؟" جواباً وہ بھی شوخی سے بولا۔

"میں تو سوچ رہا تھا تمہاری زندگی میں کوئی میم شیم آ گئی ہوگی مگر تم تو ایسی کوئی بیچ لگا کر نہیں لائے اور یہاں آ کر نظر ڈالی بھی تو ایک بے حد "مشکل لڑکی" پر جس کی خواہش کرنا چاند کے حصول کی خواہش کے مترادف ہے۔" ظفری نے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خواہش جب "طلب" بن جاتی ہے تو حصول "چاند" کا ہو یا "چاہت" کا حاصل ہو کر رہتا ہے۔" سبط نے دور کھڑی حیا کو دیکھتے ہوئے جذب سے کہا۔

"چاہت، حاصل اور طلب! یہ راتوں رات کس طرح جنگل ہرا ہوگیا یار؟" ظفری نے اس کی طرف حیرانی سے دیکھا۔

"تم مجھے چھوڑ دو، اپنا بتاؤ۔ کیا کہہ رہے تھے سوہنی کے بارے میں؟" ویٹر سے کولڈ ڈرنک لے کر گھونٹ لیتے ہوئے اس نے موضوع بدلا۔

"وہی جو تم حیا کے بارے میں کہہ رہے ہو۔"

"او... یعنی چاہت، حاصل اور طلب کی جستجو۔"

وہ دونوں ہی بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

"وہ تمہاری دسترس سے دور تو نہیں ہے، ممانی جان سے کہہ کر معاملہ کلیئر کروا سکتے تھے، اس کے لیے

تمہیں میرا انتظار کیوں کرنا پڑا؟" اس کی بے قراریوں کی داستان سن کر سبط نے سنجیدگی سے کہا۔

"ثمینہ پھوپو کے پروگرام کی تمہیں خبر نہیں ہے، وہ سوہنی کو تم سے منسوب کرنا چاہ رہی ہیں۔ اس لیے میں خاموش تھا کہ اگر تم بھی ایسا چاہو گے تو...... میں تمہاری خاطر اپنی خواہش پر اناللہ پڑھ لوں گا۔"

"خدا کا شکر ہے، تم جیسا دوست مجھے ملا ہے۔ میرے بھائی! اب دیر مت کرو۔"

"میرا بس چلتا تو ابھی ثوبان کے ساتھ ہی دلہا بن کر آ جاتا مگر......!"

"کیسے دوست ہو؟ وہاں ثوبان سالیوں میں گھرا ہوا ہے اور تم دونوں یہاں کون کون سے مسئلے سلجھانے کھڑے ہوگئے ہو؟"

ثمینہ بیگم ان کے قریب آ کر گویا ہوئیں وہ دونوں معذرت کرکے جانے لگے تو ظفری کو جانے کا اشارہ کرکے انہوں نے سبط کو روک لیا۔

"سوہنی کو دیکھ رہے ہو، کتنی پیاری لگ رہی ہے؟"

ظفری کے جاتے ہی وہ سبط سے مخاطب ہوئیں۔ ان کی نظریں دور سوہنی پر تھیں جو پرپل مہنگے سوٹ میں ٹک سک سے تیار بہت اچھی لگ رہی تھی۔ عیرہ و حیا کے قریب کھڑی خوش گپیوں میں مگن تھی۔

"سوہنی کو دکھانے کا کوئی خاص مقصد ہے ممی؟" ظفری اس کو پہلے ہی مطلع کر چکا تھا وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔

"ہاں بیٹے! خاص الخاص! اسے میں بہو بنانا چاہتی ہوں۔"

"ممی! یہ ثوبان و عروسہ کی شادی کا دن ہے۔ اس فنکشن کو اٹینڈ کرنے دیں۔ ایسے فیصلے گھر میں کرنے کے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں کرنے کے نہیں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"فیصلہ تو میں کر چکی ہوں۔" کسی خاتون کے آنے پر وہ مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔

ثوبان و عروسہ کی شادی کو وہ بھرپور طریقے سے انجوائے نہیں کر پایا تھا کیونکہ ثمینہ بیگم ضدی و خود پسند عورت تھیں اور اپنی ضد سے ذرا بھی دستبردار ہونے کو تیار نہ تھیں۔ اس نے سوہنی سے رشتے کے لیے انکار کردیا۔ جو وہ ماننے کے لیے تیار نہ تھیں جواباً وہ بھی خاموش ہوگیا تھا۔ حیا کا نام لینے سے اس لیے بھی گریز کرتا رہا تھا کہ ابھی تو وہ خود اس پر یقین نہ کر سکا تھا کہ وہ اس کا ساتھ قبول کرے گی بھی یا نہیں؟ وہ بدو باغ لڑکی جو ظلم کرتی تھی اور مظلوم بن جاتی تھی ہر زیادتی کا آغاز اس کی طرف سے ہوتا اور الزام وہ اسے دے دیتی تھی۔ اس کے باوجود بھی اس کی نگاہوں کا محور وہی رہتی تھی۔

☆

شادی کے ہنگامے سرد ہوئے تو زندگی اپنی ڈگر پر لوٹ آئی تھی۔ عروسہ ثوبان کے ہمراہ ایک ہفتے بعد ہی ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔ بڑے بھائی عبدالوحید کا ٹرانسفر ایبٹ آباد ہوا تو وہ مہوش بھابی کو لے کر وہاں شفٹ ہوگئے۔ چھوٹے بھائی رومیس اسی ماہ کی چھٹیوں پر ساؤتھ افریقا سے آئے تھے وہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ جا چکے تھے۔

گھر کی گہما گہمی میں ایک سکون سا در آیا تھا۔ عیرہ نے آرٹ کالج میں ایڈمیشن لے رکھا تھا۔ اس کا آدھا دن وہاں گزرتا تو گھر آ کر وہ باقی آدھا وقت سو کر اور کزنز کے ساتھ ہلے گلے میں گزار دیتی۔ تایا کی

دونوں بیٹیوں خولہ اور مائرہ سے اس کی بہت بنتی تھی۔ جب کہ حیا سے بھی اس نے اچھی دوستی کرنے کی پوری سعی کی تھی مگر حیا نہ ان سے دوستی کرنے کو تیار تھی نہ انہیں اپنا سمجھنے کو تو وہ صلے مٹنے والے نہ تھے۔ کمرا بند کیے بیٹھی رہتی بہت کم ان کے ساتھ کھانے یا ناشتے میں شریک ہوتی تھی وہ فطرتاً بھی تنہائی پسند تھی۔ پھر اس کی پرورش بے حد ناز ونعم میں ہوئی تھی۔ مہرو اور غفران صاحب نے بھی اس کو روکا ٹوکا نہ تھا اور اس کی زندگی میں کوئی ایسا مشغلہ بھی نہیں تھا جو کسی اعتراض کے زمرے میں آتا نہ کوئی دوست تھا نہ کہیں آنا جانا۔ اسکول سے یونیورسٹی تک اس کی دوستی صرف مما اور بابا سے رہی تھی یا کتابیں۔ پودے وغیرہ، اس کی زندگی ان ہی سے خوب صورت تھی۔ جواب ان سب کے بغیر بدصورت ہی نہیں بھیانک ہوگئی تھی۔ کل کے مقابل آج متضاد ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی خاموشی، اس کی تنہائی وغم کوئی اس بھرے پرے تیز تیز بولتے اور قہقہے لگانے والے لوگوں میں ناپسندیدہ تھی تو وہ خود سوال لوگوں میں مس فٹ سمجھتی تھی۔ سب نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا مگر وہ دادو پھوپھیوں کے طنز و اعتراضات کی زد سے نہ نکل سکی تھی۔

اس رات سبط آیا تو ڈنر کے بعد سب کزنز کا آؤٹنگ پر جانے کا پروگرام بن گیا۔ وہ سب تیار تھے عارفہ اور عمیرہ نے حیا سے بھی چلنے کو کہا اور اس کے قطعی انکار پر سبط دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود چلا آیا۔

''دماغ کے لیے تازہ ہوا بہت ضروری ہے۔'' وہ بولا۔

''کس نے منع کیا ہے جا کر دماغ کو لگائیں ہوا۔''

''میں اپنے نہیں..... آپ کے دماغ کی بات کر رہا ہوں۔''

وہ اس کے قریب آ کر شوخی سے گویا ہوا۔ کاٹن کے بلو اینڈ ی گرین سوٹ میں اس کی سنہری رنگت دمک رہی تھی۔

''آپ کون ہوتے ہیں میرے دماغ کی فکر کرنے والے؟''

وہ تیوری چڑھا کر غصے سے گویا ہوئی۔ عارفہ، عمیرہ وہیں موجود تھیں اس کے بدلتے تیور پریشان کر گئے تھے۔

''جب سے آیا ہوں آپ کے دماغ ہی دیکھ رہا ہوں، تو فکر کرنے کا حق بھی میرا بنتا ہے۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر دو بدو بولا۔

''حیا! چلی چلو نا کیوں بحث کر رہی ہو؟''

اس کے بگڑتے موڈ پر عمیرہ نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''بحث میں کر رہی ہوں یا یہ کر رہے ہیں۔ انہیں خوامخواہ عادت ہے دوسرے پر دھونس جمانے کی، اپنی منوانے کی مگر میں کسی کے رعب میں آنے والی نہیں ہوں۔'' وہ کہہ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''سوری گائز، میری وجہ سے وقت ضائع ہوا کہ چلو اب۔''

لمحے بھر کو سبط کے چہرے پر خجالت بھری سرخی چھائی تھی جس کو لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ ضبط کر کے اپنے شوخ وشنگ انداز میں لوٹ آیا۔ مگر پھر تمام وقت اس کی آنکھوں نے مسکراتے لبوں کا ساتھ نہ دیا تھا۔

☐☐.....☆.....☐☐

''رات کو تم نے بہت غلط کیا سبط کے ساتھ۔''

دوسرے دن وہ لاؤنج میں بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی تب ہی عارفہ نے اس سے نرمی سے کہا۔ اس نے چونک کر عارفہ کی طرف دیکھا۔

''رات کو ہی کیا حیا تو اس کی بے عزتی کرتے تھکتی نہیں ہے۔ سبط بھائی کے مذاق کو یہ انا کا مسئلہ بنا کر بیٹھ گئی ہے۔ حالانکہ مائنڈ تو ان کو کرنا چاہیے تھا۔ اتنے ڈیسنٹ اور گڈ لکنگ بندے کو یہ ڈرائیور سمجھ بیٹھی تھی۔''

عمیرہ نے اس کی طرف دیکھتے شکائتی انداز میں کہا۔ کل رات وہ بھی اس کے طرز عمل سے پہلی بار بدمزا ہوئی تھی۔

''اچھا شوفر کیا ڈیسنٹ اور گڈ لکنگ نہیں ہو سکتے؟''

''شاید کم از کم میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔''

''او کے۔'' وہ میگزین دور اچھال کر کھڑے ہو کر غصے سے چیخنے لگی۔

''سزا ملنی چاہیے مجھے، تو سزا دو تمہارے سبط بھائی کی جو میں نے شان میں گستاخیاں کی ہیں۔ مار ڈالو مجھے۔ یہی سزا ہو سکتی ہے میرے جرم کی۔''

''حیا، حیا! پلیز، ایسا نہیں ہے بات سمجھو۔''

اسے جنونی انداز میں کمرے سے نکلتے دیکھ کر وہ دونوں پیچھے بھاگی تھیں مگر وہ تیزی سے کچن میں آ کر کاؤنٹر پر رکھی چھری اپنی کلائی پر چلا چکی تھی۔ دوسرے لمحے کچن کے فرش پر خون پھیلتا چلا گیا۔

☐☐.....☆.....☐☐

ڈنر کے دوران ہلکی پھلکی باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ جب ثمینہ گویا ہوئیں۔

''ایک ماہ تو ایسے ہی گزر گیا ہے۔ دو بھی گزر جائیں گے اور سبط کے جانے کا دن آ جائے گا اور میں چاہتی ہوں کہ آج جا کر زرینہ اور سراج سے بات کر آئیں۔''

''جس کے لیے بات کرنے جائیں گی، پہلے اس سے تو بات کر لیجیے کیا کہتے ہیں برخوردار؟'' فیصل صاحب نے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا کہے گا؟ سہیل نے کوئی اعتراض کیا تھا جب میں نے اسما کو اس کے لیے پسند کیا تھا۔ پھر سوہنی میں کیا کمی ہے۔ نہایت سمجھدار، سگھڑ و خوب صورت لڑکی ہے۔'' وہ بہو بیٹے پر فاخرانہ نظر ڈالتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''بیگم اس میں کوئی شک نہیں۔ اسما بیٹی نے بہو بیٹی کا سکھ دیا ہے اور سوہنی بھی بہترین لڑکی ہے مگر..... اب ہمیں سبط کی پسند و مرضی کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ زندگی تو اسی کو گزارنی ہے۔'' فیصل صاحب ثمینہ کی پیشانی پر پڑنے والی شکنوں کو دیکھتے ہوئے سنبھل سنبھل کر کہہ رہے تھے۔ سبط کے چہرے پر بھی سنجیدگی در آئی تھی۔ جب کہ بھائی، بھابی دھڑکتے دل سے ثمینہ کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا آپ عورتوں کی طرح ہیر پھیر سے بات کر رہے ہیں۔ سیدھی بات کریں کیا کھچڑی پکائی ہے باپ اور بیٹے نے مل کر؟'' انہوں نے گھور کر سبط اور فیصل صاحب کو دیکھا۔ کھانے سے وہ فارغ ہو چکے تھے۔

''ممی! ظفری سوہنی سے شادی کرنا چاہتا ہے.....!''

''اور تم؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر چنگاریں۔

''میں..... حیا سے.....!'' وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولا۔

''حیا سے؟'' وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھی تھیں گویا چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ جسم میں سرایت کر گیا ہو۔ انہیں دیکھ کر وہ بھی اٹھ گئے۔

"تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ وہ لڑکی میری بہو بنے گی؟"

"ثمینہ! کیوں اتنی ہائپر ہو رہی ہو؟ حیا کوئی غیر لڑکی نہیں ہے تمہارے بھائی کی بیٹی تمہارا خون ہے پھر..... تمہارا یہ رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"آپ نہیں جانتے وہ لڑکی ہے میرے بھائی کی بیٹی مگر اتنی بدتمیز و خودسر کہ میری بہو بننے کے قطعی قابل نہیں ہے۔ غیر عورت نے اس کی پرورش کی ہے۔ ہمارے قابل نہیں چھوڑا ہے اسے۔" ان کے لہجے میں اکتاہٹ و بےزاری تھی۔

سبط انہیں بحث کرتا ہوا چھوڑ کر وہاں سے نکل گیا۔ عمیرہ کی ایمرجنسی کال تھی

☐☐......☆......☐☐

ماہین شکر کر رہی تھیں کہ گھر میں ہی اس دن ماں جی نہیں تھیں اور نہ ہی ان کی جٹھانی کی فیملی۔ ورنہ ان کے لیے حیا کی اس حرکت کو پوشیدہ رکھنا دشوار تھا اور نتیجتاً سب کی دل خراش باتیں و تجزیے سننے کو ملتے وہ الگ تکلیف کا باعث بنتے۔ حیا کو کلائی پر چھری چلاتے دیکھ کر عمیرہ نے سبط کو کال کی تھی۔ کیونکہ ظفری، رازی سب ہی اپنے ماموں کے ہاں شادی میں لاہور گئے تھے۔ ہارون صاحب بھی کاروبار کے سلسلے میں دو دن کے لیے کراچی سے باہر تھے۔ عمیرہ کے ذہن میں پہلا نام سبط کا ہی آیا تھا۔ وہ کال سنتے ہی آ گیا تھا اور اپنے ساتھ ڈاکٹر کو بھی لایا تھا جس نے بے ہوش حیا کو دیکھا اور کلائی پر ٹانکوں کے بعد ڈریسنگ کر کے چلا گیا۔

ماہین روئے جا رہی تھیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ مسئلہ بنتی جا رہی تھی۔

"آنٹی پلیز خود کو سنبھالیں اگر آپ ہمت ہار جائیں گی تو معاملات مزید خراب ہوں گے وقت گزرنے کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے گویا ہوا۔

"نہیں، یہاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات بگڑ گئے ہیں۔ حیا سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ غفران بھائی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ غفران بھائی کی کالیں آئی ہیں میرے پاس وہ بھی اسے یاد کر رہے ہیں۔ بہت پیار کرتے ہیں اس سے بیٹی سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں، لیکن ماں جی کہتی ہیں وہ وہاں نہیں جائے گی اور وہ غلط بھی نہیں کہتی۔ وہ ہماری بزرگ ہیں جو ہمارے حق میں بہتر سمجھتی ہیں وہ کہتی ہیں۔" ماہین دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں وہ ان کے پاس کافی دیر تک تسلیاں دیتا رہا اور ساتھ کہہ دیا کہ وہ گھبرائیں نہیں حیا کی اس حرکت کے بارے میں وہ گھر میں بھی نہ بتائے گا۔

عمیرہ نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کی حمایت لینے پر اس نے جنون میں آ کر یہ حرکت کی ہے وہ کتنی دیر تک اس کے تکلیف زدہ چہرے کو دیکھ کر سوچتا رہا کہ وہ جو اس کے ذکر سے بھی چڑنے والی ہے۔ اس کی خاطر وہ ماں کے اصولوں سے ٹکرا رہا ہے؟ جو اس کی نہیں تو اس کی خاطر جدوجہد کا فائدہ۔ پھر دل سے آواز آئی تھی پیار نفع و نقصان سے مبرا ہوتا ہے۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں فقط محبت ہوتی ہے سود و زیاں دل کے سودوں میں نہیں چلتا ہے۔

ایک ہفتے بعد بڑے ماموں کی فیملی اور نانو لاہور سے آ گئیں تو وہ بھی چلا آیا۔ ہفتے بھر اس کے بھی ممی سے بہت اختلافات چلتے رہے وہ کسی طرح اس کی پسند کو اپنانے کو تیار نہ تھیں اور وہ بھی کہہ چکا تھا کہ اس کی شادی کا خیال بھول جائیں اگر اس کی زندگی میں کوئی لڑکی آئے گی تو وہ صرف اور صرف حیا ہی ہو گی

ورنہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گا۔ اس دوران عمیرہ اسے حیا اور اس کی طبیعت کے بارے میں بتاتی رہی تھی۔

ان دنوں گھر میں خوب رونق ہو رہی تھی۔ ثوبان اور عروسہ بھی ہنی مون سے واپس آ گئے تھے ہارون و ماہین نے بیٹی داماد کے ساتھ تینوں بہنوں کی بھی دعوت کر دی تھی۔ اندر خوب شور شرابا تھا وہ ظفری، ثوبان رازی وغیرہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا مگر اس کی نگاہیں اردگرد بیٹھی ہنستی مسکراتی کزنز میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں جو حسب توقع ان میں موجود نہ تھی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے گزرا تو ہارون نے پکار لیا تھا۔

"ماہین نے بتایا اس دن آپ کی وجہ سے حیا کی جان بچی تھی میں بھی یہاں نہیں تھا آپ اگر بروقت ڈاکٹر کو نہ لاتے تو......!"

"کوئی بات نہیں ماموں جان! وہ میرا فرض تھا۔"

اس کو اس نے کبھی اتنا ٹوٹا بکھرا نہ دیکھا تھا جتنا ان دنوں وہ اس کی وجہ سے رہنے لگے تھے۔

"سمجھ نہیں آتا کہ کس طرح وہ اس حقیقت کو مانے گی کہ وہ ہم میں سے ہے۔"

"ماموں جان! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ ان کو تسلی بھی ڈھنگ سے نہ دے پا رہا تھا۔

"سب بچیاں اندر ہنس بول رہی ہیں ایک دوسری کو اپنا سمجھتی ہیں تو نزدیک بھی ایک دوسری کے آ گئی ہیں۔ مگر وہ آج بھی سب سے اتنی ہی دور اتنی ہی اجنبی ہے جتنی پہلے روز تھی۔ مجھے اس کی فکر رہتی ہے بیٹا!"

وہ تو گویا سارے حوصلے و ہمت اس کے آگے ہار بیٹھے تھے۔

عمیرہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو ہارون اٹھ کھڑے ہوئے۔

"وہ تمہاری نک چڑھی و آدم بےزار بہن کہاں ہے؟" ہارون ہال کی طرف بڑھ گئے تو وہ دانستہ رک کر پیچھے آتی عمیرہ سے مخاطب ہوا۔

"ٹیرس پر ہے۔" حیا کے ذکر پر اس کی مسکراہٹ سنجیدگی میں بدل گئی تھی۔ "سب نے کہا وہ مہمانوں کے درمیان بیٹھے مگر وہ کہتی ہے اس کو اچھا نہیں لگتا۔ ثوبان بھائی اور عروسہ آپی سے مل کر وہ ٹیرس پر چلی گئی ہے۔ اب مہمانوں کے جانے کے بعد وہ وہاں سے آئے گی۔ جب اس نے خود کو زخمی کیا ہے تب سے ہم میں سے کوئی بھی اس سے بحث نہیں کرتا کہ وہ پھر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھالے اور پپا تو اتنے ڈسٹرب ہو گئے ہیں اس واقعے سے کہ ان کی صحت بھی متاثر ہوئی ہے۔ سوچوں میں گم پریشان رہنے لگے ہیں۔"

"میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں اس کو، ماموں جان بہت ٹینس ہیں۔"

"ارے..... آپ اس کے پاس جائیے گا بھی نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"جانتا ہوں وہ مجھے ناپسند کرتی ہے۔"

"آپ کو ہی کیا، وہ یہاں کسی کو پسند نہیں کرتی ہے اور آپ سے زیادہ اس لیے چڑنے لگی ہے کہ آپ نے مذاق کیا۔ شوفر بن گئے اس کے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔ عارفہ نے پکارا تو وہ وہاں چلی گئی تھی۔ وہ ٹیرس پر چلا آیا خوش گوار ہوا کے جھونکے وہاں آ رہے تھے۔ وہ وہاں چیئر پر سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ جوتوں کی آواز اور تیز پرفیوم کی مہک پر اس نے نگاہ اٹھائی۔

"السلام علیکم!" اس کو اپنی جانب دیکھتے پا کر وہ بولا۔ جواباً وہ انجان بن گئی۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کے مقابل کرسی رکھ کر بیٹھتے

ہوئے بولا۔

"آپ..... آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ جائیں یہاں سے؟"

"کیوں جاؤں؟ یہ ٹیرس آپ کے نام الاٹ تو نہیں ہے پھر میں کیوں جاؤں؟"

"آپ جاتے ہیں یہاں سے یا..... سب کو بلاؤں شور مچا کر؟" اس کو ڈھٹائی سے وہیں براجمان دیکھ کر وہ تیز لہجے میں بولی۔

"شوق سے چیخو چلاؤ میں کہہ دوں گا تم یہاں ٹیرس سے چھلانگ لگا رہی تھیں میں نے روکا تو چلانے لگیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ کی بات پر سب یقین کرلیں گے؟" اس کا انداز استہزائیہ تھا۔

"کیوں نہیں، یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ؟" وہ بھی اس کے انداز میں بولا۔

"یقین کرنے کی وجہ؟" اس بار اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

"شروع دن سے تم نے ایسی حرکتیں کی ہیں جس میں دانش مندی و ہوش مندی کا کوئی عمل دخل نہیں، جو لڑکی خود پر چھری چلا سکتی ہے اس سے ہر بے وقوفی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ میرے جھوٹ کو بھی سب سچ سمجھیں گے۔"

"مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں آپ کو۔" وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی تھی۔ سبط نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے جھٹکے سے دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا تھا اس کی اس جسارت پر وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"اب یہ مت سمجھنا میں نے تمہیں تنگ کیا ہے۔"

"کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا؟ پریشان کرنے آجاتے ہیں؟" بگڑے تیور اور سنجیدگی لیے وہ اس وقت حیا پر حاوی ہو چکا تھا۔

"یہی پوچھنے آیا ہوں میں تم سے، ماموں اور ممانی نے تم سے محبت کی ہے اپنے سب بچوں سے زیادہ جس کے جواب میں تم ان کو پریشان کررہی ہو؟"

"سب بچوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں..... تب ہی انہوں نے دنیا میں آتے ہی مجھے خود سے دور کردیا تھا۔" وہ اس شخص کے آگے رونا نہیں چاہتی تھی۔ مگر باوجود کوشش کے وہ آنکھوں میں اترتی نمی روک نہ سکی۔

"جب دور کرہی دیا تھا تو قریب لانے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے یہاں کسی کی محبت و پیار کی ضرورت نہیں ہے میں بابا کے پاس جانا چاہتی ہوں۔" آنسو موتیوں کی مانند اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔ سبط دم بخود سا رہ گیا خود سر، بدتمیز کسی کو خاطر میں نہ لانے والی لڑکی کا یہ ایک انوکھا روپ تھا جس میں وہ تنہا، اداس و متفکر نظر آئی تھی۔ اگر وہ انہیں دکھ دے رہی تھی تو خود بھی سکھی نہ تھی۔ اپنوں سے دوری اسے بھی مضطرب کیے ہوئے تھی۔ اس کا یہ اضطراب اس کے محبت بھرے دل کو بے چین کرنے لگا۔

"لو..... آنسو صاف کرلو۔" اس نے مہکتا ہوا رومال اس کی طرف بڑھایا۔ "اپنا رویہ تبدیل کرو، سب کے ساتھ گھل مل جاؤ۔ جب اپنی منوانی ہو تو کسی کی ماننا بھی پڑتی ہے۔ اس دنیا میں کچھ لو اور کچھ دو کا اصول چلتا ہے۔" اس نے سبط کے رومال کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ سبط نے رومال واپس جیب میں رکھتے ہوئے رسانیت سے سمجھایا۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا ہے بس۔" وہ اس کے قریب سے نکلتی چلی گئی اور وہ اس کے سنہری بالوں کو دیکھتا رہ گیا۔

☐☐.....☆.....☐☐

ثمینہ کسی طرح حیا کو بہو بنانے کو راضی نہ تھیں سبط کے انکار اور بھرپور کوششوں کے بعد ظفری کا پرپوزل سوہنی کے لیے منظور کیا گیا۔ ظفری ایک کامیاب بزنس مین اور بہترین عادت و اطوار کا خوش شکل نوجوان تھا۔ زرینہ نے بخوشی اس رشتے کو قائم کیا پھر وہ سوہنی کی طبیعت سے بھی ناواقف تھیں کہ وہ اس کو پسند کرتی تھی۔ ظفری کی محبت کا بھی انہیں ادراک تھا مگر وہ اس امر سے واقف تھیں کہ ثمینہ سوہنی کو سبط کے حوالے سے عزیز رکھتی ہیں اور ثمینہ نے ماں اور بہنوں سے کب کوئی بات چھپائی تھی۔ اب بھی وہ افسردہ و غمگین ان کے درمیان بیٹھی تھیں۔ اگر زرینہ یا ثمینہ چاہتی تو بہن کا غم غلط کر سکتی تھیں۔ سمجھا سکتی تھیں کہ بہن اور بھائی کی اولادوں میں کیا فرق ہوسکتا ہے سوہنی نہ سہی، حیا بہو بن سکتی ہے۔ وہ بھائی کی اولاد ہے مگر وہ ان بہنوں سے تھیں جو آپس میں ہی گٹھ جوڑ رکھتی تھیں۔ بھائیوں کی بیٹیاں اپنی بہوئیں بنائی تھیں تو کسی خلوص کے تحت نہیں بلکہ اس غرض و لالچ کے ساتھ کہ اس بہانے بھائی و بھاوج کو تابع رکھا جائے۔ میکے میں ان کی آؤ بھگت اور عزت و حکمرانی میں کوئی فرق نہ آئے پھر بیٹے ان کے اتنے اختیار میں تھے کہ بھتیجیاں بہوئیں بن کر بھی ان کی مٹھی میں رہتی تھیں۔ اب یہاں جو حیا سے وہ کترا رہی تھیں تو ایک تو وہ آزاد و بےفکر ماحول میں پرورش پانے کے باعث نڈر و صاف گو تھی اور نہ کسی کے دباؤ میں آنے والی تھی۔ ادھر سبط خاندان کے تمام لڑکوں سے مختلف تھا۔ دل فریب، جاذب نظر و وجیہہ ہونے کے علاوہ حق گو، بہادر اور اپنی منوانے والی ہٹ دھرمی بھی تھی۔ ویسے تو وہ ہنس مکھ، شوخ و شریر تھا مگر حیا کو اپنانے کی ضد پر اڑ گیا تھا اور یہیں سے اس نے ثابت کر دیا تھا جس کو پانے کے لیے وہ باغی بن گیا تھا۔ تو اس کو پا کر وہ بغاوت کرتا چلا گیا تھا۔ وہ جو حکمرانی کرنے کی عادی تھیں کوئی اور ان پر حکمرانی کرے یہ سوچ بھی ان کو بے چین و بےسکون کر دیتی تھی۔

"پھپھی میسنی نے نامعلوم کیسا جادو کیا ہے سبط پر وہ کسی اور کی طرف دیکھنے کو تیار ہی نہیں ہے۔ حسین سے حسین لڑکی دکھائی ہے مگر وہ صرف ایک کا ہی شیدا ہے۔ فیصل کہتے ہیں کہ اس کی بات مان لوں۔ سہیل اور اسما کی بھی یہی مرضی ہے۔ مگر میں کیسے مان لوں؟ جس لڑکی نے میرے گھر آنے سے قبل ہی میرے فرمانبردار بیٹے کو مجھ سے بدظن کر دیا ہے گھر آ کر وہ بالکل ہی جدا کروا دے گی۔"

یہی وہم، یہی خوف وہ ان کے آگے دہراتی رہتی تھیں۔

"آپی جا کر سیدھے سیدھے بھائی و بھابی حضور بچی کو سنبھالیں کسی طرح وہ آپ کا چین و سکون لوٹے ہوئے ہے۔ سبط کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔"

"اصل مسئلہ تو یہی ہے بھائی، تو کیا اس فتنہ لڑکی کو بھی سبط کے جذبوں کی خبر نہیں ہے وہ اکیلا ہی اس کے عشق میں پروانہ بنا ہوا ہے۔"

"ہائیں، یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" زرینہ کی بات پر ثمینہ حیران ہوئیں۔

"یہاں ماں جی نگرانی رکھے ہوئے ہیں پھر میں اور ثمینہ نے بھی یہی دیکھا کہ وہ تو سبط کی پرچھائیں سے بھی گریزاں ہے۔" ثمینہ اس انداز میں بات کر رہی تھیں گویا دنیا بھر کی کڑواہٹ منہ میں ہو۔

"ہاں بھئی آپی! سوچ سمجھ کر ہی کام کرنا یہاں تو صاف لگ رہا ہے یہ غلام بن کر رہ جائے گا اس لڑکی کا۔ اس کی تو کمائی بھی ڈالروں کی صورت میں ہے۔ فیصل بھائی اور سہیل کی کمائیاں تو اس کی تنخواہ کا ایک حصہ بھی نہیں۔"

"دولت و آسائشات کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔ یہی سوچا تھا بھابی عیش کرے گی۔ دل ٹھنڈا رہے گا لیکن سبط جو کبھی ایک اشارے پر چلنے والا تھا وہ ایسی ضد کر کے بیٹھا ہے کہ جو ماننے کو دل تیار نہیں ہے اور کہتا ہے اس کی کس بات کی خبر ہارون یا اس کی فیملی کو ہوئی تو اسی دن یہاں سے چلا جائے گا ورنہ میں یہاں حشر مچا دیتی۔"

"ماں جی آپ ہارون بھائی سے کہہ کر حیا کو واپس غفران بھائی کے پاس کیوں نہیں چھڑوا دیتیں؟ وہ تو ویسے ہی جانے کے لیے مچلتی رہتی ہے۔ اس طرح معاملہ ہی حل ہو جائے گا۔"

ثمینہ ماں سے مخاطب ہوئیں جو بیڈ پر نیم دراز ان کی گفتگو سنتی خاموشی سے تسبیح پڑھتی رہی تھیں۔ زرینہ کی بات پر گویا ہوئیں۔

"ایسا ممکن نہیں ہے اگر ہوتا تو حیا کو یہاں لانے کی ضرورت نہ تھی۔"

"کیوں؟ کوئی تو وجہ ہوگی بیس سال رہی ہے وہ وہاں پر؟"

"مہرو نے مرنے سے قبل ہارون سے یہ خواہش کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد حیا کو وہاں نہ چھوڑا جائے۔ حیا نے کبھی سچے رشتوں کا سامنا نہیں کیا۔ یہ اس کی خواہش تھی کہ اس کے مرنے کے بعد وہ اپنوں میں رہے۔ سچے رشتوں کی اصلیت کو پہچانے اور اس کا اکیلا پن دور ہو۔" ماں جی نے مدبرانہ انداز میں بیٹیوں کو بتایا۔ ماہین کی کھانا لگنے کی اطلاع پر ختم ہوا۔

□□.....☆.....□□

سوہنی کی انگلی میں ظفری کے نام کی انگوٹھی سج چکی تھی۔ ظفری بے حد خوش تھا۔ جس کو چاہا تھا اسے پانے کی امید بر آئی تھی اور اس کے مسرت سے جگمگاتے چہرے پر اس وقت اداسی چھا گئی جب اس نے سبط کے وجیہہ چہرے پر سنجیدہ اداسی دیکھی تھی۔ اس کی آنکھوں کے شوخ دیے بجھے ہوئے تھے۔

"میں امریکا جا رہا ہوں۔" وہ رنجیدہ سا اس کے بیڈ پر لیٹ گیا۔

"کیا.....؟ ابھی تو تمہاری چھٹیاں باقی ہیں پھر اتنی جلدی کیوں؟"

"چھ ماہ بعد بھی جانا ہے ابھی بھی جانا ہے، جب جانا ہی ہے تو کیوں دیر کروں؟ ویسے بھی میرا یہاں دل نہیں لگ رہا ہے اب۔" اس کے انداز میں کچھ ایسی بے کلی و اضطراب تھا کہ ظفری تڑپ اٹھا تھا۔

"خدا کی قسم! تو صرف ایک بار اجازت دے دے میں تیری خاطر اس لڑکی کو اٹھا کر لے آؤں گا۔ ساری اکڑ، سارا غرور اس کا مٹی میں مل جائے گا۔ ایک بار وہ تیری گرفت میں آ گئی تو...... ایسی ٹیڑھی لڑکی کو اسی طرح سیدھا کیا جاتا ہے مجھے کسی کی پروا نہیں ہے، چچا، دادو کسی کی بھی، اگر پروا ہے تو تیری...... تجھے میں اس طرح بکھرا بکھرا پریشان نہیں دیکھ سکتا یار!"

اس کے چہرے پر خطرناک عزائم تھے سبط اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"پاگل پن کی باتیں نہ کرو۔ اتنا غصہ اچھا نہیں ہے۔" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"میں تمہیں اس طرح گھٹ گھٹ کر جیتے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لڑکی کی چاہت میں تم اپنا آپ بھول گئے ہو۔ تمہاری شوخیوں، شرارتوں و قہقہوں سے در و دیوار گونجا کرتے تھے آج یہ در و دیوار بھی اداسیوں کی زد میں آ گئے ہیں۔"

"وقت بھی یکساں نہیں رہتا۔ میں بھی وقت کی لپیٹ میں آ گیا ہوں اور تم اس کا الزام حیا پر مت لگاؤ اسے میری محبت کا علم بھی نہیں ہے۔"

"تو بتاؤ نا میرے بھائی کب بتاؤ گے اسے؟"

"کبھی بھی نہیں۔" وہ خلاؤں میں گھورتا ہوا آہستگی سے گویا ہوا۔

"دماغ چل گیا ہے تمہارا، نہ تم اسے بتاؤ گے، نہ کسی اور کو بتانے دو گے؟ تو ان محترمہ کو کس طرح خبر ہوگی کیا فرشتے سرگوشیاں کریں گے؟"

"فرشتے نہیں جذبے اگر میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے تو میرے جذبے اسے مجھ تک از خود لے آئیں گے دل سے دل کو رسائی ممکن ہے۔" وہ کسی اور دنیا میں گم کہہ رہا تھا اس کے چہرے پر عجیب رنگ تھے۔

"یہ کتابوں کی باتیں ہیں، جہاں احساسات کی دنیا پر لفظوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جذبے و جذبات وہاں کے باسی ہوتے ہیں ایسی انہونی صرف وہاں ہی اچھی لگتی ہے۔ ہماری دنیا میں ایسا کچھ ممکن نہیں ہے یہاں جذبوں کو نہیں زبان کو اہمیت حاصل ہے۔ بازور زبردستی کو جو شے آسانی سے نہ ملے اسے چھین کر حاصل کرنا پڑتا ہے۔ دھونس سے اپنانا پڑتا ہے۔" ظفری کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہا تھا اس کی محبت میں۔

"جو چھین کر حاصل کی جائے وہ محبت نہیں ہوتی ہوس ہوتی ہے ڈیئر!"

"جو محبت حاصل نہ ہو، وہ پھر ہوس بن جاتی ہے۔"

"محبت کبھی ہوس نہیں بن سکتی۔ محبت بقا ہے، جاوداں ہے، ہوس فنا ہے۔ لمحوں کے بعد مٹ جاتی ہے۔ محبت ہوس ہوتو لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ہیر رانجھا، سسی پنوں کے ساتھ ہی صدیوں قبل فنا ہو چکی ہوتی۔ آج تک لوگ ان کی داستانوں کو دہرا رہے ہوتے میری جان۔"

"تم نے یار انجینئر بن کر قوم کو ایک اچھے رائٹر سے محروم کر دیا۔"

ظفری نے مسکرا کر ہار مانتے ہوئے کہا۔

"احساسات و جذبات صرف رائٹرز کی میراث نہیں ہوتے۔ یہ ہر ذی شعور میں سانسوں کی طرح موجود ہیں۔ بات ہے ان کو محسوس اور بیان کرنے کی۔"

"اس کا مطلب ہے تم اس کو بتاؤ گے نہیں کہ کتنی محبت کرتے ہو؟"

"ٹھیک سمجھے۔ اس نے مجھ سے نہیں کہا کہ مجھ سے محبت کرو میرے دل نے چاہا، آنکھوں نے پسند کیا، اب میرے جذبوں کی صداقت کی باری ہے کہ اگر یہ صادق ہوئے تو اس کی نفرت کو محبت میں بدل دینا مشکل ہے۔ مگر ناممکن نہیں۔"

□□ ☆ □□

"واہ بھئی! خوب صلہ دے رہے ہو میری محبت کا۔ ایک لڑکی کی خاطر ہم سب کو چھوڑ رہے ہو۔ اس دو دن کی محبت نے ہماری سالوں کی محبت پر مٹی ڈال دی وہ اتنی عزیز ہوگئی اور ہم بالکل غیر بن گئے۔"

"ممی! کیوں آپ اس طرح کر رہی ہیں مجھے آپ آج بھی اتنی ہی عزیز اور پیاری ہیں جتنی پہلے تھیں۔ آپ میری ماں ہیں، میری جنت ہیں۔ آپ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ آپ میری روح کا حصہ ہیں۔"

اس نے غصے سے منہ پھلائے ماں کو بڑی عقیدت و پیار سے بازوؤں کے گھیرے میں لیا۔ وہ جب بھی لاڈ کے موڈ میں ہوتا اس طرح ان سے لپٹتا۔

"اگر اتنی ہی محبت ہے مجھ سے تو حیا کا خیال دل سے نکال کیوں نہیں دیتے۔ سوہنی شاید تمہارے

نصیب میں نہ تھی مگر یاد رکھو شادی تمہیں اسی سے کرنی ہوگی جو میری پسند کی ہوئی لڑکی ہوگی۔" ان کے انداز میں ضدی پن تھا۔

"نہ آپ کی پسند اور نہ میری خواہش میں شادی نہیں کروں گا ممی!" وہ شائستگی سے مگر ہٹ دھرم انداز میں کہہ اٹھا۔

"تم اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو، شادی ہوگی تو صرف اس کلموہی سے، ورنہ کسی سے نہیں جب تم نے میرے خواب مٹی میں ملا دیئے تو میں کیوں تمہاری مانوں گی.....؟"

"کیا ہو گیا ہے بیگم ہر وقت تم گھر میں چیختی چلاتی رہتی ہو۔"

فیصل صاحب وہاں آ کر بولے۔ ثمینہ غصے سے چیخ رہی تھیں۔ سبط گردن جھکائے کھڑا تھا۔

"جا رہا ہے آپ کا لاڈلا واپس اس لڑکی کی وجہ سے۔"

"اچھا..... سبط یار کیا حیا کو بھی ساتھ لے جا رہے ہو؟"

"یک نہ شد دو شد! آپ کی شہ کا ہی نتیجہ ہے جو یہ اس لڑکی کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اسے سمجھانے کے بجائے الٹی پٹی پڑھا رہے ہیں۔"

باپ کی بات نے اس کے چہرے پر خوب صورت رنگ بکھیر دیا تھا۔ جب کہ ثمینہ مارے غصے کے بری طرح تپ کر گویا ہوئی تھیں۔

"تم بچوں کی طرح ضد کر رہی ہو ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ بیٹے کی پسند پر مجھے فخر ہے۔ حیا کو ہماری ہی بہو بننا چاہئے۔" وہ خوش دلی سے گویا ہوئے۔

"لڑکی کی صرف خوب صورتی نہیں دیکھی جاتی۔ عادت، مزاج، سگھڑپن بھی دیکھا جاتا ہے۔ وہ جتنی حسین ہے اتنی ہی بدتمیز، بداخلاق و پھوہڑ ہے۔"

"جب وہ آپ کے سائے میں آئے گی تو ساری خوبیاں اس میں آ جائیں گی۔"

"ہرگز نہیں۔ اس کو سیدھے کرنے والے ٹیڑھے ہو جائیں گے۔"

ماں باپ کو بحث میں الجھا چھوڑ کر وہ کار لے کر نکل گیا۔ کیا شے تھی یہ محبت بھی۔ اس کے دن و رات بدل کر رکھ دیئے جس نے اس کی شوخی و شرارت، کھلنڈرا پن سب اڑن چھو کر دیا۔ وہ محفلوں کی جان، ہنگاموں کا دلدادہ جو اب نہ خود پرسکون رہتا نہ کسی اور کو بیٹھنے دیتا۔ اس روگ محبت میں پھر اس طرح شدت سے مبتلا ہوا کہ اپنی بدلتی کیفیت پر خود بھی حیران رہ گیا۔ پھر سچے چاہنے والے کی طرح اس نے بھی چاہا کہ شریفانہ طریقے سے والدین کے ذریعے پروپوزل بھیج کر اسے حاصل کیا جائے کہ بلاوجہ جذبے عیاں کرنا، محبت کو آلودہ کرنا ہے اس طرح چاہت میں تازگی نہیں رہتی۔ محبت تو اس پھول کی مانند ہے جس کی مہک اس وقت تک [illegible] میسر آ جائے تو پھر پھول اپنی دلکشی و لطافت کھو بیٹھتا ہے۔ پہلے اس کی چاہت دوسرا اس کا ساتھ دینے کا عندیہ دیا۔ بھائی بھی اس کے ساتھ تھے مگر ماں کے آگے وہ مات کھا گیا تھا۔ وہ ماننے کو تیار نہ تھیں اور عجیب بات یہ تھی کہ ممی کی خفگی و بیزاری جتنی بڑھ رہی تھی حیا اپنی حسین آنکھیں اور اداس چہرہ لیے اس کی رگ و پے میں بستی جا رہی تھی۔ کسی آسیب کی مانند وہ اس کی سوچوں سے چمٹ گئی تھی۔ وہ اس کے معاملے میں بے اختیار سا ہوتا جا رہا تھا کہ گھر سے کہیں جانے کے لیے نکلتا تو کار کو ہارون ماموں کے گیٹ پر روکنے کے بعد اسے خیال آتا کہ وہ تو کہیں اور جا رہا تھا۔ یہاں کیسے آ گیا۔

وہاں جا کر بھی اس کی متلاشی نظریں اسی کو

ڈھونڈتی تھیں جو کبھی نظر آتی ہی نہیں۔ اپنے مخصوص بے پروا و بے نیاز انداز میں اس کے ساتھ اس کا وہی سردمہر رویہ تھا۔ اگر وہ اس کی محبت میں بدل نہ گیا ہوتا تو اس کے اس کٹھور پن پر مڑ کر بھی نہ دیکھتا۔ مگر کیا کہنے اس جذبہ عشق نے اسے کچھ کچھ خود غرض بنا ڈالا تھا۔ جو وہ اس کی نفرت و بے اعتنائی کو نہیں اپنی محبت و الفت کو مدنظر رکھتا تھا اور اس کے دل کا راز اور نظروں کی چوری عیرہ سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔ وہ اس وعدے پر اس کی ہمراز بن گئی تھی کہ کسی کو بھی کچھ نہیں بتائے گی۔ حیا کو بھی نہیں پھر ممی سے ضرور اختلاف کی دیوار اتنی بلند ہوئی کہ فیصلہ کرلیا واپس جانے کا۔ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے اور من پسند ساتھی بھی۔ اگر وہ نہ ملے تو پھر ازدواجی زندگی کی مسرتیں بے معنی تھیں۔ حیا اس کی زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی تھی۔ اس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی لے ہی نہیں سکتی تھی۔

وہ بے مقصد سڑکوں پہ کار دوڑاتا پھر رہا تھا دل کو عجیب سی بے چینی تھی۔ ماں کی محبت سے دستبرداری کسی طور ممکن نہ تھی تو حیا کے بغیر زندگی محال تھی۔ وہ اسی ادھیڑبن میں تھا۔ جب اچانک اسے کار روکنی پڑی۔

☆

"تمہیں معلوم ہے سبط واپس جارہے ہیں۔" وہ یک دم کھیلتے کھیلتے اس سے مخاطب ہوئی جو اسٹرائیکر پکڑے شاٹ مارنے والی تھی۔

"اوہ..... اچھی خبر ہے کب جارہا ہے وہ؟" اس نے شاٹ کھیلتے ہوئے خوشی سے کہا

"تم کتنی بدتمیزی سے بات کررہی ہو اس کے متعلق۔"

"جو جس لیول کا ہوتا ہے میں اس سے اسی طرح بات کرتی ہوں اور میرے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ گھٹیا آدمی ہے۔"

"حیا پلیز کیوں ہر وقت ان کے خلاف بولتی ہو۔ وہ تمہیں کتنا.....!"

"تم کیوں ہر وقت حمایت لیتی ہو ان کی..... میرا مشورہ ہے رازی کو اس کی منگنی کی انگوٹھی واپس کردو اور سبط سے.....!"

"بکواس نہ کرو حیا! وہ میرے بھائی ہیں۔" وہ اس کی بات قطع کرکے چیخی۔

"دیکھا ہے میں نے تمہارے علاوہ اس کی دوسری بہنوں کو بھی جو عروسہ آپی کی شادی میں کس طرح اس سے چپک رہی تھیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"ہزاروں لڑکیاں مرتی ہیں ان پر مگر وہ کسی کو لفٹ نہیں کراتے ان کا دل آیا بھی ہے تو کس پتھر پر جس سے ٹکرا کر سر تو لہولہان کیا جاسکتا ہے مگر دل نہیں لگایا جاسکتا ہے۔"

"جاکر اس پتھر کو سناؤ مجھے کیا سنا رہی ہو؟ میری یہاں کوئی حیثیت نہیں ہے۔" اس نے غصے سے تمام گوٹیں اچھال دیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رشتوں کا احترام کرنا سیکھو، ورنہ سب سے پیچھے رہ جاؤ گی۔ ابھی تم نے کتنی غلط بات کہی ہے سبط بھائی کے حوالے سے رشتوں کی اپنی اہمیت و احترام ہوتا ہے جس طرح مما اور پاپا کی ہماری زندگی میں اہمیت ہے اسی طرح تمام رشتوں کی ہوتی ہے، اس طرح رازی کی جگہ سبط بھائی نہیں لے سکتے اور سبط بھائی رازی کی کہ رازی سے دل کا تعلق ہے اور سبط بھائی سے احترام وعزت کا۔"

"مجھے رشتوں کے جال میں مت پھنساؤ۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔"

ان کی تیز آوازیں سن کر ماہین بھی وہاں آگئی تھیں۔ عیرہ کی زبانی ساری بات سن کر وہ بھی نرمی و پیار سے اسے سمجھانے لگی تھیں اور ماہین کو اپنے بجائے اس کے حق میں بولتے دیکھ کر اس کا دل اس بری طرح اچاٹ ہوا کہ اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ وہ کبھی اس گھر کے مکینوں کے دلوں میں جگہ نہ بنا سکے گی۔ وہ یہاں رہے یا چلی جائے کوئی کسی کو فرق پڑنے والا نہ تھا۔ وہ محض ضد میں اسے بابا سے دور رکھے ہوئے ہیں اور اب وہ انہیں جاکر وہاں دکھائے گی۔ ان کی باتوں پر اس نے کسی بڑے ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں آکر ضرورت کا سامان پیک کرنے لگی۔ اس کے پاس کریڈٹ کارڈ تھا۔ ادھر ماہین، عارفہ و عروسہ خوش تھیں کہ اس نے ان کی باتیں خاموشی سے سنی تھیں۔ پہلے کی طرح کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کیا تھا۔

"شکر ہے خدایا حیا اس گھر کو اپنا سمجھنے لگی ہے آگے جاکر وہ ہم میں گھل مل جائے گی۔ جانے کی رٹ بھول جائے گی۔"

ماہین کو کیا معلوم تھا کہ یہ خاموشی کسی طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔

بنگلے کی تمام غیر ضروری لائٹس آف ہوچکی تھیں۔ سب لوگ بھی کمروں میں جاچکے تھے وہ بہت خاموشی سے چھوٹا سا ہینڈ بیگ تھامے باہر دبے قدموں سے چلتی ہوئی آئی۔ پارکنگ لاٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ گیٹ میں خودکار لاک تھا جو اندر سے باآسانی کھولا جاسکتا تھا۔ باہر سے نہیں۔ وہ گیٹ کھول کر باہر نکلی اور آہستگی سے بند کرکے آگے بڑھتی چلی گئی۔

آج وہ بہت خوش تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ صدیوں بعد اس نے کھلی فضا دیکھی ہو۔ آزادی کی بڑی نعمت ہے۔ کس قدر جاں فزا احساس ہے کہ وہ رات کے اس اندھیرے میں جہاں اسٹریٹ لائٹس کی روشنیاں ناکافی تھیں۔ وہ چل رہی تھی مسرور و شاداں۔

اس کا خیال تھا کہ مین روڈ سے اسے کوئی ٹیکسی مل جائے گی جس سے وہ سیدھی ائرپورٹ جائے گی اور صبح یہاں والوں کو ناشتے میں سب سے پہلی خبر یہی دے گی کہ وہ اپنے بابا کے پاس پہنچ چکی ہے وہ یہ سوچ کر مسکرا رہی تھی۔ کہ ایک کار سڑک سے گزری پھر ریورس ہوکر اس کے قریب آرکی تھی۔ اس نے دیکھا تو سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔ سبط نے گہری نگاہ اس کے بدحواس چہرے اور پھر ہاتھ میں پکڑے بیگ پر ڈالی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"یعنی یہ میری نظر کا دھوکا نہیں، حقیقتاً تم ہی ہو۔" اس نے دایاں ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرتے ہوئے اس لہجے میں کہا۔ وہ جو پہلے ہی خوف کا شکار تھی کچھ کہہ ہی نہ سکی پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"کہاں کے ارادے ہیں؟" اس نے اس کے ہاتھ سے بیگ لینا چاہا تو ایک دم ہی گویا اس کے اندر کمزور پڑنے والی حیا اپنے ہٹ دھرم روپ میں بیدار ہوگئی۔

"آپ مجھے نہیں روک سکتے۔ میں ائرپورٹ جارہی ہوں شارجہ جانے کے لیے۔"

"بنا اجازت، بغیر اطلاع، یعنی گھر سے بھاگ کر جارہی ہو؟"

"بکواس بند کرو، میری.....!" سبط نے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرہ پر لگایا۔

اس کی بات پوری نہ ہوسکی تھی۔ بیگ اٹھا کر پچھلی سیٹ پر پھینکا اور بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا سے اگلی سیٹ پر دھکیلا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ اس کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں گویا خون اترا ہوا تھا۔ ہر دم ہنستے مسکراتے سبط کا یہ جنونی اور وحشی روپ اسے سہما گیا تھا۔ اس دن وہ اس کے آنسو دیکھ کر نرم پڑ گیا تھا۔ اب تھپڑ مار کر اسے ملال تک نہ تھا۔ وہ جو کبھی پیار سے نہ سنبھلی تھی۔ مارے ڈر گئی تھی۔

''بے وقوف ہو تم! یہ میں جانتا تھا۔ مگر اس حد تک خودسر ہو یہ معلوم نہ تھا۔ یہ شاید نانو کی دعاؤں کا حصار ہے یا ماموں ممانی کی نیکیوں کا انعام کہ تم اس وقت غلط لوگوں کے ہاتھوں سے محفوظ رہی ہو، ورنہ تم جیسی خودسر کوڑھ مغز لڑکیوں کا وہ حشر کیا جاتا ہے کہ ان کی روح بھی جسموں میں نظریں چرانی پھرتی ہے۔ تم نے جرأت کیسے کی گھر سے قدم باہر نکالنے کی؟''

اس کے رخسار پر سبط کی انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے جن میں شدید ترین جلن ہو رہی تھی۔ وہ رخسار پر ہاتھ رکھے بے آواز رو رہی تھی۔ اس کی تمام اکڑ، ساری خودسری صرف ایک تھپڑ میں ہوا ہو گئی تھی۔ وہ سارے راستے اسے باتیں سناتا آیا تھا۔ اس کا غصہ وحشت کم ہی نہ ہو کر دے رہی تھی۔

ظفری کو کال کی تھی وہ گیٹ وا کیے کھڑا تھا۔ حیران و پریشان سا۔ کار سے نکل کر اس نے اسے وحشی انداز میں گھسیٹا اور کمرے میں لاکر بیڈ پر دھکیل دیا۔ اس کا غصہ و جنون کم ہونے کے بجائے بڑھ رہا تھا۔

''اب اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو انجام کی خود ذمے دار ہو گی۔'' وہ غصے سے کہتا ہوا دروازہ لاک کر کے چلا گیا۔ وہ خاصی دیر تک گومگو کی حالت میں بیٹھی سوچتی رہی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ کیا وہ سچ مچ اس شخص سے ڈر گئی ہے جس سے اسے چڑ تھی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی جب اس نے باہر سے کسی کے بولنے کی آوازیں سنیں کھڑکی کا ذرا سا پردہ ہٹا کر دیکھا تو دم بخود رہ گئی۔ باہر انکل کھڑے تھے ان کے قریب ہی چہرے پر ڈھیروں سنجیدگی لیے سبط تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے وہ ان کو اس کا کارنامہ بتا چکا ہے۔ انکل کا چہرہ دھواں دھواں تھا معاً ان آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے بھیک مانگنے والے انداز میں کہا۔

''تم نے میری عزت بچائی ہے بہت بڑا احسان کیا ہے مجھ پر......''

''ماموں جان...... ماموں جان یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔'' سبط نے فوراً تیزی سے ان کے جڑے ہوئے ہاتھ علیحدہ کیے۔ وہ روتے ہوئے اس سے لپٹ کر کہنے لگے۔

''ایک احسان اور کر دو مجھ پر...... حیا سے شادی کر لو۔''

وہ جوان کو روتے ہوئے دیکھ کر اپنے رونے کی معافی مانگنے جا رہی تھی ان کی التجا پر ٹھٹک گئی۔ کیا کہہ رہے تھے وہ؟

''وہ نا سمجھ ہے، کم عمر ہے تم اسے اپنا لو گے تو میں سکون سے مر سکوں گا۔'' اتنی ارزاں تھی وہ......؟ اتنی بے وقعت و بے توقیر کہ وہ اس کے جیتے جاگتے وجود کو کسی ناکارہ عیب دار شے کی طرح اسے سونپ رہے تھے۔ وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ ٹوٹی بے جان شاخ کی مانند اس نے ان کی بھیک ان کی التجا قبول کی یا نہیں وہ جان ہی نہ سکی۔ چکراتے سر کو پکڑے وہیں ڈھیر ہو گئی تھی۔ اس نے رات کی تاریکی میں گھر سے قدم نکالا تھا بلاشبہ اس کا مقصد وہ نہ تھا جو عموماً اس طرح گھر چھوڑ کر جانے والی لڑکیوں کا ہوتا ہے لیکن یہ بات اس لیے چند لوگوں کے علاوہ سب سے پوشیدہ رکھی گئی کہ بے خبری میں اٹھایا گیا اس کا یہ قدم ساری زندگی کے لیے طعنے و تضحیک کا باعث بن جاتا کہ حقیقت سے نابلد لوگ اپنی ذہنی استطاعت کے باعث جھوٹ سچ کا رنگ دیتے ہیں ہارون، سبط، ظفری، ماں جی، احسان، فیصل صاحب کے علاوہ ماہین واقف تھیں۔ ان سب کی متفقہ رائے یہی تھی کہ جلد از جلد شادی کر کے اسے سبط کے سنگ امریکا ہی روانہ کر دیا جائے۔ اتنی بڑی حرکت نے ان سب کا اعتماد اس پر سے بالکل ہی ختم کر دیا تھا۔ ماں جی جو ہمیشہ بیٹیوں کی طرف داری کرتی آئی تھیں ان کی جانب داری جائز مانتی آئی تھیں۔ اس بار وہ درخت بن گئی تھیں جس کی چھاؤں سب کے لیے یکساں ہوتی ہے۔ دوسرے دن تینوں بیٹیاں ان کے پاس موجود تھیں۔ ثمینہ جو پہلے ہی ذہنی دباؤ کا شکار تھیں ماں کے منہ سے اس رشتے کی حمایت سن کر سکتے کی کیفیت میں رہ گئی تھیں۔

''ماں جی! آپ کہہ رہی ہیں کہ حیا کو آپی بہو بنانا ہوگا؟ جانتی ہیں نا۔ وہ لڑکی آپی کو بالکل پسند نہیں ہے۔'' ثمینہ نے قدرے خفگی سے کہا۔

''کیا خرابی ہے اس میں......؟ حسین، کم گو اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی ہے۔''

''کتنی زبان دراز و بدمزاج ہے وہ، چھوٹے بڑے کا ادب و لحاظ نہیں ہے اسے۔''

''جب تم میری بہن کی بہو بن کر گئی تھیں تو یہ ساری خامیاں تم میں بھی تھیں۔ اللہ بخشے میری بہن کو جو کبھی حرف شکایت زبان پر لائی ہو۔'' ماں جی تیوری چڑھا کر ثمینہ سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''میں نے کبھی موقع دیا ہوتا تو شکایت کرتیں خالہ جان، مرتے دم تک ساس سسر کی ایسی خدمت کی تھی کہ دعائیں دیتے نہ تھکتے تھے خالہ، خالو......!''

''تمہارا کیا خیال ہے حیا تمہارے ساتھ برا سلوک کرے گی؟ وہ تمہارا خون ہے اور برا نہ مانو تو صاف بات یہ ہے کہ وہ عادت و مزاج میں ہو بہو تمہاری کاپی ہے۔''

''ماں جی! آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ میں اس لڑکی کو بہو بنانے والی نہیں ہوں۔'' ثمینہ بھی انا پرستی و ہٹ دھرمی کا پکا ثبوت دے رہی تھی۔

''نامعلوم کیسی بہنیں ہو تم؟ جنہیں بھائی کی پریشانی و دکھ کا احساس نہیں ہے۔ ارے جب سے وہ لڑکی یہاں آئی ہے میرا بچہ سکون کی نیند سونا بھول چکا ہے۔ وہ لڑکی نت نئی حرکتیں کرتی رہتی ہے اگر بھی اس کی جان پر بھی بن گئی تو یاد رکھنا اس کا خون تم تینوں کی گردنوں پر ہوگا۔'' وہ پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے جس انداز میں گویا ہوئی تھیں اور ماں کی صاف گوئی پر تینوں ایک دوسری کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''ماں جی! ہم نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ ہمیں قاتل بنا رہی ہیں؟''

''کسی کے خلاف کان تو بہت بھرنا جانتی ہو مگر بہن کو سمجھا نہیں سکتیں کہ اس رشتے میں بھائی اور ماں کے علاوہ سبط کی بھی خواہش شامل ہے۔ بہنیں تو بھائیوں کی محبت میں اپنی اولادیں بھی قربان کرنے کے لیے پیش کر دیتی ہیں۔ بھائیوں کو غمگین دیکھ کر اپنا سکھ چین بھول جاتی ہیں اور ایک یہ ہیں۔'' ماں کی کچی وکھری باتیں ان کو آئینہ دکھانے لگی تھیں۔ ''اول دن سے ہی بچی کے پیچھے پڑ گئے ہم سب ہی، ذرا پیار و برداشت سے کام نہ لیا کہ وہ پہلے ہی صدموں کی گرفت میں ہے پھر اس پر نئے لوگ اجنبی

ماحول..... وقت تو لگتا ہے نا اس ماحول اور لوگوں کو سمجھنے میں اسے۔"

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے ہم نے خوامخواہ اس کے خلاف محاذ بنا لیا ذرا نرمی و پیار سے کام نہ لیا پھر مہرو کے چالیسویں کے بعد ہی فوراً ہی شادی کی تقریبات شروع کردیں۔ اس کا غم تازہ تھا آنسو اس کی آنکھوں سے خشک بھی نہ ہوئے تھے اور ہم میلہ لگائے ہنس رہے تھے، گا رہے تھے وہ کس طرح ہم کو اپنا سمجھتی؟ اپنے تو دکھ میں سب سے زیادہ ساتھ دیتے ہیں۔" تہمینہ کو بھی احساس ہونے لگا۔ شادی کے دوران حیا کی آنکھیں انہوں نے نم ہی دیکھی تھیں۔

"آپی مان جاؤ۔ سوہنی اور حیا میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ آپ کا رویہ اس سے بہترین رہا تو وہ سوہنی سے بڑھ کر آپ کی خدمت و عزت کرے گی۔" زرینہ نے بھی ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے سمجھایا۔

"کیا آپ یہ برداشت کرلوگی کہ سبط جائے تو امریکا سے بھی پلٹ کر نہ آئے۔"

"ٹھیک ہے میں ماں جی کی بات کس طرح رد کر سکتی ہوں۔ پھر وہ اسے میرے پاس چھوڑ کر تھوڑی جائے گا ساتھ لے کر جائے گا۔"

☆

"سچ بتانا میرے یار! کس انداز میں دعا مانگی تھی کہ وہ آج تمہاری سیج پر موجود ہے؟ لوگ چاند کو پانے کی تمنا کرتے ہیں اور حسرت زدہ مر جاتے ہیں۔ مگر تمہارا گھر اس چاند کی چاندنی میں جگمگا رہا ہے۔"

ڈھیروں رسموں سے فارغ ہونے کے بعد حیا کو اسما اور دوسری کزنز کمرے میں چھوڑ کر گئی تھیں۔ سبط کو ظفری نے پکڑ لیا تھا۔ خوشی سے اس کا چہرہ کھل رہا تھا۔ اس کے عزیز از جان دوست کو رب نے معجزاتی طور پر اس کی محبت بخش دی تھی اس کی مسکراتی نگاہیں اور لب اس کے لیے طمانیت کا باعث تھے۔

"میں خود ابھی خواہشوں کے گھوڑے پر سوار خوابوں کے جنگل میں بھٹک رہا ہوں۔ ڈر لگ رہا ہے آنکھ کھلے گی تو خود کو اسی سپنوں کی دنیا میں پاؤں گی۔"

اس کے وجیہہ چہرے پر مسرت و انبساط کے ساتھ بےیقینی و بےاعتباری بھی تھی۔ اسے یقین نہ تھا ابھی تک کہ جس کی تمنا کی تھی وہ اس کی دسترس میں تھی۔ اسے دیکھا، چاہا اور پالیا کیا یہ اتنا ہی سہل تھا۔ نہیں یہ اتنا آسان کہاں تھا کانٹوں پر چل کر اسے پایا تھا اس نے۔

"میری دعائیں ہے تمہاری خوشیوں کے چاند کو کبھی گہن نہ لگے۔ گزرتا ہر پل تمہیں ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر کرتا چلا جائے اور تم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہو۔"

فرط جذبات سے وہ اس سے لپٹ گیا تھا۔ نکاح کے بعد رخصتی تک وہ اس سے اسی طرح بار بار لپٹتا رہا تھا مبارک باد وصول کر رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد وہ مسکراتا ہوا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ لبوں پر مسرور کن مسکراہٹ تھی۔ دل کی دھڑکنوں میں خوشگوار ریت تھی۔ مسرت خون بن کر گویا رگ رگ میں دوڑنے لگی تھی۔ وہ نک چڑھی و مغرور لڑکی آج پوری طرح اس کی دسترس میں تھی۔ اگر وہ منتقم المزاج و کینہ پرور ہوتا تو اس کی ایک ایک بدتمیزی و زیادتی کا بدلہ سود سمیت وصول کرتا مگر وہ معاف و در گزر کرنے والا بندہ تھا۔ پیار، محبت خلوص و وفا جس کی سرشت تھی وہ سوچ چکا تھا بہت محبت و خلوص سے وہ اسے اپنی محبت کے رنگ میں رنگ دے گا۔ ان ہی خوش نما خیالوں میں اپنی مہکتی
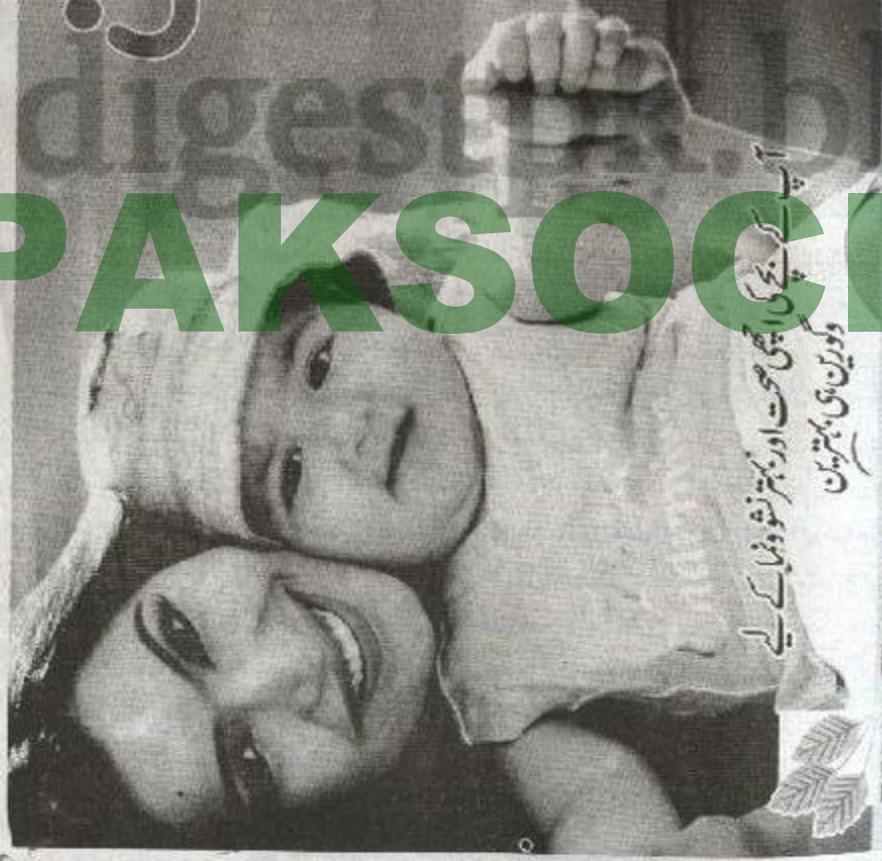
خواب گاہ میں داخل ہوا تھا۔ اس کے بیڈ کے چاروں طرف گلاب کی لڑیاں مہک رہی تھیں اور بیڈ خالی تھا۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ حیرانی سے اس نے نظریں گھمائیں تو وہ بائیں جانب اطمینان سے صوفے پر بیٹھی تھی۔ کاٹن کے سادہ لباس میں سپاٹ چہرہ لیے۔ عروسی لباس تھا نہ زیورات۔ صرف حنا لگے ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں تھیں اور خوب صورت میک اپ نے سادگی میں بھی حسن کو دوآتشہ کر رکھا تھا۔

"آداب عرض ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے شوخی سے گویا ہوا مگر وہ اس طرح چہرہ جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ شاکنگ پنک دوپٹا اس کے سر پر تھا۔

"ابھی بھی ناراض ہو؟ سب نے آپ کے اس دل کش روپ کی دید کی۔ پہلا حق میرا تھا اور مجھے ہی محروم کر دیا۔ بھلا اس جرم کی سزا کیا ہے؟" وہ جھکا ہوا کہہ رہا تھا اس کی نگاہوں میں وارفتگی تھی دیوانگی بھری محبت کی تپش تھی۔

"تمہارا دل بھر رہا ہوگا۔ اتنے بھاری بھرکم لباس اور جیولری میں کوئی بات نہیں۔ تم اس روپ میں بھی میرے دل پر قیامت ڈھا رہی ہو۔ ہر روپ تمہارا مجھے پسند ہے۔" جذباتی انداز میں کہتے ہوئے اس کا حنا سے سجا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے بغیر کسی مزاحمت کے اسے ہاتھ پکڑنے دیا اور قریب بیٹھنے پر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا تھا۔

"کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟ تم تو بالکل خاموش ہو کچھ کہہ ہی نہیں رہیں۔ ورنہ میں خوف زدہ تھا تم مجھ سے ناراض ہوں گی خفگی کا اظہار کرو گی۔" وہ اس کے ہاتھ تھام کر بہت تعجب سے کہہ رہا تھا۔

"ناراضگی، خفگی یہ حقوق ان کو حاصل ہوتے ہیں جو محبت و پسندیدگی کا اعزاز پا کر کسی کی زندگی میں داخل ہوتی ہیں۔ خیرات و بھیک کی طرح ملنے والی مجھ جیسی لڑکی کو یہ اعزاز و حق یا عزت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ خوامخواہ آپ نے لاکھوں روپیہ خرچ کر ڈالا میرے باپ تو پہلے ہی ہاتھ جوڑ کر کسی فالتو و ناکارہ بوجھ کی طرح مجھے آپ کو سونپ چکا تھا۔" اس کی دھیمی و بے جان سی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے مزاج کا سارا طمطراق و خودسری غائب تھی۔ آواز میں ایک سوز تھا۔ چہرہ و نگاہیں جھکی ہوئی تھی۔

"ارے یہ کیا کہہ رہی ہو یار! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ماموں جان ایسا بھلا کیوں کریں گے؟ تم میری محبت ہو، میری خواہش پر یہاں میرے پاس ہو۔" اس کے انکشاف نے اس کے چھکے اڑا دیے تھے وہ بے ربط سا گویا ہوا۔

"مجھے جھوٹ کے جال میں جکڑنے کی سعی مت کیجیے۔ اس رات میں سب سن چکی تھی۔ سب دیکھ چکی تھی انکل کے جڑے ہاتھ التجائیہ لہجہ اور بے بسی و ندامت سے بہتے آنسو۔ حیا اتنی ارزاں تھی اس قدر حقیر کہ کسی کو بھی ہاتھ جوڑ کر سونپ دی جائے؟ جیسے کسی آسیب سے جان چھڑائی جائے۔"

آنسو چپ چاپ اس کے رخساروں پر بہہ نکلے ہر لفظ آہ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے غلط سوچوں کو دل میں جگہ مت دو۔ ابھی ہماری نئی زندگی شروع ہوئی ہے۔ اس کا آغاز میں ہنستے، مسکراتے، خوشیوں سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"زندگی؟ حیا تو اسی رات مر گئی تھی۔ جب اس کی نسوانیت، عزت نفس، انا وقار کا قتل اس کے باپ نے یہ کہہ کر کر دیا تھا کہ ان کی بیٹی سے شادی کر لو۔ شاید ہی کسی باپ نے ایسی بھیک کسی سے مانگی ہو؟"

"بھئی بہت ہو گیا انکل نے جو کہا وہ تو تم نے سن لیا دیکھ لیا مگر جو میں نے کہا وہ کیوں نہیں سنا۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔

"پھر سننے اور دیکھنے کو رہ کیا گیا تھا؟"

"مجھے کبھی وہ لوگ پسند نہیں رہے جو محبت کا اظہار، چاہت کا اقرار لفظوں سے کرتے ہیں۔ آئی لو یو، لومی؟ آئی لو یو ٹو! ہاں مجھے یہ لفظ بھی متاثر نہیں کرتے۔ الٹا میں ان لفظوں سے وحشت میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ میرے نزدیک محبت خوشبوؤں کی طرح احساسات کو مہکا دینے والی نادیدہ شے ہے۔ جو نظر نہیں آتی۔ مگر کوئی اس کی موجودگی سے انکار نہیں کر سکتا۔ محبت بارش کے پانی کے ان قطروں کی طرح ہے جو دھرتی کی کوکھ میں جذب ہو کر اسے سرسبز و شاداب کرتی ہے۔ محبت کسی جنگل میں بہنے والی خاموش ندی کی طرح ہے چاندنی، ہوا، بادل، پھول، خوشبو، بارش ان سب میں محبت مجسم ہوتی ہے۔"

وہ جس پر دل و جاں نچھاور کرنے کو بے تاب تھا وہ اس سے کس قدر بدگمان تھی۔ اس حسین رات پیار کے حوالے سے کوئی رعنائی و دلربائی کی ادا اس میں نہ تھی کہ اس احساس کمتری میں مبتلا تھی کہ وہ اس کی خواہش کے برخلاف اس پر مسلط کی گئی تھی۔ ماموں کی پریشانی کے سبب وہ اس سے شادی کرنے پر راضی ہوا ہے اپنی ذات کی نفی، اپنے وجود کی ناقدری کون برداشت کر سکتا ہے۔ پھر سبط سے تو اس کی دشمنی سی ہوگئی تھی اور اس غلط فہمی کو دشمنی کو دوستی میں بدلنے کے لیے اس سے اپنی محبت کی صداقت منوانے کے لیے سبط نے اس کو لا کر وہ تمام تصاویر نکال کر دکھائیں جو اس کی بے خبری میں عروسہ کی شادی کی تقریبات میں کھینچی تھیں۔ وہ ڈائری دکھائی جس میں اس سے ہونے والی تمام ملاقاتوں کا احوال درج تھا۔ جذبے موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ احساسات چاہتوں کی خوشبوؤں سے لبریز تھے۔ وہ محبت کو نہ ماننے والا پہلی نگاہ کی محبت کا شکار ہوا تھا۔

"نا معلوم یہ سب دیکھ کر بھی تم یقین کر پائی ہو یا نہیں۔ مگر میں کہہ رہا ہوں محبت کہنے والا نہیں محسوس کرنے والا جذبہ ہے۔"

اس نے میز پر بکھری تصویروں اور ڈائری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گمبھیر لہجے میں بولا۔ "تم اگر میری زندگی میں نہیں آتیں تو میں کبھی شادی نہیں کرتا۔ تمہارے خیال میں ہی تمام ہو جاتی تھی۔"

اس کے بھاری لہجے میں سچی محبت کا خمار تھا۔ آنکھوں میں چاہتوں کے چراغ روشن تھے۔ وہ سراپا، وفا و محبت تھا۔ اس کی سانسوں میں خلوص کی مہک تھی۔ اگر اس کے ساتھ وہ سب نہ ہوا ہوتا تو وہ اپنے نصیب پر ناز کرتی اور اس کے سینے سے لگ جاتی کہ ایسا دیوانوں کی طرح چاہنے والا پروانوں کی طرح نثار ہونے والا ہم سفر من چاہی دعا کی مانند قسمت سے ہی ملتا ہے لیکن وہ بے اعتباری کا شکار تھی اسے آزمانے کا فیصلہ کر چکی تھی تب ہی اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا کر بولی۔

"اچھا! اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے اس کا ثبوت دیں گے؟"

"ہاہاہا...... یہاں بھی شک و شبہ؟ اوکے، مانگو کیا مانگتی ہو؟" اس کے بے یقین انداز پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر گویا ہوا۔

"میں...... میں بابا کے پاس جانا چاہتی ہوں...... اور تب تک......!"

"بس اتنی سی فرمائش؟ کرنی ہی تھی تو کوئی بڑی

فرمائش تو کرتیں۔"

"کیا آپ مجھے بابا کے پاس بھیج سکتے ہیں؟ ریگل آپ مذاق تو نہیں کر رہے نا؟" اداس ویران سے چہرے پر پل بھر میں زندگی جگمگانے لگی تھی وہ یقین و بے یقینی کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"بھیجوں گا نہیں بلکہ اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

"آپ..... آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟" ایک عرصے بعد اس کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ آئی تھی۔ اس کے چہرے پر آنکھوں میں کہکشاں چمک اٹھی تھی۔

"بے شک تمہاری خوشی کے لیے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔" اس نے اسے قریب کرتے ہوئے سرگوشی کی تھی اور وہ اس کی گرفت سے تیزی سے نکل گئی تھی۔ سبط کے چہرے پر اس بار کچھ ناگواری پھیل گئی تھی۔

"کیا ہے یہ؟" اس نے استحقاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے اعتبار نہیں ہے آپ پر..... شارجہ سے واپسی تک میں آپ کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔" فوراً ہی دل میں خیال آیا وہ اپنی من مانی کرنے کے لیے اسے جھوٹ کا بہلاوا دے رہا ہو سو اس نے مشروط فیصلہ کیا۔

"میرے حوصلوں کو آزمانا چاہتی ہو یا ضبط کو؟"

"صرف اور صرف "محبت" کو.....!" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"ہاہا بہت استاد ہو بندے کی دکھتی رگ پر ہاتھ نہیں پاؤں رکھ کر کھڑی ہوئی۔ دیکھتے ہیں ابھی عشق کے امتحان اور کون کون سے باقی ہیں۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ ہمیں ابھی ائرپورٹ چلنا ہے وہاں ایک گھنٹے بعد شارجہ کے لیے فلائٹ اڑ جائے گی۔" وہ واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولا اور اسے اپنی سماعتوں پر دھوکے کا گمان ہوا تھا وہ حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔ کئی ماہ سے وہ جانے کے لیے ترس رہی تھی۔ اس شخص نے پہلے اقدام پر اسے حیران کر دیا تھا۔ اس نے پیکنگ پہلے سے ہی کر رکھی تھی۔ فیصل انکل نے انہیں خاموشی سے رخصت کیا تھا۔ ظفری گیٹ سے باہر کار لیے کھڑا تھا وہ خواب کی سی کیفیت میں کار میں بیٹھی تھی۔ ظفری کے سلام کا جواب اس نے دیا تھا اس نے کچھ اور بھی کہا تھا مگر وہ پوری طرح حواسوں میں کہاں تھی۔

"اسٹوپڈ! کچھ دنوں بعد بھی جا سکتے تھے۔ بھابی کو لے کر کس نجومی نے کہا تھا اس خوب صورت رات کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دو۔"

"یہ میرا عہد ہے خود سے، عیاں نہ کروں گا۔" غفران انکل سے مل کر اس کو دلی خوشی ہوگی۔ ایک عرصہ ان کے لیے تڑپ رہی ہے۔" وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا اس سے دھیمے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"اگر بھائی جان نے وہاں سے آنے سے انکار کر دیا تو پھر کیا کرو گے؟"

"مجھے یقین ہے میری محبت کی کشش اسے کھینچ لائے گی۔"

"محبت..... محبت..... محبت عجیب ہے تمہاری محبت، جو تم پھولوں کی بھری سیج کو چھوڑ کر عازم سفر ہو اور صبح پھوپو جان کو معلوم ہوگا تو وہ جو ہنگامہ کریں گی اس کو سوچ کر ابھی سے مجھے ٹینشن ہو رہی ہے۔ ولیمے کا کیا ہوگا۔ ایک ہفتے بعد کوئی ولیمہ ہوتا ہے۔ ایسا کرنا اپنے پہلے بچے کی جب برتھ ڈے کرو گے تو ساتھ ہی ولیمہ بھی کر لینا۔"

ظفری نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑا تھا۔

☆.....☆

جس طرح بھی طے ہوا یہ فاصلہ اچھا لگا
پہلے وہ اچھا لگا پھر آئینہ اچھا لگا

غفران صاحب کے سینے سے لگ کر اس نے ڈھیروں آنسو بہا ڈالے تھے۔ وہ اس سے اور سبط سے محبت و گرم جوشی سے ملے تھے۔ سبط انہیں پسند آیا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ صاف ستھرا کمرہ بیڈ پر بچھی بے شکن چادر اور تکیے مما کے ہاتھ کے ہی رکھے ہوئے تھے گھر میں قدم رکھتے ہی مما کی یاد شدت اختیار کر گئی تھی۔ نا معلوم کتنی دیر تک وہ سوتی رہی تھی۔ اپنے گھر، اپنے بستر پر وہ بڑی میٹھی و پرسکون نیند سوتی رہی۔ جب کروٹ بدلی تو چوڑیوں بھرا ہاتھ کسی سخت چیز پر پڑا تھا۔ پھر اس ہاتھ پر کچھ ہلکا وزن آیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا نائٹ سوٹ میں ملبوس اس کے قریب سبط لیٹا تھا۔ اس کا ہاتھ اس کے سینے پر تھا جس پر اس نے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آپ..... آپ یہاں؟" وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"اتنا ڈر کیوں رہی ہو، کیا بھول گئیں بارہ گھنٹے قبل ہماری شادی ہوئی ہے۔ تم یہاں آ کر سو گئیں۔ سارا دن انکل کے ساتھ گزرا ہے میرا، لنچ و ڈنر پر وہ تم کو بلانے بھی آئے مگر تم تو لگتا ہے صدیوں کے بعد سوئی ہو۔ سارا دن ساری رات سونے کے باوجود تمہارا بیدار ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"آپ کو میرے بیڈ روم کا کس نے بتایا؟"

"انکل نے۔ تم اتنی نروس کیوں ہو رہی ہو؟" وہ حیران ہوا حیا جواب دیے بنا کمرے سے نکل گئی تھی۔ ناشتے کے بعد سبط نے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ غفران صاحب اتنی جلدی اس کے جانے کے حق میں نہ تھے مگر سبط کو پاکستان جا کر امریکا جانے کی بھی تیاریاں کرنی تھیں کہ وہ حیا کو ساتھ لے کر جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ انہوں نے خرابی طبیعت کے باعث ان کی شادی میں شرکت نہ کی تھی جس کی معذرت کی تھی اور سبط کو سلامی کے طور پر بھاری رقم کا چیک و مہنگی ترین رسٹ واچ دی تھی۔ رسٹ واچ اس نے لے لی تھی۔ مگر چیک حیا کو پکڑا دیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ حیا کے پاس آیا تھا۔

"کب لینے آؤں؟" وہ اس کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر گویا ہوا۔

"پتا نہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بے پروائی سے کہنے لگی۔

"تم نے وعدہ کیا تھا میں تمہیں یہاں لے کر آؤں گا تو تم میری ہر بات مانو گی۔"

"ہوں، کہا تو تھا مگر..... وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے۔" وہ اس طرح ہنسی تھی کہ قوس قزح کے رنگ اس کے چہرے پر جھلملانے لگے تھے۔

"آپ نے ظفری سے کہا تھا آپ کی محبت کی کشش مجھ کو کھینچ لے جائے گی۔ تو انتظار کیجیے میرا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

اس نے اس انداز میں اسے چڑایا وہ طیش میں آ گیا۔

"میری محبت کو میری بزدلی مت سمجھو، ورنہ چاہوں تو ابھی تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہاں سے لے جا سکتا ہوں۔ تمہارا باپ بھی میرا راستہ نہ روک سکے گا۔ میں زور زبردستی پسند نہیں کرتا۔ حیوانیت و حاکمیت جتانے والوں کو میں مرد نہیں سمجھتا۔"

وہ بڑے محبت بھرے انداز میں اس سے پوچھنے آیا تھا اور اس نے بڑی بے مروتی سے اسے ناراض کر

کے بھیج دیا تھا۔

یہ تو وہیں فیصلہ کرلیا تھا اس نے کہ کسی طرح ایک دفعہ یہاں آگئی تو واپس نہیں جائے گی۔ سبط جا چکا تھا اس کو تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ یہاں آنا چاہتی تھی اور آ گئی تھی۔ مگر دل کو عجیب بے کلی و بے سکونی سی ہوگئی تھی۔ دو تین دن تو وہ سکون سے رہی تھی مما کی یادیں، ان کی باتیں اسے وہاں گونجتی محسوس ہوتی تھیں مگر پھر اُداسی و تنہائی اسے وہاں ہر شے سے لپٹی نظر آئی۔ مما کی غیر موجودی میں گھر بدل کر رہ گیا تھا۔ اس کے پالتو پرندے مر گئے تھے۔ پودے اُجڑ گئے تھے گھر میں ایک حبشی ملازمہ تھی۔ سیاہ رنگت و موٹی موٹی آنکھوں و ہونٹوں والی ملازمہ کام کے دوران اسے عجیب انداز میں گھورتی تھی اور اس کے فارغ ہو کر جانے تک وہ خوف میں مبتلا رہتی تھی۔

پاپا مما کے سامنے ہی بہت مصروف رہتے تھے اور ان کے جانے کے بعد تو وہ راتوں کو بھی گھر دیر سے آنے لگے تھے۔ ان سے ملاقات صرف ناشتے پر ہی ہوتی تھی۔ وہ اس تنہائی میں اب ان سب لوگوں کو یاد کرنے لگی تھی۔ ماہین آنٹی، ہارون انکل، عروسہ، عارف، بجیرہ، دادو اور بہت سے لوگ جن کو اس نے کبھی اپنا نہ سمجھا، جنہوں نے اس کی خاطر اس کی ہر بد تمیزی، زیادتی ہنس کر مسکرا کر برداشت کی۔ عجیب فطرت ہے انسان کی بھی۔ شکر و قناعت شاید اس کی سرشت میں ہی نہیں ہے۔ کل جن لوگوں سے نفرت کی، جن سے چھٹکارا چاہا اب ان کے لیے ہی رو رہی تھی۔ مہرو کی خوش بُو اس گھر سے جا چکی تھی۔ اس کو پاپا پر حیرانی ہوئی تھی جو مما کا ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔ اتنا عرصہ تو انہیں دنیا سے گئے ہوئے نہ ہوا تھا کہ وہ ان کے ذہن سے محو ہو کر رہ جاتیں اس نے محسوس کیا کہ وہ مما سے محبت ہی نہیں کرتے تھے، جو اس طرح انہیں فراموش کر بیٹھے ہیں۔ محبت کے نام پر اس کی نگاہوں میں ایک پیکر مجسم گزر گیا۔ وہ شخص جو سب کا لاڈلا تھا۔ سب کی محبتوں کا محور جو خود کتنے دلوں کی دھڑکن تھا۔ ہزاروں لڑکیوں میں جس نے اسے پسند کیا۔ چاہا اور ایسا ٹوٹ کر چاہا کہ اسے بھی بالآخر محبت کا مفہوم سمجھا دیا کہ حقیقتاً محبت روحوں کا ملن ہوتا ہے وجود کا نہیں۔ اس میں صرف دینا ہوتا ہے، لینا نہیں۔ اس کی ہر زیادتی، بدتمیزی، خودسری کے جواب میں سبط نے صرف دیا ہی تھا۔ عزت، احترام، درگزر، معافی، اپنی آرزوؤں کو کچل کر اس کی خواہشوں کو مانا تھا۔

"کیا میں ان کے بغیر جی سکوں گی؟ اتنی محبت، عزت، چاہت کوئی اور دے سکے گا؟" جواباً اس کی گردن از خود ہی نفی میں ہل گئی تھی۔

"پاپا میں کراچی جانا چاہتی ہوں۔ آپ میری سیٹ بک کروا دیں میں سبط کو کال کردوں گی وہ ائر پورٹ سے ریسیو کرلیں گے۔"

"گڈ! آپ نے خود فیصلہ کرلیا ورنہ میں ابھی یہی کہنے والا تھا کہ لڑکیاں شادی کے بعد سسرال میں خوش رہتی ہیں۔ میں سیٹ بک کروا دیتا ہوں۔ آپ یہاں سے شاپنگ کرلیں اور ایک بات اور آپ کو بتانی ہے۔" وہ ناشتے کی ٹیبل پر تھے جب وہ محتاط انداز میں بولے۔

"میں نے مہرو کی زندگی میں ہی دوسری شادی کرلی تھی مہرو سے اس لیے چھپایا کہ اس کی دل آزاری نہ ہو اور اب آپ سے بھی حریم کو اس لیے نہیں ملوایا کہ......!"

دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا یعنی مما کی خوش بُو اس لیے یہاں سے غائب ہوئی تھی۔

"اچھا کیا بابا آپ نے آپ کا بھی تو کوئی خیال

رکھنے والا ہونا چاہیے۔ تنہائی انسان کو نیم پاگل کردیتی ہے۔" اس نے ایمانداری سے کہا تھا۔

"شکریہ میری بیٹی آپ نے مجھے خوش کردیا۔ ورنہ میں پریشان تھا۔ آپ کے ولیمے پر میں اور حریم آئیں گے پاکستان۔" وہ اس کی پیشانی چوم کر بولے تو وہ نم آنکھوں سے شرما گئی۔

☐☐......☆......☐☐

ائر پورٹ پر وہ اس کا منتظر تھا۔ وہ خوب صورت لباس اور خوش بُو میں بسا وہاں سب میں نمایاں تھا کئی رشک آمیز نظریں اس پر مرکوز تھیں اور اس کی نظریں چیکنگ روم سے آتی حیا پر تھیں۔ ریڈ سوٹ پر بلیک موتیوں ستاروں کا کام تھا۔ میچنگ جیولری، لائٹ میک اپ اور گولڈن بکھرے بالوں میں وہ حسن کا شاہ کار لگ رہی تھی۔ سبط اسپیشل کارڈ ہونے کے باعث لاؤنج میں چلا گیا تھا۔ حیا کی نگاہ اس پر پڑی تو لمحے بھر کو وہ ٹھٹک کر رک گئی مگر دوسرے لمحے وہ بھاگ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ سبط نے بہت نرمی سے اسے علیحدہ کیا۔

"کیا ہوا؟" حیا اس کی سنجیدہ صورت دیکھ کر گھبرا کر بولی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ اگر تم نہ آتیں تو پھر کچھ ہو جاتا۔" وہ اس کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا ہو جاتا؟ معلوم بھی تو ہو؟"

"میں پاگل ہو جاتا۔ قیس صحرا میں لیلیٰ لیلیٰ پکارا کرتا تھا۔ میں کراچی کی سڑکوں، گلیوں میں حیا...... حیا پکارتا پھرتا۔"

"کیا واقعی آپ میرے لیے پاگل ہو جاتے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"بالکل صد فی صد اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔"

"اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے؟" وہ ائر پورٹ سے باہر نکل آئے۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" وہ سامان ڈگی میں رکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں، یہ پوچھنے کی بات بھی ہے اور کہنے کی بات بھی ہے۔"

"گویا میں تم سے کہوں میں تم سے محبت کرتا ہوں تم سے عشق ہے مجھے؟"

وہ کار میں آ بیٹھے تھے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ ڈھلتی رات کے سرمئی اندھیرے نے ماحول کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ ہلکی ہلکی شبنم گر رہی تھی۔

"ہاں...... کہیں نا...... یہ سننا اچھا لگتا ہے۔"

"اور کہنا؟" اس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

"اوہوں۔ کہنے سے زیادہ سننا اچھا لگتا ہے۔" وہ حیا سے نگاہ جھکا کر بولی۔

"محبت سننے کے لیے نہیں محسوس کرنے کے لیے ہوتی ہے سویٹ ہارٹ۔" وہ سرشار لہجے میں کار اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

"محبت کس طرح محسوس کی جاسکتی ہے جب تک لفظوں سے اظہار نہ ہو؟"

"یہ محبت ہی تو ہے جو تمہیں وہاں سے یہاں تک لائی اور یہ محبت ہی تو ہے جو تم چند گھنٹوں کی دلہن ہونے کے باوجود اپنے شوہر سے پٹر پٹر محبت پر بحث کر رہی ہو کیونکہ تم خود محبت ہو۔" اس کی بات پر وہ بری طرح جھینپ گئی تھی اور سبط نے زوردار قہقہہ لگایا۔

قسط نمبر 16

راحت وفا

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

وہ دل کی بازی جہاں مجھ سے جیتنا چاہے
میں مان لوں گا وہیں مات اس سے کہہ دینا
وفا کی راہ میں، میں آج بھی اکیلا ہوں
کوئی نہیں ہے میرے پاس اس سے کہہ دینا

فرحان بدحواس سا سید حاذ بیر احمد کے پاس آیا۔ سامعہ نے خود کو کمرے تک محفوظ کر رکھا تھا۔ وہ کمرے میں گھستا چلا آیا۔ احتشام سویا ہوا تھا' سامعہ اس کے قریب بیڈ پر نیم دراز تھی...... اسے دیکھ کر حرکت میں آ گئی۔

"کیا ہوا؟" وہ بیقراری سے بولا۔

"وہی کچھ، جس کا ڈر تھا۔"

"کچھ تو بتاؤ...... اور ماموں ٹینٹ وغیرہ کیوں اتروا رہے ہیں؟" فرحان نے پریشانی سے پوچھا۔

"سب گڑبڑ ہوگئی، میں بہت شرمسار ہوں۔" وہ ایکدم ہی رونے لگی۔

"سامعہ! پلیز کچھ تو بولو۔" وہ اور زیادہ مضطرب ہوگیا۔

"زرتاشیہ کو سب علم ہوگیا۔" وہ کچھ بھی نہ سکا۔

"کیا......؟"

"آپ کے اور میرے بارے میں۔"

"یعنی......؟" غیر یقینی کی سی کیفیت میں اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"اس لیے ہی ماموں سامان واپس بھیج رہے ہیں۔" وہ خوفزدہ سی بولی۔ جبکہ وہ قہقہے لگانے لگا۔ قہقہے اتنے بلند تھے کہ اس نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہوش کیجئے۔"

"کم آن یار! ہنسنے دو۔ کتنی مدت کے بعد ہنسنے کا موقع ملا ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔"

"نہیں سوچو زرتاشیہ پر کیا گزر رہی ہوگی اور آنٹی کا سامنا کرنے کا تو مجھ میں حوصلہ ہی نہیں۔ مہمان آ چکے ہیں۔" وہ سچ مچ کپکپا رہی تھی۔

"سامعہ! ہر چیز پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا' ہونے والا کام ہو کر رہتا ہے۔" وہ بڑے اطمینان سے آنکھوں

کے گوشے انگوٹھے سے صاف کرتے ہوئے بولا۔
"فرحان! آپ کو دل لگی سوجھ رہی ہے؟"
"سامعہ! خدارا اب تو خوش ہوجاؤ۔ معلوم ہے تم پر خوشی بہت جچتی ہے۔ اب بیکار ہے یہ اداسی اور پریشانی آگے کی بات کرو۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس انگوٹھی پر انگلی رگڑنے لگا جو شادی کے بعد اسے پہنائی تھی۔
"فرحان! آگے کی تو کوئی خبر ہی نہیں مجھے' پلیز جا کر بابا سے پوچھو مجھے پریشانی ہے۔ ماما سے بات کرو۔" وہ بولی۔
"تو آؤ میرے ساتھ چل کر پوچھتے ہیں۔" وہ یکدم اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔
"وہ وہ سب کیا سوچیں گے؟" وہ ہکلائی۔
"درد کی شدت میں کمی آ گئی ہوگی۔" اس نے حوصلہ بڑھایا۔
"پہلے بابا سے مل آؤ۔"
"سامعہ! مجھے کیا سمجھتی ہو' باہر جو کچھ ہوا تو کیا میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟" اس نے سختی سے پوچھا۔
"مگر میں کوئی ناگواری نہیں چاہتی۔"
"سامعہ! سامعہ اب تم از کم کانٹوں کا رستہ چھوڑ دو۔" وہ تقریباً چلا اٹھا۔
"اوکے چھوڑو' لیکن احتشام اکیلا ہے۔"
"سامعہ جی! آپ جائیے میں ہوں نا گپلو کے پاس۔" اسی لمحے زرتاشیہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ فرحان نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور نظریں جھکا لیں۔
"فرحان آپ مت گھبرائیں۔" وہ فرحان سے مخاطب ہوئی۔
"سوری زرتاشیہ!" اس نے دھیرے سے کہا۔
"کس بات کی سوری؟" وہ سرخ آنکھوں کو چراتے ہوئے بولی۔
"اور میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔" وہ اس کے سوال کو یکسر ٹال کر بولا۔
"فرحان یہ سچ ہے کہ مجھے تم سے محبت تھی اور شاید ہے لیکن محبت و چاہت کے لیے وفا شرط ہے' اس خود غرضی کے دور میں وفا ہر کوئی نہیں کرسکتا' کیونکہ وفا کانٹوں کا رستہ ہے' آتش کا کھیل ہے یہ کھیل صرف سامعہ جی کھیل سکتی تھیں۔ وفا میں خود کو مٹانے کا فن مجھے نہیں آتا۔" وہ سب کچھ بول کے ایسے خاموش ہوگئی جیسے جسم سے روح نکل گئی ہو۔ فرحان کو ندامت نے گھیر لیا۔
"زرتاشیہ! لیکن سچ تو یہ بھی ہے کہ میری قسمت سے مجھے محبت میں کمالات کرنے والے لوگ ملے ہیں۔ یہ میرا بخت ہے کہ بن مول انمول لوگ ملے ہیں۔" فرحان نے اتنی دیر میں پہلی بار اس کی طرف دیکھتے ہوئے اظہار کیا۔ زرتاشیہ جھوم اٹھی۔
"فرحان! میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے میری محبت کو اپنے دل میں محسوس تو کیا ہے۔ میں تو جی اٹھی ہوں۔"
"زرتاشیہ! یہ ڈھیر سارا احسان کیسے اتار سکیں گے۔" سامعہ نے وفور جذبات سے اس کے ہاتھ تھام کر

چوم لیے۔
"بہت آسان ہے۔" وہ مسکرائی۔
"کیسے......؟"
"آپ دونوں بلکہ تینوں یہیں ہمارے ساتھ رہو گے۔"
"شکریہ۔ ابھی تو یہ فیصلہ دور ہے' ماما سے مل کر آتے ہیں۔" فرحان نے بھی مسکرا کر جواب دیا اور سامعہ کو ساتھ لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

......☆☆☆......

"کیا حیثیت ہے شاہدہ بیگم تمہاری؟ کس مقام پر ہو؟"
"رشتوں کو نبھانے میں کیا کھویا اور کیا پایا......؟"
"خالی خالی وجود سا کیوں ہوگیا ہے اور وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کیوں بکھر گئے ہیں؟"
اس کمرے سے باہر سارا گھر خانوں میں بٹ گیا......
کیا ہو تم......؟
آئینے کے سامنے اسٹول پر بیٹھی وہ خود سے سوال و جواب کرنے میں اتنی محو تھیں کہ ان دونوں کے کمرے میں آنے کا پتہ نہیں چل سکا۔
"ماما!" شانوں پر فرحان کے دونوں ہاتھوں کا دباؤ پڑا تو وہ چونکیں۔
"ماما! پلیز یوں خود کو سزا نہ دیں۔" فرحان نے شاید پہلی بار دل کی گہرائیوں سے انہیں ماما کہا تھا کہ وہ حیران ہوگئیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بیٹا اتنا قریب ہو کر مخاطب ہوا تھا۔
"یہ کہاں سے جاگ اٹھی! آج سوتیلی سامعہ کا [illegible] ممتا کا؟" انہوں نے اللہ سے پوچھا۔
"سوری ماما! میں نے آپ کو بہت دکھ دیا ہے۔" قدموں سے ہاتھ ہٹا کر گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے اپنا چہرہ ان کے سر پر رکھ کر بولا تو وہ بے قرار ہوگئیں۔
"فرحان! یہ کیسا معجزہ ہے آج میں ماں بنی ہوں۔"
"سوری ماما!" وہ کچھ نہ سمجھ کر شرمندگی سے بولا۔ سامعہ نے بھی ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے گھٹنے پکڑ لیے۔
"مجھے معاف کر دیں میں نے مزاج سے ہٹ کر آپ کو صدمہ پہنچایا۔" سامعہ نے روتے ہوئے کہا۔
"فرحان! پلیز میں بہت ڈسٹرب ہوں' باہر مہمان ہیں اور میں کیسے کچھ سوچوں۔" وہ شاید حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی تھیں۔
"مجھے احساس ہے' مگر ہمیشہ کی طرح اپنی نرم سی محبت کی آغوش میں چھپا کر سب کو ٹال دیں۔" وہ بولا۔
"نہیں' مجھے پہلی بار اپنے اندر ماں دکھائی دی ہے اور تم پھر مجھے نادان سی شاہدہ بنانا چاہتے ہو۔" وہ تقریباً رو دیں۔
"پلیز ماما! ہمیشہ کی طرح چھپا لیں' نانو کو کہہ دیں' زبیر ماموں کو سمجھا دیں۔" وہ بولا۔

"فرحان! مجھے وہ مت بننے کو کہو میں شفیق مہربان ماں بن کر معاف کرنا چاہتی ہوں' چشم پوشی' عیب پوشی کرنا نہیں چاہتی۔ ہمیشہ سب کو ناراض ہی رکھا۔ اب مجھے اپنا صحیح کردار ادا کرنے دو۔" وہ کافی جذباتی ہو کر اٹھیں اور فرحان کو گلے لگا کر چومنے لگیں۔

"شکریہ ماما! ہم غلط تھے آپ کی محبت اور نرمی سے فائدہ اٹھاتے رہے۔" فرحان بھی رقت بھرے لہجے میں بولا۔

"بچے تو نادان ہوتے ہیں مجھے اپنا کردار ادا کرنا نہیں آیا۔ اماں جان ٹھیک کہتی تھیں' کاش میں توازن رکھتی تو آج تانیہ کے لیے بھی بہتر ہوتا۔" وہ پشیمانی سے بولیں۔

"ماما! ایسا نہ کہیں' والدین کبھی غلط نہیں ہوتے۔"

"فرحان! مجھے خوشی ہے کہ میرے بیٹے نے میرا مقام بحال کردیا۔ ہمیں ایسے فیصلے کرنے ہی نہیں چاہئیں۔" ان کا اشارہ اس کی اور زرتاشیہ کی منگنی کی طرف تھا۔

"ماما! میں نے زرتاشیہ سے معافی مانگ لی ہے۔ وہ بہت عظیم ہے۔" وہ بولا۔

"سامعہ تم یہ بات پہلے بتا دیتیں تو اچھا تھا۔" انہوں نے سامعہ سے شکوہ کیا۔

"ماما! میں تو بہت پہلے آپ کو سب کچھ بتانا چاہتی تھی لیکن حالات ہی کچھ سے کچھ ہوتے گئے۔" سامعہ نے ندامت سے جواب دیا۔

"مجھے اپنے بھائی کی فکر ہے اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی؟"

"ماموں مجھے معاف کردیں گے؟"

"معاف تو وہ کرچکا ہے' بڑا حوصلہ ہے اس کا لیکن پھر بھی۔" وہ بھائی کے خیال سے آبدیدہ ہوگئیں۔ وہ دونوں شرمسار ہو کر ان سے لپٹ گئے۔

"اچھی ماما! اب سنبھل لیں' ہمارے لیے' اپنے احتشام کے لیے۔" فرحان نے جذباتی انداز میں ضرب کاری لگائی' تو وہ سچ مچ خوشی سے مسکرا دیں۔

♥......♥

افراسیاب کو پہلی بار بہت غصہ آیا...... نرگس کے چہرے پر خوشی دیکھ کر وہ دکھ سے بولا۔

"پو! آپ نے آخر تیر چلا ہی دیا' اس کے معصوم ذہن کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرلیا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ چونکی۔

"کوئی مطلب نہیں' مطلب تو آپ کو تھا سو پورا ہوگیا' زرتاشیہ کو یہاں بھیج کر زبیر انکل نے غلطی کی تھی۔"

"افراسیاب! کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"پو! پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا سمجھ رہے ہو؟" نرگس پر بوکھلاہٹ طاری تھی۔

"آپ کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ زرتاشیہ نے فرحان کے ساتھ شادی سے انکار کردیا ہے۔"

"ہاں تو یہ خوشی کی بات ہے۔" وہ تقریباً جھومتے ہوئے بولیں۔

"ٹھیک ہے تو جایئے خوشیاں منایئے آپ کو تو دوسروں کو دکھ دے کر خوشیاں منانے کی عادت ہے۔" اپنے تین چار گرم سوٹ ہینگروں سے اتارتے ہوئے تحمل سے بولا۔

"اس میں میرا کیا عمل دخل ہے؟" وہ تعجب سے بولیں۔

"آپ نے زرتاشیہ کو استعمال کیا ہے۔ شادی کے دن اس نے انکار کردیا اور آپ کے کہنے سے کیا ہے؟ آپ نے زبیر انکل کو شکست دینے کے لیے گھٹیا حربہ استعمال کیا ہے۔"

"غلط بالکل غلط میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' زرتاشیہ کی تو عین وقت پر آنکھوں کی پٹی اتر گئی ہے۔ وہ فرحان پہلے سے شادی شدہ ہے۔ بڑا ناز تھا زبیر کو شاہدہ آپا کے فرحان پر۔" نرگس نے چبا چبا کر خاصی طنزیہ زبان استعمال کی تو افراسیاب حیرت سے چلا اٹھا۔

"کیا......؟"

"جی ہاں وہ جولڑکی گھر میں رکھی ہوئی تھی زبیر صاحب نے وہی فرحان کی بیوی ہے سب نے مل کر میری معصوم بچی کو بیوقوف بنایا' پتہ تو اب چلا ہوگا زبیر احمد کو کہ میں غلط نہیں کہتی تھی۔" نرگس بولتی چلی گئی' مگر افراسیاب حیران سا بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"یہ چالاکی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"دیکھو شکر ادا کرو میری زرتاشیہ دھوکے سے بچ گئی۔"

"لیکن زرتاشیہ کیسے جی پائے گی؟" وہ بڑبڑایا۔

"کیا مطلب......؟"

"وہ فرحان سے محبت کرتی ہے اس پر کیا گزر رہی ہوگی؟" وہ دکھی سا ہوگیا۔

"وہ بہت خوش ہے کہ دھوکے سے بچ گئی زندگی جہنم بن جاتی' بیوی بچے کے ساتھ فرحان کا اچار ڈالنا تھا کیا؟"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" وہ سر تھام کر بولا۔

"اللہ نے میری سن لی اب میں اپنی زرتاشیہ کی شادی خود کروں گی۔" وہ بہت خوشی سے بولیں۔

"اس کا مطلب آپ جا رہی ہیں؟"

"ہاں' بلکہ ہم دونوں جا رہے ہیں۔"

"ہم دونوں سے مطلب......؟"

"بھئی تم اور میں' بڑے بھیا کا حکم ہے۔"

"مگر میں نے کچھ ضروری کام نپٹانے ہیں' یہ کپڑے دھلائی کے لیے دینے ہیں' ہفتے کو میری فلائٹ ہے۔"

"تو کینسل کرادو' تم فی الحال کہیں نہیں جا رہے سن لیا' میں جلدی سے پیکنگ کر رہی ہوں' تم ڈرائیور سے کہو گاڑی تیار کرے۔" وہ یہ کہہ کر چھپاک سے باہر نکل گئیں اور افراسیاب کے اندر جیسے طوفان آ گیا۔ کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے امی کا فون نمبر ملایا اور حال احوال پوچھنے کے بعد اصل حقیقت معلوم کی۔ پھر نرگس کو سمجھانے کو کہا۔

"تو آپ آجاؤ۔" انجم نے کہا۔
"میں نہیں آنا چاہتا میرے اپنے ضروری کام ہیں۔" وہ بولا۔
"گلریز ناراض ہوں گے آجاؤ ایک دن کے لیے۔" انجم نے سمجھایا۔
"مگر......"
"کیا مگر؟ فرحان اور اس کی بیوی کے لیے دعوت ہے اور تاجی کی شادی بھی اماں جان کر رہی ہیں۔" انجم نے مکمل تفصیل دی۔
"تو آپ لوگ ہیں تو۔"
"نرگس کو اکیلے بھیجنے سے گلریز ناراض ہوں گے آپ آجاؤ۔" انجم نے اصرار جاری رکھا فون رکھ کے وہ ذہنی طور پر تیار ہونے لگا۔ نرگس اسے دیکھنے کے لیے آئی تو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔
"کیا بات ہے تیار نہیں ہوئے؟"
"پو! آپ کے اندر کیا ہے؟" بے ساختہ اس نے پوچھا۔
"مطلب......؟"
"کچھ تو ایسا ہے جو شاید میرے لیے قابل قبول نہ ہو۔"
"یعنی تمہیں میرا فیصلہ قبول نہیں؟"
"ہر فیصلہ قابل قبول نہیں ہوتا۔"
"میری خواہش پوری ہونے کا وقت آیا ہے تو......"
"میں اور میری سے باہر نکل کر بھی سوچا کریں۔"
"یعنی تمہیں میری زرتاشیہ پسند نہیں؟"
"سچ یہ ہے کہ میں زرتاشیہ کی پسند نہیں۔"
"کیا کہنا چاہتے ہو کہ فرحان ہے اس کی پسند؟"
"جی ہاں۔"
"فرحان کی اصلیت جاننے کے بعد بھی......؟"
"محبت اندر ہی اندر اس طرح پھیل جاتی ہے کہ اسے نکالنا آسان نہیں ہوتا۔"
"افراسیاب! بس تم بیکار بحث چھوڑ کر میرے ساتھ چلو۔ میں زرتاشیہ سے پوچھ کر کوئی فیصلہ کروں گی۔"
"مجھے ایسی بستی میں داخل نہیں ہونا جہاں سے محبت کی فصل اتر چکی ہو۔ زرتاشیہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔" وہ یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔
"اور آپ؟ آپ بتاؤ افراسیاب۔" نرگس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"میری آنکھوں میں جواب موجود ہے۔" وہ بڑی متانت سے بولا۔
"نظر آ رہا ہے کہ آپ زرتاشیہ کو پسند کرتے ہیں۔"
"تو پھر......؟"

"پھر یہ کہ ہم جا رہے ہیں اور وہاں آپ کی اور زرتاشیہ کی شادی کا فیصلہ سنائیں گے۔" نرگس نے شانِ تفاخر سے گردن اکڑا کر کہا۔
"تو محبت قلعہ نہیں کہ آپ اسے فتح کر لیں گی۔"
"پلیز افراسیاب میرا دماغ مت خراب کرو۔ چلو اٹھو تیاری پکڑو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔
"میری ایک شرط ہے۔"
"ہاں بولو! صدقے تو واری۔" نرگس نے محبت سے کہا۔
"آپ کوئی ایسی بات نہیں کریں گی جب تک میں زرتاشیہ سے اس کی مرضی معلوم نہ کرلوں۔"
"منظور ہے۔"
"چلیں میں دس منٹ میں تیار ہو کر آتا ہوں۔"

❤......❤
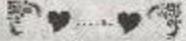
تاجی کو اماں جان نے زرتاشیہ کے پاس مایوں کا جوڑا پہنا کر بٹھانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ اس کی شادی کی اتنی گہما گہمی تھی جتنی زرتاشیہ کے لیے تھی۔ ننھے احتشام کو گود میں اٹھائے وہ نہال پھر رہی تھیں، سامعہ فرحان کی طرف سے سب شکوے دور ہو چکے تھے۔ اسے گلے لگاتے ہی اپنا سونے کا کنگن پہنایا اور دعائیں دیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے گھر کی خاموشی میں بہاریں اتر آئی ہوں ایسے میں تو یہ بھی سوگواری گھر سے باہر آ گئی تھی۔ طے بھی پایا تھا کہ تاجی اور شوکی کے نکاح کے بعد ہوٹل میں محدود لوگوں کے لیے شاندار سا کھانا ہوگا جو سامعہ فرحان کا ولیمہ اور تاجی کی شادی کا کھانا ہوگا۔ سامعہ کو شاہدہ بیگم نے اپنے کمرے میں آرام کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ زرتاشیہ اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ زبیر احمد، فرحان اور میاں افتخار باہر کے کاموں میں مصروف تھے۔ تقریباً سب مہمان گلریز، انجم سمیت زبیر کی طرف قیام پذیر تھے۔
کچھ دیر کے لیے زبیر اپنے کمرے میں آئے تو گلریز صاحب اور انجم وہیں آ گئے۔
"زبیر! نرگس اور افراسیاب آ رہے ہیں۔"
"جی...... جی اچھا۔" زبیر چونک کر رکے اور پھر بولے۔
"یار! ہماری نادان بہن کو معاف کر دینا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔" گلریز صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"بھائی صاحب! آپ فکر نہ کریں۔"
"بس سب گلے شکوے بھلا دیں۔" انجم بولیں۔
"بھابی! آپ کو شرمندگی نہیں ہوگی۔" وہ وثوق سے بولے۔
"نرگس نے بہت دکھ دیا ہے لیکن اسے ہدایت مل گئی ہے۔"
"میں نے نہ نرگس کو جانے کا کہا تھا اور نہ آنے سے منع کیا۔"
"جانتا ہوں سب اس کی اپنی خود سری اور ضد تھی اب خاصا سبق مل گیا ہے۔" وہ بولے۔
"بس اسے اماں جان سے معافی مانگنی ہوگی۔"

"ہاں! کیوں نہیں یہ تو ضروری ہے۔" انجم نے تائید کی۔
"بلکہ شاہدہ سے بھی معافی مانگنے بڑی نند ہیں۔" گلریز صاحب نے کہا۔
"ایسا تو شاید ہی نرگس کرے۔" زبیر احمد نے کہا۔
"نہیں نہیں اطمینان رکھو اب وہ پہلے والی نرگس نہیں رہی۔ صلح پسند ہوگئی ہے۔ رشتوں کی قدر و قیمت جان گئی ہے۔" گلریز صاحب نے یقین دلایا۔
"سچ پوچھئے تو میری زرتاشیہ نے بہت یاد کیا ہے ماں کو۔"
"کیوں نہیں کیا ہوگا' یہ رشتہ ہی ایسا ہے۔"
"چلیں اب بھولے کو بھولا نہ کہیں اللہ بہتری کرنے والا ہے۔" انجم نے خوشی سے کہا۔
"میں کچھ دیر کے لیے فرحان کے ساتھ کام سے جا رہا ہوں' پھر واپسی پر بات ہوگی۔"
وہ گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولے اور باہر نکل گئے' جبکہ انجم گلریز صاحب سے مخاطب ہوئیں۔
"افراسیاب کو بڑی مشکل سے آنے کے لیے راضی کیا ہے۔"
"اگر نہیں آنا چاہتا تھا تو منع کر دیتیں۔" گلریز صاحب وہیں بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولے۔
"نرگس کی خواہش تھی۔"
"بیگم! یہ پھر نرگس کی خواہش آگئی؟" وہ کچھ بگڑ کر بولے۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کو تو معلوم ہے کہ افراسیاب اسے بہت عزیز ہے۔" انجم سنبھل گئیں۔
"یہ ایک الگ بات ہے۔"
"بس اب آپ نے پریشان نہیں ہونا' اگر مناسب ہوگا تو کچھ سوچیں گے۔" انہوں نے تسلی دی۔
"مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ نازک معاملات میں سوچ سمجھ کے حصہ لیتے ہیں۔" انہوں نے پھر بھی احتیاط پسندی کا ثبوت دیا۔
"مجھے معلوم ہے میرا بیٹا تو خود بہت سمجھدار ہے۔"
"اب فرحان اور سامعہ کو کیا تحفہ دینا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"وہی جو زرتاشیہ اور فرحان کے لیے لائے ہیں۔" انجم نے خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔
"گڈ! یہی میرا بھی فیصلہ تھا۔" وہ خوش ہوگئے۔
"آپ میرا امتحان لے رہے تھے؟"
"نہیں' امتحان تو اس کا لیتے ہیں جسے جانتے نہیں۔"
"میں اس طرف جا رہی ہوں' اماں جان نے تو اپنی اکلوتی ملازمہ کو بھی مایوں بٹھا دیا ہے۔"
"ارے! اس بچی کو کیا نام ہے ناجی' ناجی کو بھی تو کچھ دینا ہے۔" انہیں یاد آ گیا۔
"آپ بے فکر رہیں' اسے بھی اچھا سا تحفہ دیں گے۔" انجم نے مسکرا کر کہا۔
"ٹھیک ہے آپ جایئے۔" انہوں نے کہا تو وہ چل دیں۔

♥......♥

موٹر سائیکل سے اتر کر رفیعہ بیگم سیدھی اماں جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں' جبکہ وہ چابی گھماتا ہوا ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا دیکھ کر اندر آ گیا۔ مگر اگلے ہی لمحے جھٹکا سا لگا' تانیہ گھٹنوں میں منہ دیئے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ ہلکی سی سرسراہٹ پر اس نے سر اٹھایا اور وہ تیزی سے پلٹا تو اس نے پکارا۔
"رکو۔" وہ رک گیا۔ وہ صوفے سے اٹھی' وہ اپنے ہی قدموں پر جما رہا۔
"کیا میں سمجھ لوں کہ تم آئے ہو؟" ایک عجیب سی لرزش اس کے لہجے میں محو رقص تھی۔
"آپ کے لیے نہیں آیا۔" بڑا نپا تلا اور کھرا جواب دیا گیا۔
"اوہ!" وہ آہ کھینچ کر رخ موڑ کے کھڑی ہوگئی۔
"معاف کرنا آپ کو ڈسٹرب کیا۔"
"ڈسٹرب کو اور کیا ڈسٹرب کرنا؟"
"میں کیا کہہ سکتا ہوں' یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔" وہ باہر کے لیے آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ وہ بولی۔
"جانتی ہوں عادل ستار کا مسئلہ اب کرن ہے۔"
"تانیہ افتخار کو ابھی تک میرا اور میری منگیتر کا نام یاد ہے۔" خاصے تعجب سے پوچھا گیا۔
"مت جتاؤ۔" وہ چلا اٹھی۔
"کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ ایڑیوں کے بل گھوما۔
"بتاؤ میں نے کیا کہنا ہے؟"
"تو بار بار راستہ کیوں روکتی ہو؟"
"تم تو میرے راستے سے کب کے نکل چکے ہو۔" بہت کربناک سا لب و لہجہ تھا۔
"نکال گیا تھا۔"
"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے تسلیم کر لیا۔
"عجب بات ہے مس تانیہ افتخار' نکالتے وقت لہجہ اور تھا' آج یاد کرتے وقت اور ہے۔"
"شاید......"
"ویسے میں ذرا جلدی میں ہوں' صرف امی کو چھوڑنے آیا تھا۔" وہ قطعی اجنبی بن کر بولا۔
"تو جاؤ' کس نے روکا ہے؟" وہ تلخ ہوگئی۔
"میں نے کب کہا کہ مجھے روکو۔"
"جاؤ' تم جاؤ' مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ یکدم ہذیانی انداز میں بولی۔
"آرام سے' یہ آواز صرف اپنے لیے سنبھال کر رکھو۔ اللہ حافظ!" وہ بے دردی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔
"ہاں! جاؤ جاؤ میں بھی چلی جاؤں گی۔" وہ زور سے بولی اور پھر سے صوفے پر گھٹنوں میں منہ دے کر بیٹھ گئی۔
دراصل' شاہدہ' افتخار اور اماں جان حد درجہ مصروف تھے۔ وہ اپنے اندر جنگ لڑ رہی تھی۔ نہ کمرہ اچھا لگ رہا تھا اور نہ سب کے درمیان رہنا بھا رہا تھا' اس لیے ڈرائنگ روم میں خود کو قید کر رکھا تھا۔ کسی کو اس کے لیے

فرصت نہیں رہی تھی۔ ایسے میں سامعہ نے عادل کو جاتا دیکھنے کے بعد اس کے پاس آنے کا فیصلہ کیا۔
"تانیہ!" سامعہ نے دھیرے سے پکارا۔
"ہوں۔"
"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" سامعہ نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔
"ویسے ہی۔"
"کیوں مضطرب اور تنہائی میں ہو باہر اتنی گہما گہمی ہے۔" سامعہ نے بہت مدھم سے لہجے میں کہا تو وہ طنزیہ سی ہنسی ہنس دی۔
"مجھے میری ماں نے تنہا کر دیا ہے اپنے بیٹے اور ملازمہ کی خوشی انہیں بہت عزیز ہے۔" وہ تیکھے انداز میں بولی۔
"ایسے نہیں سوچتے تانیہ ڈیئر! میرے پاس ماں نہیں تھی تو میں نے کن قیامتوں کا سامنا کیا' کاش! میں بتا سکتی۔" وہ اپنی ماں کو یاد کر کے افسردہ سی ہوگئی۔
"سامعہ جی! میرے پاس کچھ نہیں آپ کے پاس سب کچھ ہے میرے بھائی کی محبت ہے۔ میرے ماں باپ کی محبت مل گئی ہے۔"
"پہلی بات تو یہ کہ میں آپ کی بھابی ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی کہ آپ مجھے اسی طرح پکارو، دوسری بات یہ کہ ماما نے آپ کی خوشی کے راستے بھی روکے نہیں آپ نے جو چاہا وہی کیا۔"
"تو بھابی جی! وہ روکتیں مجھے مگر وہ تو صرف اپنی اماں کو راضی رکھنے کی فکر میں رہتیں۔"
"نہیں، وہ بہت اچھی ماں ہیں۔ اپنے دل سے پوچھو اور... بہت پریشان ہیں کہ کاش! وہ کچھ کر سکتیں۔" سامعہ نے اس کے دل سے میل صاف کرنے کے لیے سمجھایا۔ وہ چپ رہی۔
"عادل نے کیا کہا؟" کچھ دیر بعد اس نے نرمی سے پوچھا۔
"کہ وہ جا چکا ہے۔" اس کا گلا رندھ گیا۔
"تانیہ! یہ نقصان آج کی بات نہیں بلکہ یہ تو وہ نقصان ہے جس کا احساس آپ کو تاحیات رہے گا۔ اس کا جانا سچ ہے تو دل سے قبول کر کے خوش رہنے کی کوشش کرو۔"
"جانتی ہوں اسی لیے باہر جانا چاہتی ہوں۔" وہ شکستہ سی بولی۔
"شاباش! میں بھیجوں گی وہاں جہاں ماں جیسی محبت اور توجہ ملے گی' جب تک چاہو وہاں رہنا۔" سامعہ مسز جیری کے خیال سے سرشار ہو کر بولی۔
"کیا مطلب......؟" وہ بولی۔
"مطلب بعد میں' فی الحال اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔ ناجی کی خوشی ہم نے ہی منانی ہے۔"
"مگر میرے دل میں خوشی بچی ہی نہیں۔"
"دیکھو تانی! جو ہونا تھا ہو گیا' عادل آپ کی گم گشتہ محبت ہو چکا ہے۔ اب خوشی کہیں اور تلاش کرنی ہوگی۔"
"دکھ یہ ہے کہ مجھے تو محبت کا دعویٰ نہیں تھا' مگر عادل تو یہ کہتا تھا' پھر بھی اس نے مجھے بھلا دیا؟"

"محبت کی زبان ہوتی ہے کہ کھونا نہیں' جس کو مل جائے خوش نصیب ہے وہ' کھو دو تو پھر رونا نہیں' محبت کی فصل دوبارہ اگاؤ تو دوبارہ پھول دیتی ہے مگر پتھریلی زمین میں محبت بوئی نہیں جاتی۔ عادل کے پتھر دل میں محبت اب کہاں بچی ہے' یہ بھی تو اس کی محبت ہی تھی کہ اس نے آپ کے لیے آپ کو چھوڑ دیا۔" سامعہ نے اس کی بھیگی پلکیں صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ ہونٹ چبانے لگی۔
"پتہ نہیں کیوں وہ میری محبت بن گیا ہے جتنا بھولنا چاہتی ہوں اتنا ہی قریب محسوس کر رہی ہوں۔" پہلی بار اس نے اعتراف محبت کیا۔
"بس جانو! یہ معاملات عشق کچھ ایسے ہی ہیں' شکر ہے یہ تو پتہ چل گیا کہ تمہیں عادل سے محبت ہے۔ محبت احساس بھی کھو دے تو عمر بھر شرمندگی رہتی ہے۔" سامعہ نے حسب عادت اسے سنبھالنے کی کوشش کی تو وہ بت کی مانند اسے دیکھتی رہی اور سوچنے لگی......
"ہاں! یہ ٹھیک ہے کہ مجھے ٹوٹ کر یہ احساس ہو گیا ہے...... میں عادل سے محبت کرتی ہوں۔"

❤......❤

رفیعہ بیگم کو اماں جان نے فرحان اور سامعہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا...... رفیعہ بیگم کو ہلکی سی حیرت ہوئی مگر حسب عادت خوش ہو کر بولیں۔
"بہت بہت مبارک ہو۔"
"رفیعہ! تم سمجھتی ہو کہ یہ خوشی کا سماں ہے لیکن ادھورا اور نامکمل ہے۔" اماں جان نے بہت دھیرے سے کہا تو وہ چونک سی گئیں۔
"کیا مطلب؟"
"میری تانیہ! اس سے میری شاہدہ دلگیر ہے۔" ان کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں نمی آ گئی۔
"لیکن......؟"
"کس وجہ سے......؟"
"کیا ممکن نہیں کہ تانیہ کے لیے ہم عادل مانگیں......" ایکدم ہی انہوں نے پوچھا۔
"اماں جان! جانے کن مراحل سے گزر کر تانیہ کو چھوڑنے کا فیصلہ قبول کیا اور بڑی مشکل سے میاں ستار کو سمجھایا بجھایا۔ بھائی کو بھائی سے جدا نہ کرنے کے لاکھ جتن کیے مگر اب وہ ممکن نہیں......" رفیعہ بیگم ان کا ارادہ بھانپ کر بولیں۔
"دیکھو رفیعہ بی! عادل تانیہ کی بچپن کی مانگ ہے۔"
"کاش! وہ فیصلہ تانیہ اور شاہدہ نہ بدلتیں۔"
"ارے وہ تو نادان ہیں' تم ہم سے بات کرو۔"
"اماں جان! شرمندہ نہ کیجیے۔ کرن کو تانیہ ہی سمجھیں' سب تیاری ہو چکی' زبان کوئی چمڑے کی شے نہیں اور جو رشتے بھرپور نفرت سے ختم کیے جائیں ان میں کوئی حرارت نہیں بچتی۔" رفیعہ بیگم نے خاصی دانشمندی سے سمجھایا۔
"بس ہماری تو دونوں بچیوں کے نصیب ہی خراب نکلے۔" ان کا اشارہ زرتاشیہ اور تانیہ کی طرف تھا۔

"آپ فکر مند نہ ہوں اللہ ان کا اچھا سا سبب بنائے گا۔ ویسے بھی یہ فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں۔"

"کہتی تو سچ ہو...... مگر......"

"اگر مگر کو چھوڑیں اللہ پر بھروسا رکھیں۔ خوشی کا موقع ہے بھرپور طریقے سے خوشی منائیں۔"

"رفیعہ! کیا کریں ماں ہیں۔ شاہدہ اور زبیر کے دکھ کو اپنے اندر محسوس کررہے ہیں۔"

"اللہ بہتری کرے گا۔ اگر انیس بیس کی بھی گنجائش ہوتی تو میں عادل کو سمجھا بجھا لیتی' مگر اب لڑکی والوں کی عزت کا سوال ہے۔ مجھے معاف کردیں۔" رفیعہ نے بہت خلوص سے ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔

"ارے نہیں کاہے کی معافی؟ بچوں کی خوشیاں دیکھنی مبارک ہوں۔ اللہ مبارک کرے۔"

"بس آپ کی دعائیں چاہئیں۔"

"بس دعائیں ہی ہیں۔ ہماری بہو بیگم آج آرہی ہیں اللہ نے ہماری دعائیں قبول کرلیں۔ انہیں ہدایت کا راستہ دکھادیا۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے' دیکھیں کسی افسردگی کے ساتھ کوئی نہ کوئی خوشی بھی جڑی ہوتی ہے۔" رفیعہ نے مسکرا کر کہا۔

"بڑی بیگم صاحبہ! زرتاشیہ بی بی آپ کو بلارہی ہیں۔" شوکی نے آکر کہا تو وہ بولیں۔

"ارے تو وہاں کیا کررہا تھا؟ بہانے بہانے سے تاجی کو دیکھنے جاتا ہے؟"

"وہ...... نہیں...... وہ" وہ بوکھلا گیا۔

"جانتے ہیں ہم تمہاری وہ وہ کو جاؤ خبردار جواب وہاں پھٹکے بھی۔" انہوں نے لتاڑا وہ بھاگ نکلا۔ رفیعہ بیگم بات سمجھ کر ہنسنے لگیں۔

"اب کل رات کو تاجی کی شادی ہے اور فرحان کا ولیمہ ہے' سب نے آنا ہے۔" اماں جان نے یاد دہانی کرائی۔

"کیوں نہیں۔"

"بس دل صاف کرلو رشتے انمول ہوتے ہیں۔" وہ بولیں۔

"اللہ کرم کرے گا' سب رشتے برقرار رہیں گے۔" انہوں نے بھی جواباً کہا۔

♥......♥

وہ احتشام کو سلا کر کمرے سے باہر آنے کی تیاری کررہی تھی کہ زرتاشیہ آگئی۔ اس نے بہت سا سامان اٹھا رکھا تھا۔

"یہ کیا......" اس نے پوچھا۔

"یہ آپ کا ڈریس' یہ جیولری اور یہ چوڑیاں اور پرس۔" زرتاشیہ نے بیڈ پر ایک ایک کرکے سب چیزیں رکھتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ سب چیزیں آپ کے لیے آئی ہیں۔" سامعہ نے بڑی سادگی سے کہا۔

"بات تو ایک ہی ہے سامعہ جی۔" وہ ادا سے بولی۔

"نہیں بات ایک نہیں ہے۔"

"کیسے......"

"ان سب چیزوں میں تمہارے خواب سجے ہوئے ہیں۔"

"جب حقیقت میں کچھ نہیں تو خوابوں کا کیا......؟"

"یہ لباس تم نے ہی پہننا ہے۔" وہ ٹال گئی۔

"نہیں یہ میری خوشی ہے۔ کیا آپ میری خوشی کا احترام نہیں کریں گی؟" زرتاشیہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"دیکھو مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔"

"سامعہ جی! اگر آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں یہ شرمندہ کرنے کے لیے کر رہی ہوں تو بہت افسوس کی بات ہے۔" وہ دکھی ہوگئی۔

"زرتاشیہ! ایسی بات نہیں ہے یہ سب چیزیں تم نے بہت چاہ سے بنوائی ہیں۔"

"چاہت نہ رہی تو چاہ سے بنی ان چیزوں کا کیا کروں؟"

"پلیز زرتاشیہ میں بہت نادم ہوں۔"

"کیوں؟ بھئی یہ تو مقدر کی بات ہے محبت مقدر سے ملتی ہے میں بہت خوش ہوں کہ آپ کی محبت آپ کو مل گئی۔ آپ میری خوشی کو غلط معنی دے رہی ہیں۔ آپ قیمتی ہیں یا یہ چیزیں؟ مجھے خوشی ہوگی کہ آپ یہ پہنیں۔"

وہ بہت پیار سے اس کے گلے لگ گئی۔

"زرتاشیہ آپ بہت عظیم ہیں۔" اس نے سرگوشی کی۔

"صرف عظیم، عظیم الشان کہیے جناب۔" وہ ہنس دی۔

"ہاں عظیم الشان۔"

"اچھا اب آپ میرے پاس آجائیں۔ تائی کو ابٹن لگائیں۔ مہندی لگانی ہے اور......اور......" رک گئی۔

"اور......؟"

"اور میری مما آرہی ہیں ان کے لیے اچھی اچھی چیزیں بنائی ہیں پپا کا کمرہ تو ٹھیک سے سیٹ کرادیا میں نے۔"

"اچھا اس لیے بہت خوش ہو۔"

"ہاں ایک ساتھ اتنی ساری خوشیاں مل رہی ہیں۔" پلکوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔

"اللہ آپ کی خوشیوں کو ہر بری نظر سے بچائے۔ آمین۔" اس نے دعا دی۔

"جزاک اللہ اب چلیں۔"

"آپ ایسا کرو تانیہ کو بھی ساتھ لے کر چلو۔ میں احتشام کو اماں جان کے کمرے میں سلا کر آتی ہوں۔"

"تانیہ......تو......"

"اس کو کمپنی کی ضرورت ہے۔ بہت تنہا ہے اسے بہلاؤ۔" سامعہ نے کہا۔

"اوکے! میں کوشش کرتی ہوں۔" زرتاشیہ جھپاک سے باہر نکل گئی اور سامعہ بیڈ پر بیٹھ کر ان سب چیزوں کو دیکھنے لگی جو زرتاشیہ نے چن چن کر خریدی تھیں۔ عروسی جوڑا بڑی شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ پسند کیا تھا۔

"اوہ! سب الٹا ہوگیا۔ معصوم سی زرتاشیہ......" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ سوچ کے رہ گئی۔

......☆☆☆......

رات کھانے کے بعد گرما گرم بات چیت کا سلسلہ جاری تھا کہ فرحان سب کے درمیان سے کھسک کر سامعہ کے پاس آپہنچا۔

"آپ۔"

"جی! بہت مہمان داری ہوگئی اب آپ اپنے کمرے میں چلیے۔"

"فرحان! گھر میں مہمان جمع ہیں کیا سوچیں گے؟" وہ موقع کی نزاکت سمجھانے لگی۔

"سامعہ! میں کسی کی پروا کرنے والا نہیں تم میرے ساتھ چلو۔"

"آپ اتنے ضدی ہوگئے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ایک بار کہہ دیا ہے یا نہیں۔" وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔

"آ جاؤں گی مگر......"

"مگر کیا یار۔" وہ جھنجلایا۔

"مامو نہیں گی مجھے شرم آتی ہے۔" وہ کہتے کہتے منہ بنا کر چپ ہوگئی۔

"کس بات کی شرم؟"

"بس مجھے نہیں پتہ ماما سے آپ بات کریں۔" وہ بولی۔

"اوکے! میں بلاتا ہوں ماما کو۔" وہ چھلاوے کی مانند گیا اور اس کی حیرت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ شاہدہ بیگم کو لیے آگیا۔

"سامعہ! فرحان ٹھیک کہہ رہا ہے۔" وہ بولیں۔

"وہ......وہ......" وہ ہکلائی۔

"آپ کی جگہ وہیں ہے ایسا کرو احتشام کو یہیں رہنے دو ہمارے پاس۔"

"نہیں یہ آپ کو ڈسٹرب کرے گا۔"

"یہ ہماری پیاری سی جان ہے۔" شاہدہ بیگم احتشام کے اوپر جھک کر بولیں۔

"سوئیٹ ماما۔" وہ خوش ہوگیا۔

"ماما! میں ذرا باہر کام وغیرہ کا جائزہ لے لوں۔" سامعہ نے کہا تو فرحان گھورنے لگ گئے۔

"جی ہاں! لے لیں اور پھر باہر ہی آرام فرمائیے گا۔" وہ باہر نکل گیا تو شاہدہ بیگم کو ہنسی آگئی۔

"سامعہ! میں خود دیکھ لیتی ہوں میرے بیٹے کو ناراض نہ کرو۔" انہوں نے کہا تو وہ گلرنگ سی ہو کر کمرے

سے باہر نکل گئی۔

♥……♥

نرگس کے لیے سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ اتنے عرصے میں بھی کچھ نہیں بدلا تھا۔ سب نے اس کی دل سے آؤ بھگت کی تھی۔ اماں جان نے شاہدہ بیگم نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔ اس کی ہر بھول معاف کردی۔ زبیر احمد کو بھی معاف کردینے کا حکم دیا۔ زبیر احمد صرف گردن ہلا کر کمرے میں آگئے تو نرگس نے بڑی ہمت کر کے کمرے میں آ کر دھیرے سے انہیں پکارا۔

''زبیر مجھے معاف کردیں۔'' وہ پلٹے۔

''کس کو کہہ رہی ہو؟''

''آپ کو…… مجھے معاف کردیں۔'' وہ منمنائیں۔

''کمال ہے مجھے ظالم جابر انسان سمجھتی ہو۔''

''میں نے بہت بڑی غلطی کی۔''

''تو آپ کی واپسی اس کی تلافی ہے۔'' وہ بولے۔

''پھر بھی میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''دیکھو! اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی کہ غلطی کرنے والے کو غلطی کا احساس بھی ہوگیا۔ میں تو ویسا ہی ہوں جیسا چھوڑ کر گئی تھیں۔ البتہ مجھے یہ ندامت ضرور ہوتی تھی کہ جوان بیٹی کی نظروں کا سامنا کیسے کروں؟''

''زبیر! آپ نے مجھے منایا بھی تو نہیں۔'' اس نے گلہ کیا۔

''مجھے ناراض ہونے کی وجہ معلوم ہوتی تو منا لیتا۔''

''بس مجھے معلوم ہے کہ آپ نے ضد لگائی۔''

''میں ضدی نہیں مجھے اتنا تو سمجھا ہوتا۔''

''بس زرتاشیہ کی وجہ سے۔'' وہ احساس ندامت کے باعث ہکلا کر بولیں۔

''اچھا! میرے لیے نہیں بیٹی کے لیے آئی ہو۔'' وہ بھی شکوہ کر بیٹھے۔

''پھر لڑائی والی بات……؟''

''خدارا! ابھی تو معافی مانگی ہے اور پھر لڑائی۔'' انہوں نے یاددہانی کرائی۔

''سوری! اب میں لڑائی ہرگز نہیں کروں گی۔'' وہ ایکدم دھیمے سے لہجے میں بولیں۔

''نرگس! لڑائی کرو لڑائی بھی زندگی کا احساس ہے لیکن لڑائی میں زندگی کو بھول جانا بری بات ہوتی ہے۔'' زبیر احمد نے پورے اعتماد سے اس کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ کھل اٹھیں۔

''کاش! پہلے ایسے سمجھاتے۔'' شکوہ اور آرزو ایک ساتھ مل گئے۔

''میرا خیال تھا کہ تم سمجھدار ہو اور میں ٹھہرا ان رومانٹک آدمی۔'' انہوں نے بھولے پن کا مظاہرہ کیا۔

''مجھے افراسیاب نے بہت سمجھدار بنایا ہے۔''

''ہاں! افراسیاب سے تو مل لوں کہاں رہ گیا بچہ؟'' زبیر احمد کو یکدم خیال آیا۔

''باہر ہی آپ سے بات کرنی ہے۔''

''بولو۔''

''افراسیاب باہر جارہا ہے۔ میرا دل ہے کہ زرتاشیہ کے لیے……''

''شش! بالکل خاموش رہو زرتاشیہ خود فیصلہ کرے گی۔'' انہوں نے انگلی ان کے ہونٹوں پر رکھ کر خاموش کیا اور باہر چلے گئے تو نرگس نے اپنے کمرے کی ہر چیز کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا…… زرتاشیہ نے ماں کی خوشی کی خاطر سب محبتیں جمع کر کے سجادی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر وارڈروب کھولی تو اس میں وہ سب کپڑے موجود تھے جو وہ جاتے وقت چھوڑ گئی تھیں۔ الماری بند کر کے پلٹیں تو زرتاشیہ کو پشت پر مسکراتے ہوئے کھڑا پایا۔

''مما! سوئیٹ مما!'' وہ گلے لگ گئی۔

''میری جان میری گڑیا!'' نرگس نے چومتے ہوئے کہا۔

''بس ایسے ہی ہم رہیں۔'' وہ اٹھلائی۔

''اللہ آپ کو ہر خوشی دے آمین۔'' ایکدم ہی وہ کچھ سنجیدہ سی ہوگئی تو زرتاشیہ سمجھ گئی کہ وہ ایسا کیوں کہہ گئیں۔

''آپ اور پاپا ہیں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔''

''زرتاشیہ! پلیز میری ایک بات مان لو۔''

''جی مما۔''

''افراسیاب باہر چلا جائے گا اگر کہو تو میں……''

''پلیز مما! محبت قربان تو کی جاتی ہے مگر بدلی نہیں جاتی۔''

''فرحان نے تم سے محبت نہیں کی؟''

''ہاں! مگر میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی۔''

''کوئی زبردستی نہیں ہے۔ افراسیاب بھی بالکل ایسا نہیں چاہتا وہ بھی پہلے تم سے بات کرے گا۔''

''اس کا مطلب آپ نے افراسیاب سے ایسی بات کی؟''

''نہیں وہ…… دراصل مجھے اس کے جانے سے پریشانی ہے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جھوٹ بول گئیں۔

''پلیز! مجھے قابل ہمدردی نہ بنائیں۔''

''اچھا! موڈ ٹھیک کرو چلو باہر چلتے ہیں۔ ڈھولک کی آواز آرہی ہے۔'' وہ ٹال گئیں۔

''ہاں محلے کی لڑکیاں آگئی ہیں تاجی کو مہندی لگ رہی ہے۔'' وہ بھول بھال کر خوش ہو کر بولی تو نرگس کو اس کی خاطر مسکرانا پڑا۔

♥……♥

رات کے آخری پہر ہی سب سوئے تھے اور اس پہر بھی زرتاشیہ کمرے میں خاموشی سے اشک بہارہی تھی۔ کھڑکی میں سے سب کے سونے کا اندازہ کر کے افراسیاب نے کمرے سے باہر قدم رکھے اور ہولے سے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ روتے روتے چونکی چند لمحے دستک ہوئی پھر افراسیاب کی آواز آئی۔

"زرتاشیہ! نیند کا کھیل میرے ساتھ مت کھیلو۔" وہ نادم سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔
"اندر آجائیں۔"
"شکریہ۔ یہ سخت نامناسب وقت ہے کسی کو بے آرام کرنے کا لیکن جو پہلے سے بے آرام ہوا ہے آر...
دینے کا بھی یہی مناسب وقت ہے۔" بڑے تحمل سے وہ بولا تو وہ کچھ نہ بولی۔ بس نچلا ہونٹ چبانے لگی۔
"مجھے نئی جگہ نیند مشکل سے آتی ہے لیکن آپ تو اپنے کمرے میں اپنے بستر پر ہو۔" بڑا نوکیلا سا سوال...
جو اس کا دل چھید گیا۔
"دل اداس ہو تو......؟"
"اس کا مطلب ہے آپ اداس ہو اپنے فیصلے کے بعد؟" ایک اور تیکھا سوال کیا گیا۔
"پلیز! غلط نہ سمجھیے۔ بس ویسے ہی اداس تھی۔"
"اور ویسے ہی رو بھی رہی تھیں؟"
"میں کیوں رووں؟" وہ صاف مکر گئی۔
"جھوٹ جھوٹ بھی بولتی ہو؟"
"آپ پلیز مجھے سونے دیں۔" وہ چڑ گئی۔
"محبت کو حوصلے سے قربان کرتے ہیں۔"
"کون سی محبت؟" وہ مضطرب سی بولی۔
"پہلی محبت۔"
"آپ کیوں جرح کررہے ہیں؟"
"اس لیے کہ مجھے آپ کو سوچنے کا پروگرام دیا گیا ہے۔" وہ بھی تیزی سے بولا۔
"کیا مطلب؟"
"کچھ نہیں۔" وہ ٹال گیا۔
"آپ میری وجہ سے فکرمند ہیں! میں پروگرام ہوں آپ کے لیے؟" وہ تقریباً تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ہاں! اسی لیے جاننا چاہتا ہوں۔" غیر ارادی طور پر جو منہ سے نکل گیا وہ واپس لینا مشکل تھا۔
"کیوں، کس لیے، کس نے دیا آپ کو یہ ہمدردی کا پروگرام؟ آپ جس سے محبت کرتے ہیں اسے...
سوچیں۔" وہ خاصا پچھتا کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔
"مجھے کیا کرنا ہے، اچھی طرح معلوم ہے۔"
"تو پلیز! مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، مجھے مہربانی کی ضرورت نہیں۔" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے...
تو وہ غصے ہوگیا۔
"میں کسی کی ذات میں دلچسپی نہیں لیتا، آپ کی مما اور میری امی کی مرضی ہے یہ۔"
"اچھا تو ان کے کہنے پر آپ مجھ سے ہمدردی فرمائیں گے۔" وہ اور زیادہ برا منہ بنا کر بولی۔
"ہنہ! تم احمق اور نادان ہو۔" وہ ضبط نہ کرسکا تو جل کر یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا، حالانکہ کیا...

چاہتا تھا کیا تھا دل میں یہ بتانے کی حسرت تھی زرتاشیہ نے موقع ہی نہیں دیا۔ جبکہ زرتاشیہ کو اس بات نے ہی
رلا دیا کہ افراسیاب کو صرف میرا خیال رکھنے کو کہا گیا ہے۔ یعنی اسے مجبور کیا گیا ہے کہ وہ مجھ پر رحم کھائے۔
"کیوں؟" وہ شدتِ غم سے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔
"مما مما کیوں آپ افراسیاب سے میرے لیے محبت مانگ رہی ہیں؟ ان کے اور میرے درمیان تو کبھی
ایسا کچھ خیال میں بھی نہیں آیا پھر آپ نے کیوں انہیں یہ کہا کہ وہ میرے لیے سوچیں......؟" روتے روتے
وہ مما سے سوال جواب کررہی تھی۔

♥......♥
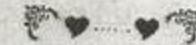
آج کا دن بہت مصروفیت کا تھا۔
ناشتے کے بعد میاں افتخار شوکی کو لے کر مارکیٹ چلے گئے، اسے دلہا کا لباس جوتا وغیرہ دلوانے کے لیے
جبکہ ایاز اور فرحان بھی اسی مقصد سے چلے گئے۔ ناجی اور سامعہ کو پارلر لے جانے کی ذمہ داری تانیہ اور زرتاشیہ
نے لے لی تھی۔ سب کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے۔ افراسیاب حد درجہ ڈسٹرب کمرے میں بند تھا۔ انجم بیٹے
کو اچھی طرح سمجھتی تھیں وہ اس کے پاس آگئیں۔
"کیا بات ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔"
"کچھ تو ہے، مجھے بتاؤ بیٹے۔"
"سمجھا ہوا ہوں محض آپ کی اور نرگس پھپو کی وجہ سے۔" وہ بھڑک اٹھا۔
"کیا مطلب؟"
"امی! زرتاشیہ کی نظروں میں میرا مقام رہنے دیں پلیز۔"
"مقام دینے کو کہا ہے، اسے چاہتے ہو تو اس کے مقام پر رکھو بھی۔" انجم کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولیں۔
"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ! مقام کوئی بازار سے خریدی گئی چیز نہیں، زرتاشیہ مجھے نہیں چاہتی یہ میں اچھی
طرح جانتا ہوں۔"
"آپ تو اس سے محبت کرتے ہو، سچ یا جھوٹ ایک بات کرو۔"
"وہ اور بات ہے۔"
"اور بات نہیں ہے، آپ اسے ہمیشہ سے چاہتے ہو، میں ماں ہوں، اچھی طرح جانتی ہوں۔"
"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ تو مجھ سے محبت نہیں کرتی۔" وہ بجھ سا گیا۔
"افراسیاب! بیٹا اسے اپنی محبت کا احساس دلاؤ۔ نرگس اس کے لیے فکرمند ہے اور پھر آپ کی خوشی میرا
ارمان ہے۔" انجم نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"امی! وہ غلط سمجھ رہی ہے۔"
"تو اسے ٹھیک سے سمجھاؤ۔"
"کیسے؟" وہ جھنجلا گیا۔

”محبت سے۔ اسے اپنی محبت کا یقین دلاؤ۔“
”تو آپ کے خیال میں وہ محبت کو کرائے کا گھر سمجھ کر بدل لے گی؟“
”دیکھو فرحان کو اس نے سامعہ کے لیے چھوڑا ہے‘ وہ آپ کو قبول بھی کرسکتی ہے۔“
”محبت بھیک نہیں‘ میں اس سے محبت مانگوں۔“
”بھئی کون کہہ رہا ہے؟“
”اچھا! پلیز فی الحال مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔“
”چلو موڈ ٹھیک کرو‘ باہر نکلو گپ شپ کرو۔“ انجم نے اس وقت موضوع بدلنا مناسب سمجھا۔
”آپ جائیں‘ میں آتا ہوں۔“
”اچھا سا تیار ہونا ہے۔“ انجم نے پیار بھری تاکید کی۔
”اوکے۔“ وہ مسکرا دیا۔
”بیٹا! اتنی محبت کرتے ہو اس محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ پاک نے زرتاشیہ کسی اور کو نہیں دی۔“ انجم نے رک کر کہا۔
”مگر افراسیاب جب تک زرتاشیہ کے لبوں سے اپنے لیے محبت کا لفظ نہیں سنے گا تب تک کچھ قبول نہیں کرے گا۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔
”چلو یونہی سہی۔“
”ابو کہاں ہیں؟“
”وہ وزیر بھائی کے ساتھ کہیں گئے ہیں۔“
”اچھا۔“
”اب باہر آجاؤ۔ شاباش۔“
”کچھ دیر تک آتا ہوں۔“
انجم باہر چلی گئیں تو وہ صوفے پر آنکھیں موند کر بیٹھ گیا۔ زندگی کہاں اور کس موڑ پر آ کر اظہار کا اصرار کر رہی تھی۔

♥......♥

وہ بیوٹی پارلر میں تھی کہ صائمہ نے اپنا موبائل فون اسے لا کر بات کرنے کے لیے دیا۔
”تھینک گاڈ! ڈارلنگ تم کو من چاہا لائف پارٹنر مل گیا‘ سوئٹ ہوم کے واسطے جتنی پراہلم ہوئیں‘ سب اچھی ہوگئیں۔“ مسز جیری کی محبت میں ڈوبی آواز سن کر وہ حیران و پریشان سی جذباتی ہوگئی۔
”مسز جیری! اوہ! اس وقت میں بہت خوش ہوں‘ آپ نے اس وقت مجھے فون کیا؟ سچ مجھے ماں کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔“
”جھوٹ! فون پر تو صائمہ بیٹی نے سب کچھ بتایا۔“ انہوں نے چھیڑا۔
”میں نے اور فرحان نے رات فون کرنا تھا‘ آپ کو آج کی فوٹوز میل کرنی تھیں‘ میرا یقین کریں۔“

”آئی نو مائی ڈائر‘ مجھے چھوٹو کی فوٹو ضرور میل کرو۔ فرحان کے واسطے بہت سا پیار..... گاڈ تمہیں اپنا پیار دیتا رہے۔“
”کاش! آپ یہاں ہوتیں۔“ اسے رونا آ گیا۔
”اوں‘ کا ہے کو روتا‘ اچھا سا تیار ہو کر جاؤ اور تینوں میرے پاس آنا‘ پورے سکس منتھ کے واسطے۔“ مسز جیری کا اپنا گلا بھی رندھ سا گیا۔
”اوکے‘ اپنا خیال رکھنے گا۔“
”اوکے بائی! سوئیٹ ہارٹ۔“ مسز جیری نے بھی جواباً کہا اور فون بند ہو گیا۔ اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں تو صائمہ نے ڈانٹا۔
”یہ کیا‘ سارا میک اپ خراب کر دیا۔“
”صائمہ بھابی! مسز جیری رو رہی تھیں۔“
”میں جانتی ہوں‘ مگر وہ خوشی کے آنسو تھے۔“
”کاش! کاش اس خوشی کے دن وہ میرے ساتھ ہوتیں۔“
”کوئی بات نہیں‘ آپ سچ مچ کا ہنی مون منانے کے لیے ان کے پاس چلے جانا۔“ صائمہ نے شرارت سے کہا تو وہ شرما گئی۔
”ہمارا بیٹا ہے اور اب ہنی مون.....؟“
”بیٹا دادا دادی کو دے کر جانا۔“
”اور مسز جیری کو ہم سے زیادہ احتشام کا انتظار ہے۔“
”یہ تو ہے کیونکہ وہ باقاعدگی سے احتشام کے لیے ای میل کرتی تھیں۔ بایاز اپنی طرف سے انہیں جواب دیتے تھے۔“
”سامعہ! اب آپ بالکل نہیں روئیں گی پلیز۔“ بیوٹیشن نے سامعہ کو مسکرا کر تاکید کی تو اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔
دوسری کرسی پر ناجی کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔ ایک بیوٹیشن اس کا ہیئر اسٹائل بنا رہی تھی۔ آئینہ دیکھ کر ناجی خود کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔ اپنی خوش قسمتی پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اماں جان نے اس کے لیے ہلکا پھلکا سونے کا سیٹ‘ خوب صورت کپڑے سب بنا رکھے تھے۔ وہ سج سنور کر بے حد حسین لگ رہی تھی۔
”شوکی تو غش کھا کر گر جائے گا۔“ زرتاشیہ نے چھیڑا تو ناجی گلرنگ ہوگئی۔
”شوکی کون ہے؟“ بیوٹیشن نے پوچھا۔
”اجی وہ ان دلہن صاحبہ کے دلہا صاحب ہیں مسٹر شوکت عرف شوکی۔“ تانیہ نے خاصی شوخی کا مظاہرہ کیا۔ سامعہ نے خوشی محسوس کی۔ ہلکی سی گردن گھما کر سبزی مائل شلوار سوٹ میں آئی لائنر لگاتی تانیہ کو دیکھا۔
”اور سامعہ جی کے دلہا صاحب کا کیا نام ہے؟“ اسی بیوٹیشن نے بے خیالی میں پوچھ لیا تو زرتاشیہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"وہ میرے بھائی ہیں فرحان۔" ثانیہ نے بتایا۔ زرتاشیہ نے خاموشی سے پارلر سے باہر کا راستہ اختیار کیا۔

"صائمہ بھابی!" سامعہ نے بہت دھیرے سے پکارا۔

"ہوں۔"

"پلیز! آپ زرتاشیہ کے پاس جائیں۔" اس نے دھیرے سے صائمہ کے کان میں کہا۔ وہ سمجھ گئیں۔

"او کے! تم فکر نہ کرو۔" صائمہ نے کہا تو اسے کچھ اطمینان ہوا۔

صائمہ اسی طرف چلی گئی جس طرف سے زرتاشیہ گئی تھی۔

کتنی عجیب بات تھی کہ اس موقع پر دو خوش تھے اور دو ناخوش۔ سامعہ اور فرحان کی پائیدار محبت کی تکمیل کا دن تھا۔ ناجی اور شوکی کی رفاقت کا دن تھا جبکہ ثانیہ اور زرتاشیہ کے دکھ اور اضطراب کی شدید مگر دبی دبی تکلیف کا دن تھا۔ سامعہ کو ان دونوں کی دلی کیفیت کا بخوبی اندازہ تھا وہ جانتی تھی کہ ثانیہ کے دل میں عابد کی جدائی نے کیا قیامت برپا کر رکھی ہے اور وہ کس طرح اندر ہی اندر گھل رہی ہے۔ زرتاشیہ تو کھلی کتاب تھی اس کے لبوں پر مسکان تھی تو نین کنول پانیوں میں تھے۔ سب سے کٹھن گھڑی اور تکلیف دہ مرحلہ زرتاشیہ کی زندگی کا ہی تھا۔ بچپن کی محبت کس قدر اعلیٰ ظرفی کے ساتھ سامعہ کی جھولی میں ڈال دی تھی۔ سامعہ کے وجود پر اتری اس بہار کا سہرا زرتاشیہ کو ہی جاتا تھا۔ زرتاشیہ نے دل ہی دل میں اس کے لیے پروردگار سے ڈھیروں دعائیں کر ڈالی تھیں۔

♥ ...... ♥
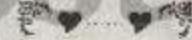
سب ہوٹل جانے کے لیے تیار تھے۔

صرف ناجی اور شوکی کے نکاح کی وجہ سے سب گھر میں موجود تھے۔ جونہی نکاح خواں رخصت ہوا مبارک مبارک کے شور میں کسی کو کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ زرتاشیہ کی پلکیں بری طرح بھیگ گئیں۔ نظر بچا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ افراسیاب تیار ہو کر وہاں سے نکل رہا تھا کہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"سوری۔" وہ بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ آنکھیں چرا کر اندر کی طرف چلی گئی۔ کچھ لمحے وہ وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اس کے پیچھے ہی آ گیا۔

"زرتاشیہ! میں اندر آ جاؤں۔" دھیرے سے دروازے سے لگ کر پوچھا۔

"جی فرمایئے۔" آنکھیں صاف کر کے بڑے اعتماد سے دروازہ کھول کر بولی۔

"بڑا کام کرنے والے آنکھیں تو تر نہیں کرتے۔" اس کے سجے سنورے سراپا پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کون سا بڑا کام کیا ہے؟"

"دو پیار کرنے والوں کو ملایا ہے یہ چھوٹا کام تو نہیں۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"وہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے میں تو یک طرفہ محبت کی دعویدار تھی۔"

"یک طرفہ محبت، دو طرفہ محبت سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔"

"پتہ نہیں۔"

"ویسے یک طرفہ محبت کا مستقبل کیا ہونا چاہیے؟"

"نہیں معلوم۔" وہ بے چین سی ہو گئی۔

"اسے اپنی طرح کی یک طرفہ محبت ہی تلاش کرنی چاہیے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب جو تمہیں چاہے صرف تمہیں۔" وہ عالم جذب میں کہہ گیا۔

"پتہ نہیں کیا ٹھیک ہے کیا غلط؟" وہ بوکھلا گئی۔

"زرتاشیہ! ٹھیک تو یہ ہے کہ تم فرحان اور سامعہ کو صرف خوش رہ کر یہ بتاؤ کہ محبت کتنی عظیم ہوتی ہے۔"

"میں بہت خوش ہوں چلیں دیر ہو رہی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور گلا رندھ گیا۔

"اچھی بات ہے خوش نظر آ رہی ہو ذرا کاجل ٹھیک کر لو۔" اس نے کہا تو اس نے چونک کر شیشے کی طرف دیکھا...... سچ مچ کاجل پھیل چکا تھا۔

"شکریہ! اور رات کے لیے معذرت......" وہ بولی۔

"رات گئی بات گئی۔"

"میں نے جانے کیا کچھ کہہ دیا۔"

"کوئی بات نہیں زرتاشیہ ہمیں آپ سے کچھ کہنے کا انتظار ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں اسے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا اور وہ ٹشو پیپر سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔ جب وہ پلٹ کر کے مڑی تو افراسیاب کے جسم سے اٹھتی پرفیوم کی خوشبو نے اس کے احساس کو تازہ کر دیا۔

زرتاشیہ! اتنے اچھے انسان کو اس طرح تو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ کتنی غیر اخلاقی حرکت کی...... کتنا برا سوچ رہے ہوں گے۔ سچ ہی تو کہا ہے کہ میں فرحان اور سامعہ کی محبت کی تکمیل کے موقع پر ناخوش کیوں ہوں؟ انہیں دکھ تو نہیں پہنچانا چاہتی۔ وہ دونوں محبت کرتے ہیں اور میری محبت تو تھی ہی یک طرفہ...... افراسیاب نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ مجھے اب فرحان کو بھولنا چاہیے۔

کچھ دیر کھڑی وہ سوچتی رہی کہ باہر سے مما کی آواز آئی۔

"زرتاشیہ! جلدی آؤ دیر ہو رہی ہے سب چلے گئے ہیں۔"

"جی آئی مما!" وہ بولی اور باہر نکلی باہر مما اور افراسیاب اس کے منتظر تھے۔

(انشاءاللہ باقی آئندہ)

بینا عالیہ

مقامِ نور سے آتا ہے ہر کرن کا جواب
دلوں سے جب کوئی روشن سوال ہوتا ہے
وہ انتہائے کرم سے نواز دیتا ہے
مجھے جب اپنی خطا پر ملال ہوتا ہے

سرد اور سیاہ رات کائنات سے باہم لپٹی اونگھ رہی تھی۔ کچی بھربھری پگڈنڈیوں پر وہ محتاط انداز میں جیپ چلا رہے تھے۔ ان کے برابر بیٹھا ان کا گن مین کرم بخش ونڈ اسکرین پر نگاہیں مرکوز کیے سامنے کا راستہ تلاشنے کی سعی میں محو تھا جیپ کے ٹائروں سے اڑتی کچی سڑک کی سیاہ دھول نم ونڈ اسکرین پر جم رہی تھی۔

انہوں نے عجلت میں کلائی کی گھڑی کو گھورا۔ "پونے بارہ۔" زیرلب بڑبڑائے۔

بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور آسمانی بجلی کی تیز چمک بار باران کی آنکھیں چندھیا رہی تھی۔ کچی سڑک کے اطراف میں ریشمی ہوا سے بچنے کے لیے باستی چاولوں کے کھیت کھلیان اندھیروں کی بغل میں لپٹے ساکن تھے۔

"بخشو! یہ کون سا گاؤں ہے؟" گہرے سکوت کے بوجھل پن کی گتھی سے اوب کر انہوں نے گردن کو ہلکی سی جنبش دے کر پوچھا۔

"ملک صاحب! یہ امیر آباد ہے یہاں کا بڑا چوہدری نذر امیر ہے۔"

"ہمارا گاؤں یہاں سے کتنے کوس دور ہے؟"

"پونے گھنٹے کی مسافت باقی ہے۔ موسم کے تیور بہت خراب ہیں۔" بخشو نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

اچانک موٹی موٹی بوندیں تڑتڑ گرنے لگی تھیں جیسے ابھی جیپ کے شیشے میں سوراخ کردیں گی۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور بجلی کی چمک میں مزید تیزی آ گئی تھی۔ آگے کا راستہ صحیح طرح سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ انہوں نے ایک درخت کے نیچے جیپ روک دی۔ انہیں یہاں رکے دس منٹ ہو چکے تھے۔ بارش کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ امیر آباد کے گھروں کی ننھی ننھی روشنیاں دیوں کی مانند جھلملا رہی تھیں۔ بارش کی موٹی چادر ان کے سامنے تنی ان کا راستہ مسدود کر رہی تھی۔

"ملک صاحب چائے پیش کروں؟" یکایک بخشو کی آواز ابھری۔

"بخشو! اب تک تھرماس کی چائے ٹھنڈی اور بدذائقہ ہو چکی ہوگی رہنے دو۔"

"کون ہو بھایا...... بھایا!" برساتی میں لپٹا ہاتھ میں اسلحہ پکڑے کوئی شخص تیزی سے جیپ کی سمت

بڑھ رہا تھا۔

بخشو نے سرعت سے شیشہ کھولا سرچ لائٹ کی روشنی سامنے ماری۔

"بھایا مسافر ہیں حیات آباد کے ملک طلحہ حیات ہیں اس جیپ میں۔" کریم بخش نے پاٹ دار آواز میں فوراً سے پہلے اپنا تعارف کرایا۔

"جی آیاں نوں۔" وہ ہیولہ تیزی سے ان کی جانب بڑھا۔

"سلام ملک صاحب! میں جی یہاں کا راکھا' اقبال عرف بالو موچی' آپ حیات آباد گاؤں کے ملک ہیں نا جی؟" شاید وہ مزید تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔

"ہاں۔"

"بارش بادی ہو رہی ہے اور آپ کا گاؤں کوسوں دور ہے۔ چھوٹے چوہدری صاحب مردان خانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ وہاں چلیں۔"

طلحہ حیات نے چند ثانیے سوچنے کے بعد اسے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب ان کی جیپ اس عالی شان حویلی کے مردان خانے کے احاطے میں داخل ہو چکی تھی۔

"آیئے ملک صاحب!" بالو موچی ادب سے جھک کر بولا۔ ایک برآمدہ اور طویل غلام گردش طے کر کے وہ ایک گول ہال نما کمرے میں داخل ہوئے۔ جہاں قطار در قطار چارپائیوں پر گاؤ تکیے لگائے چند نوجوان بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر چارپائی کے سامنے کوئلوں سے دہکتی مٹی کی ایک انگیٹھی تھی۔ کمرے کے بیچوں بیچ بھی ایک بڑی انگیٹھی دہک رہی تھی جس کے اطراف مقامی لوگ اور چند سازندے بیٹھے تھے۔ بانسری اور طبلے سے گداز دھنیں پھوٹ رہی تھیں اور ایک بے حد سُریلا لڑکا "چھلا میرا جی ڈھولا" گا رہا تھا۔ گہرے سکوت میں اس کی آواز کانوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ طلحہ حیات مکمل طور پر اس ماحول کے سحر میں ڈوب چکے تھے۔

بالو موچی ایک خوب صورت نوجوان کے قریب گیا جھک کر آہستگی سے کچھ کہا۔ وہ نوجوان تیزی سے اٹھا لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے کے قریب کھڑے طلحہ حیات کی طرف بڑھا۔ مصافحہ کرکے انہیں گلے سے لگایا۔

"میں چوہدری نذر امیر کا بڑا بیٹا چوہدری زبیر امیر ہوں۔ آیئے تشریف لایئے۔ تم بھی یہاں بیٹھ جاؤ۔" اس نے بخشو باقی لوگوں کے ساتھ نیچے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

طلحہ حیات ان کے قریب بیٹھ گئے۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ ایک مرتبہ حیات آباد کے ملکوں کی شادی میں آپ کو دیکھا تھا۔" طلحہ مسکرائے۔

"زبیر امیر نے ان کی شاندار قسم کی مہمان داری کی۔ واپسی پر انہیں کافی دیر ہوگئی تھی۔ وہ خوب صورت یادیں اور زبیر امیر کی صورت میں ایک بہترین دوست پا کر وہاں سے اٹھے تھے۔

اب اکثر و بیشتر چوہدری زبیر سے طلحہ حیات کا رابطہ رہتا۔ دونوں شکار ساتھ کھیلنے کیلئے ایک دوجے کو اپنے علاقہ میں ہونے والی تقریبات میں بھی مدعو کیا جاتا۔ اکثر رات کو طلحہ حیات زبیر امیر کی حویلی چلے آتے جہاں موسیقی کا اہتمام ہوتا۔ آس پاس گاؤں کے سریلے نوجوان اپنے فن کا مظاہرہ کرنے یہاں پہنچ جاتے۔ چوہدری زبیر لوک گائیکی کے دلدادہ تھے۔

اس روز چوہدری زبیر طلحہ حیات کو ایک محفل موسیقی کا کہہ کر اپنے ساتھ لاہور لے آئے تھے۔

"یار! یہ کہاں مجھے لے آئے ہو؟" طلحہ حیات نے چونک کر ڈرائیونگ کرتے زبیر امیر کی طرف دیکھا۔ جو اندرون شہر کی تنگ و تاریک سیلن زدہ گلیوں میں سے جیپ بمشکل نکال پا رہے تھے۔

"میرے یار! تم چلو تو سہی۔ آج تمہیں آنکھوں سے پینے کا ہنر سکھائیں گے۔"

"تو چوہدری صاحب یہ شوق بھی رکھتے ہیں؟" طلحہ حیات نے مسکرا کر شوخی سے زبیر کی طرف دیکھا۔

"آج کے بعد تم بھی یہ ہوش ربا شوق اپنانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔" زبیر کے لہجے کے اعتماد کی بے باکی نے طلحہ حیات کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک قدرے کشادہ گلی میں انہوں نے جیپ روک دی۔

"یہاں سے پیدل چلنا پڑے گا۔" زبیر کا ذاتی ملازم سرور شفقت سے ٹوکرے اور قیمتی تحائف اٹھائے ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ بے شمار سیڑھیاں طے کرنے کے بعد وہ ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے۔

"بسم اللہ! چوہدری صاحب تشریف لائے ہیں۔"

مسرت بائی کی تیز نگاہیں چوہدری زبیر سے ہوتی ہوئی طلحہ حیات پر آکر ٹھہر گئی تھیں۔ "زہے نصیب سائیں تشریف رکھیے۔" وہ ان کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔ وہ دونوں گاؤ تکیے کا سہارا لیتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"روشنی کہاں ہے؟" زبیر امیر کی آنکھوں کی بے تابی واہوئی۔

"سائیں! وہ پانچ منٹ میں آرہی ہے۔"

کمرہ آہستہ آہستہ شائقین سے بھرتا جا رہا تھا۔ اچانک سفید براق لباس میں ملبوس جیسے کوئی حور زمین پر اتر آئی۔ اس نے جھک کر زبیر کو سلام کیا۔

"روشنی! یہ میرا جگری یار طلحہ حیات ہے۔" روشنی کی بوجھل مخمور نگاہیں واقعی طلحہ حیات کے حواس سلب کیے جا رہی تھیں۔ زبیر نے طلحہ کو ٹہوکا مارا۔

"کیا خیال ہے؟" آنکھوں میں معنی خیزی اُمڈی جا رہی تھی۔

طلحہ نے اثبات میں آنکھوں کو جنبش دی۔

سازندوں نے اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ روشنی کے گھنگھروؤں کی چھن چھن چھنا چھن سامعین کی سماعتوں میں امرت قطرہ قطرہ ٹپکا رہی تھی۔ روشنی کے ساتھ دوسری لڑکی بھی بے حد خوب صورت تھی۔ ساز بجتے رہے طبلے کی مدھر تھاپ پر گھنگھروؤں کی جھنکار نے محفل میں موجود سب افراد کو مبہوت کر دیا تھا۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔

اب طلحہ حیات اکثر چوہدری زبیر کے ساتھ یہاں آنے لگے تھے۔ روشنی اور شمع کی آنکھوں کے پیالے بھاری رقم کے عوض کھلے عام [illegible] دیتے۔ زبیر کے اکسانے پر وہ شمع کی جانب مائل ہونے لگے تھے۔

اب طلحہ حیات کا وقت اور بھاری جیب شمع کی قاتلانہ اداؤں کی نذر ہونے لگی۔

☆☆☆

منظور حیات زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سے چھوٹے بھائی منصور حیات تھے۔ منظور حیات نے میٹرک تک بمشکل تعلیم حاصل کی پڑھائی میں دل نہ لگا تو والد نے زمینوں کے امور منظور حیات کے سپرد کر دیے۔ زمینداری پر وہ کم توجہ دیتے اور ان کے یار دوستوں کا حلقہ وسیع ہوتا جا رہا تھا جو ان ہی کی طرح شکار یا دوسرے مشاغل کے شائقین تھے۔ آہستہ

آہستہ آہستہ وہ شراب و شباب جیسی برائیوں کے دلدادہ ہو چکے تھے جبکہ ان کے برعکس منصور حیات پڑھاکو قسم کے ذہین انسان تھے۔ صوم صلوٰۃ کے بھی پابند۔ منصور حیات اکثر بڑے بھائی کو سمجھاتے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور انسان کے لیے کیا حدیں مقرر ہیں بیان کرتے۔ اسی سبب منظور حیات منصور سے بدظن ہوتے جا رہے تھے۔ کئی مرتبہ دونوں میں تلخ کلامی بھی ہوئی لیکن منصور اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتے رہے مگر منظور حیات جس دلدل میں پیر جما چکے تھے وہاں سے پلٹنا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک روز منظور حیات نے چھوٹے بھائی کی گاڑی کے بریک فیل کر دیے۔ ان کا خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ چار سالہ بیٹی ماہ نور اور جوان بیوی کو تنہا چھوڑ گئے۔ منظور حیات نے اسے حادثے کا نام دے کر تمام معاملہ ختم کرا دیا۔ منصور حیات کی بیوی بچی کو لے کر میکے چلی گئی۔

منظور حیات کے دو بیٹے تھے۔ طارق حیات اور طلحہ حیات۔ بورڈنگ سے فارغ ہونے کے بعد دونوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھیج دیا گیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ واپس اپنے آبائی گاؤں حیات آباد آ گئے۔ طارق حیات کم گو سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے جبکہ طلحہ حیات شروع ہی سے نٹ کھٹ لاابالی طبیعت کے تھے۔ یار دوستوں میں خوش رہنے والے کتنے کتنے دنوں کے لیے دوستوں کے ساتھ شکار کے لیے چلے جاتے۔ منظور حیات کا انتقال ہو چکا تھا۔ طارق حیات طلحہ کو بہت سمجھاتے جنہیں وہ اپنے بچوں کی طرح سمجھتے۔

اس روز طارق حیات طلحہ سے کہنے لگے۔

"سوچ رہا ہوں لاہور میں اپنا بزنس شروع کر دیں اور وہاں کا بزنس تم سنبھال لو گے۔" وہ طلحہ کو کسی کام میں مصروف کرنا چاہتے تھے۔

"بھائی شہر کا بزنس آپ سنبھالیں۔ مجھے تو بس حیات آباد ہی رہنا ہے۔" ان دنوں طلحہ اپنی حویلی میں کام کرنے والی عظمت کی جوان اور خوب صورت تاباں کی آنکھوں میں لکھے سندیسے پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میدے میں گندمی رنگت والی تاباں جو بہانے بہانے سے طلحہ حیات کے گرد منڈلاتی۔ کانچ جیسی چمک دار کاجل بھری آنکھیں بھرے بھرے یاقوتی ہونٹ جس کے اوپر سیاہ تل اور گہری مسکان ہر وقت موجود رہتی۔

مگر طارق حیات نے ان کے انکار کو نہیں سنا۔ لاہور میں شوگر مل لگوا رہے تھے۔ جس کی ساری ذمہ داری انہوں نے طلحہ حیات پر ڈال دی اور پھر واقعی طلحہ حیات کو یہ مصروفیات اچھی لگنے لگی تھیں۔ وہ تر و تازہ رہنے لگے تھے۔ اب بھی چوہدری زبیر انہیں بازار حسن کی سیر کرانے لے جاتے مگر ان کے اندر عجیب سی تبدیلی آ رہی تھی۔ ان کا دل چاہتا زبیر کو انکار کر دیں۔ وہ گومگو کی کیفیت میں ضرور پڑ جاتے مگر انکار کرتے تب بھی زبیر کہاں ماننے والا تھا۔ وہ بغیر حیل و حجت اس کے ساتھ چل پڑتے۔ مگر وہ اپنے معمولات سے اکتا گیا تھا۔ اکثر اذان کی آواز سنتے تو جیسے کوئی انہیں جھنجوڑ کے رکھ دیتا۔ وہ اضطراب سے انگلیوں کی پوروں سے کنپٹیوں کو زور سے دباتے۔ اپنی گناہ آلود زندگی کا شعور ان کے دماغ میں کلبلاتا۔ وہ خود کو خداوند کریم کے سامنے شرمندہ سے پاتے۔ اپنی خطاؤں کا شمار کرتے تو جیسے کوئی سرد لہر سنسناتی ہوئی کے روم روم میں پیوست ہو جاتی۔ یقیناً اللہ انہیں ہدایت سے نواز رہا تھا۔ جیسے کوئی بار بار انہیں پکارتا۔ وہ تیزی سے مسجد کی طرف بڑھتے وضو کرکے جماعت کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ ان ساعتوں میں شرمندگی کے آنسو ان کے چہرے کو جل تھل کر دیتے۔ اب طلحہ حیات نے چوہدری زبیر کی طرف جانا قدرے کم کر دیا تھا۔

اس روز ناشتے کی ٹیبل پر طارق حیات نے بے حد پیار سے طلحہ کو کہا۔

"طلحہ! اس اتوار میں اور تمہاری بھابی تمہارے بیاہ کی تاریخ لینے ریاض ماما کے ہاں جا رہے ہیں۔" بھابی بھی چائے کا کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"واہ بڑا مزا آئے گا۔ چاچو کی شادی پر۔" منہ سے دودھ کا گلاس لگائے ماہ نو چہکی۔

"بابا! چاچو کی شادی ہو گی، نئی چاچی آئے گی۔" بھتیجا ارحم بھی تالی پیٹنے لگا۔ جبکہ وہ بے چین سے ہو گئے۔

"بھائی! کچھ عرصہ رک جائیں۔ میں مزید پڑھنے کے لیے امریکہ جانا چاہتا ہوں۔"

"بہت پڑھ لیا اب کہیں نہیں جانا تمہیں۔"

"پلیز بھائی!" بھابی نے بغور طلحہ کو دیکھا۔ بھیا مسکرائے۔

"ٹھیک ہے۔ تم دو سال تک تو واپس آ ہی جاؤ گے ماہین بھی ابھی پڑھ رہی ہے۔" بھیا بھابی نے گویا ہار مان لی تھی۔

اور پھر وہ امریکہ چلے گئے ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ انہوں نے لے لیا تھا۔ پورا ایک ماہ طلحہ حیات نے صرف اپنے ساتھ گزارا تھا۔ تمام وہ وقت جو انہوں نے چوہدری زبیر کے ساتھ گزارا تھا فلم کی طرح ان کے چشم تصور میں اتر آتا۔ اپنے نفس کی تسکین کے لیے طلحہ حیات نے کیسے کیسے گناہ کبیرہ نہ کیے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی خیال نہ آیا کہ دنیا سے چھپتا بھی چھپ جائیں ایک ذات ہے جو انہیں ہر جگہ دیکھ رہی ہے۔ انہیں اس ذات کا بھی احساس نہ ہوا۔ اک احساس جرم تھا جس نے ان کے اندر طوفان برپا کر دیا تھا۔ کوئی طاقت انہیں آگہی کے رستوں کا مسافر بنا رہی تھی۔

"خداوندا! مجھے معاف فرما دے۔" وہ پہروں جاگتے آنسوؤں کے ریلے ان کے چہرے پر خشک ہو جاتے۔

"اے مالک مجھے معاف فرما دے۔" پشیمانیاں انہیں گھیرے رکھتیں۔ وہ بے کل و مضطرب رہتے۔ جگہ جگہ سکون ڈھونڈتے۔ پڑھائی کا تو بہانہ تھا۔ وہ یہاں آئے ہی اسی لیے تھے کہ کچھ وقت خود میں مدفن ہو کر گزار سکیں۔ ندامت کی کسک جو انہیں جینے نہ دیتی تھی۔

انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ کچھ دن گزرے تو یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ تھوڑے مصروف ہوئے تو قدرے طبیعت بھی سنبھل گئی۔ اس ویک اینڈ پر وہ کتنی دیر سوئے انہیں پتہ نہ چلا۔ آج وہ پرسکون اور گہری نیند سوئے تھے۔ آنکھ کھلی تو شام کے سات بج رہے تھے۔ کافی دیر شاور لینے کے بعد خود کو تر و تازہ محسوس کر رہے تھے۔ انہیں بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ فریج کھولا تو جوسز کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دیا۔ باہر جا کر کچھ کھانے کے ارادے سے وہ قریبی کیفے ٹیریا میں آ گئے۔ انہوں نے چیز سینڈوچ اور سافٹ ڈرنک کا آرڈر دیا۔ اتنی گہما گہمی میں بھی وہ اپنی ذات میں محو رہتے۔ خود کے لیے طمانیت آمیز پناہیں تلاشتے رہتے۔ انہیں اپنے اطراف میں بسنے والے افراد سے قطعی سروکار نہ تھا۔ کیفے سے نکلنے کے بعد وہ اک طویل سڑک پر چلنے لگے جو ان کے اپارٹمنٹ کی طرف جاتی تھی۔ یکایک وہ ٹھٹک

کر کے۔ قریبی مسجد سے عشاء کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ ان کا اپارٹمنٹ مسلم کمیونٹی کے علاقہ میں تھا۔ کوئی غیر مرئی طاقت ان کے قدم مسجد کی طرف لے جا رہی تھی۔ طلحہ حیات نے وضو کیا اور آخری صف میں کھڑے ہو گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد مولانا حذیفہ زید اسلامی تعلیمات دیتے تھے۔ کچھ لوگ جا چکے تھے۔ چند نمازی ان کا بیان سننے کے لیے بیٹھے تھے۔ طلحہ حیات بھی وہیں ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھ گئے۔ مولانا صاحب مختلف آیات کا ترجمہ اور احادیث بیان کرتے رہے۔ ان کی گمبھیر آواز میں ایسی تاثیر تھی جیسے لفظ لفظ طلحہ حیات کے اندر اتر رہا ہو۔ وہ محویت سے سنتے رہے۔ مولانا کی باتیں انہیں مذہب اسلام کی تعلیمات سے روشناس کروا رہی تھیں۔ جیسے کوئی انہیں باور کرانے پر تلا تھا کہ ایک سچے مذہب کے پیروکار ہونے کے باوجود وہ گناہ کی کس دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ جیسے کوئی انہیں اسلام کی روح کو پہچاننے کی ترغیب دے رہا تھا۔ وہ کافی دیر اسی کیفیت میں بیٹھے رہے۔ مولانا کی سچائی اور فلاح کی جانب مائل کرتی روح پرور باتیں سنتے رہے اور جب وہ وہاں سے اٹھے تو خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ ایک عجیب سا اطمینان ان کے اندر سرایت کرتا چلا گیا تھا۔

اگلی صبح اذان کی آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ رات کو مسجد کی طرف کھلنے والی کھڑکی انہوں نے قصداً تھوڑی سی کھول دی تھی۔ وہ بستر سے اٹھے وضو کیا اور مسجد کی جانب بڑھنے لگے۔ نماز کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تھے مگر وہ بیٹھے رہے۔ مولانا حذیفہ طلحہ حیات کے پاس سے گزرتے ہوئے ٹھٹک گئے۔ ان کی پیٹھ پر تھپکی دی اور آگے بڑھ گئے۔ جب طلحہ حیات مسجد سے باہر نکلے تو صبح کی پو پھوٹ رہی تھی۔ ایک بے نام سرشاری ان کے رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی۔ دل کا بوجھل پن اب قدرے ماند پڑ چکا تھا۔ اپنے لیے اسٹرانگ چائے کا کپ بنا کر وہ بالکونی میں چلے آئے۔ خنک فضا میں سانس لینا اچھا لگ رہا تھا۔ یکایک روح کو تازگی بخشنے والی ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے سرعت سے اس خوب صورت آواز کے تعاقب میں چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ان کے قریب کی بالکونی کے اس پار کھلے دروازے سے نظر آتا منظر انہیں مبہوت کر گیا۔ سفید دوپٹے کی بکل مارے کوئی نفس تلاوت کر رہا تھا۔ وہ باؤنڈری کے قریب آ گئے۔ وہ تیس پینتیس سال کی کوئی خاتون تھیں جو تلاوت کر رہی تھیں۔ اس کے لبوں سے جھرنوں کی سی روانی و خوب صورتی سے قرآنی آیات کی تلاوت انہیں دم بخود کر گئی۔ ہر لفظ جیسے موتیوں کی طرح ان کے لبوں سے ادا ہو رہا تھا۔ وہ ساکت کھڑے سنتے رہے اور چونکے تب جب آواز آنا بند ہو چکی تھی۔ انہیں پتہ ہی نہ چلا کس وقت منظر کا سحر ٹوٹا۔ وہ خاتون تلاوت کر کے اب جا چکی تھیں۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑے چائے کے کپ کو دیکھا جو ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ نپے تلے قدموں سے اندر چلے آئے۔ مگر جیسے کسی نے روح کی کھڑکی کھول دی تھی۔

عموماً جب بھی وہ عشاء کی نماز کے لیے گھر سے نکلتے سامنے کوریڈور سے دس سالہ عبداللہ بھی اپنے اپارٹمنٹ سے نکل رہا ہوتا اور اکثر ہی ان کی ہیلو ہائے ہوتی تھی۔ دونوں باتیں کرتے مسجد تک کا سفر طے کرتے۔ واپسی پر بھی دونوں ہم سفر ہوتے۔

اس روز واپسی پر جیسے ہی وہ اپنے اپارٹمنٹ کا لاک کھولنے لگے۔ عبداللہ سر پر رکھی سفید ٹوپی درست کرتے ان کے قریب آ گیا۔

"انکل آج شب برات ہے۔ ہمارے گھر میں حلوہ پکا ہے آپ آئیے نا! اور ماما نے کھوئے والی کھیر بھی بنائی ہے۔ ایسی کھیر کراچی میں میری نانو بنایا کرتی تھیں۔ نانو تو اب نہیں ہیں....." اس نے منہ لٹکایا۔

طلحہ حیات مسکرائے۔ "بیٹا پھر کبھی سہی۔"

"انکل آ جائیں نا! کسی کی دعوت پر انکار نہیں کرتے۔ میری مقدس خالہ کہتی ہیں....." عبداللہ ان کا ہاتھ پکڑے اپنے گھر کی طرف لے گیا۔ "آئیے انکل۔" وہ انہیں لاؤنج میں لے آیا۔

"طلحہ حیات آپ؟" عبداللہ کے والد رحمن احمد نے صوفے سے اٹھتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ رحمن احمد سے بھی آتے جاتے ان کی علیک سلیک ہوتی رہتی تھی۔

"انکل تو آ ہی نہیں رہے تھے میں انہیں زبردستی لے کر آیا ہوں کہ ہمارے گھر کھیر بنی ہے۔ ماما دیکھیں کون آیا ہے؟" عبداللہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دوپٹے کے ہالے میں مقدس چہرے والی خاتون ٹرالی گھسیٹتی قریب آ گئیں۔

"السلام علیکم جی۔"

"وعلیکم السلام۔" طلحہ حیات بے طرح چونکے یہ وہی خاتون تھیں جن کی روزانہ وہ تلاوت سنتے تھے۔

"انکل! یہ میری مقدس خالہ ہیں۔" غیر ارادی طور پر ان کی نگاہیں کئی مرتبہ مقدس کی جانب اٹھیں۔ وہ دراز قد کی سانولی سی چارمنگ اور اسمارٹ خاتون تھیں۔ جن کی غلافی آنکھوں پر گھنیری پلکیں ایک بار بھی اوپر نہ اٹھی تھیں۔ مقدس کچھ دیر توقف کے بعد وہاں سے اٹھ گئیں۔ مگر ایک غیر محسوس بے چینی جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ انہیں سونپ گئی تھیں جبکہ لبنیٰ رحمن ٹھنڈے میٹھے لہجے میں ان کی فیملی کے بارے میں دریافت کرتی رہی تھیں۔ طلحہ حیات کو یہاں آ کر اچھا لگا تھا۔ رحمن احمد انہیں ڈنر کے لیے روکتے رہے لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔

"انکل! آپ کو پتہ ہے آج عبادت کی رات ہے۔ آج خدا سے جتنی معافی مانگیں وہ ضرور معاف کر دیتا ہے۔ وہ ہماری تمام دعائیں سنتا ہے۔" عبداللہ طلحہ حیات کا ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔ "یہ سب میری مقدس خالہ نے بتایا ہے۔ انہوں نے مجھے کہا ہے آج رات تم عبادت کے نفل بھی پڑھنا اور قرآن پاک بھی پڑھنا۔"

بے ساختہ طلحہ حیات کو اس معصوم بچے پر پیار آ گیا تھا۔ انہوں نے جھک کر عبداللہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور آگے بڑھ گئے۔

وہ جب سے عبداللہ کے گھر سے آئے تھے بے چینی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈنر کے بعد وہ عبادت کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ آج جامع مسجد کو بہت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ آج معمول سے زیادہ لوگ تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد لوگ نفل اور قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ طلحہ حیات اپنے اردگرد سے غافل نوافل پڑھتے رہے۔ گہری آسودگی ان کی روح کو معطر کر رہی تھی۔ پھر انہوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ فجر سے کچھ دیر پہلے جب تمام لوگ جا چکے تھے اللہ کے گھر میں وہ تنہا رہ گئے تھے۔ یکبارگی ان کا دل بھر آیا پھر وہ سجدہ میں گر گئے۔ انہیں لگا خدا انہیں دیکھ رہا ہے۔ آنسو ان کی آنکھوں سے پھسل کر گداز قالین کے سینے میں [illegible] رہے۔ خدا تو انہیں تب بھی دیکھتا تھا ج[illegible] سے بھٹکے ہوئے تھے۔ اپنے گناہوں کو [illegible] بھر کے لیے طلحہ حیات کی روح لرز اٹھ[illegible]

ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔ وہ تڑپ تڑپ کر بلکتے ہوئے سوہنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے۔ سچے سائیں کو آج کی رات منانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اب بھی سسکیوں کے ساتھ رو رہے تھے۔

''طلحہ..... طلحہ.....'' کسی نے ان کی پیٹھ تھپتھپائی۔

''آپ ابھی تک یہیں پر ہو؟'' مولانا حذیفہ زید جو فجر کی اذان دینے آئے تھے۔

''جی مولانا صاحب! اپنے رب کو منانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیا وہ مان جائے گا؟''

''کیوں نہیں وہ رحمان ہے رحیم و کریم ہے۔'' طلحہ حیات اچانک گہرے سکون میں چلے گئے تھے۔

''مولانا صاحب آج فجر کی اذان میں دوں؟''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''

اور پھر انہوں نے خوش الحانی سے اذان دی تھی۔ جیسے رگ رگ میں سکون اترتا چلا گیا تھا۔ جب طلحہ اذان دے کر مولانا صاحب کے قریب آئے تو انہوں نے مسکرا کر طلحہ کی طرف دیکھا۔

''طلحہ حیات! آپ کی آواز بہت پُراثر اور خوب صورت ہے۔''

❋ .... ❋ .... ❋

عبداللہ سے طلحہ حیات کی دوستی ہو چکی تھی۔ یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ عبداللہ کے ساتھ کچھ وقت گزارتے۔ اکثر سوچتے بوسٹن میں پڑھائی کے بہانے آنا اپنی ذات کے ساتھ رہنا جیسے ان کے اندر کے قفل کھول گیا تھا۔ خدا کو تو انہوں نے یہیں آ کر پہچانا تھا۔ وہ پابندی سے مسجد جاتے اور اکثر مولانا صاحب کی اجازت سے اذان دینے کا مقدس فریضہ نبھاتے روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر آنے کے بعد گرم چائے کا مگ پکڑے بالکونی میں چلے آتے جہاں سے مقدس تلاوت کرتی دکھائی دیتی۔ اس ... بے اختیار ہی انہوں نے مقدس کی آواز کی تعریف کر دی۔

''شکریہ آپ کی آواز بھی بہت خوب صورت ... جب آپ اذان دیتے ہیں تو جیسے سماں سا بندھ ... ہے۔''

''اچھا!'' انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ مقدس ان کی تعریف کرے گی۔

''اس ویک اینڈ پر عبداللہ انہیں زبردستی اپنے ... لے آیا۔

''انکل! آج ماما نے سندھی بریانی بنائی ہے ... آپ لنچ ہمارے ساتھ کریں۔'' لاؤنج میں ... ڈائننگ ٹیبل پر مقدس کھانا لگا رہی تھی۔

''طلحہ! آپ ویک اینڈ پر لنچ ہمارے ساتھ کریں کچھ گپ شپ رہے گی۔'' رحمٰن احمد بولے۔

''کوشش کروں گا۔'' طلحہ مسکرائے۔ انہوں نے ایک نظر مقدس کو دیکھا۔ پنک دوپٹے میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ ان کی نگاہیں بار بار وارفتگی سے مقدس کی جانب اٹھتی رہیں۔ مقدس خاموشی سے کھانا کھاتی رہی اور جب مقدس وہاں سے جا چکی تو طلحہ کا بھی وہاں دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ وہاں سے جلدی اٹھ آئے۔

وہ اکثر مقدس کے متعلق سوچنے لگے تھے۔ مقدس اپنے نام کی طرح مقدس لگتی تھی۔ کوئی انجانی سی کشش تھی جو انہیں اس کی جانب راغب کرتی ... کیوں ہو رہا ہے وہ خود نہ جان پاتے۔ ابھی ان کے دو سمسٹر باقی تھے۔ وہ گھر والوں کے لیے اداس تھے ... فون پر دیر تک بات ہوتی۔

اس صبح بالکونی میں کھڑے چائے پیتے ہوئے وہ ... کے متعلق مقدس کو بتانے لگے۔

''... اسلامی کتاب ... آپ چاہیں تو میں آپ کو پڑھنے کے لیے دے سکتا ہوں؟''

''ضرور..... ضرور۔''

''مقدس آپ بہن ... کے ساتھ کیوں رہتی ہیں۔'' ہمت کر کے وہ پوچھ ہی بیٹھے۔

''میرے والدین حیات نہیں ہیں۔ اکلوتا بھائی ... فیملی میں مگن ہے۔ باجی مجھے کچھ دنوں کے لیے اپنے پاس لے آئی ہیں۔''

''آپ کی شادی.....؟''

''ابھی نہیں ہوئی۔'' مقدس نے ان کا ادھورا جملہ مکمل کر دیا۔ ''والدین کی وفات کے بعد کون سوچتا؟ وقت کیسے گزرتا چلا گیا پتہ نہ چلا۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے قرآن پاک کو چومتی اندر چلی گئی۔

اس شام وہ اسے کتاب دینے اس کے گھر چلے آئے۔

''... رکھیے۔'' وہ کچھ جھجک رہی تھی۔ انہوں نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ گھر بھر میں سناٹا تھا۔

''بھابی کہاں ہیں؟''

''سپر اسٹور تک گئی ہیں۔'' وہ منتظر تھی کہ طلحہ حیات یہاں سے جائیں لیکن ان کا بیٹھنے کا موڈ تھا۔ وہ کاؤچ پر بیٹھ گئے۔

''ایک کپ کافی مل سکتی ہے؟ دراصل میرے ہاں کافی کا سامان ختم ہو گیا ہے۔''

وہ مسکرائی۔ ''ابھی لائی۔''

''سنیں دو کپ۔''

مقدس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔

انہیں جب سے پتہ چلا تھا مقدس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اک موہوم سی خواہش دل میں کروٹیں بھرنے لگی تھی کہ یہ میری بن جائے۔

طلحہ حیات تم اس آبِ زم زم سے دھلی لڑکی کے قابل ہرگز نہیں ہو۔'' اندر کوئی چھری سے وار ہوا۔

وہ اس سے ڈھیروں باتیں شیئر کرنا چاہتے تھے۔ پھر جانے کیوں اور کس بھروسے کے تحت کتاب زیست کے تمام اوراق ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے۔

وہ نگاہیں جھکائے ساکت و مضطرب سی ان کی باتیں سنتی رہی اور لفظ لفظ اس کے سامنے دہرا کر جیسے وہ پُرسکون ہو گئے تھے۔

''میں آپ کا بے حد احترام و عزت کرتا ہوں مقدس! آپ مجھے اچھی لگنے لگی ہیں۔ میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں اتنی بڑی بات آپ جیسی پاکیزہ ہستی سے کہہ دی۔'' یہ کہہ کر وہ رکے نہیں تیزی سے باہر نکل گئے۔

❋ ❋ ❋

دو روز سے طلحہ حیات کو فلو کے ساتھ ٹمپریچر تھا۔ عبداللہ تھوڑی دیر پہلے ان کے پاس سے ہو کر گیا تھا اور اپنی ماں اور خالہ کے ساتھ دوبارہ آ گیا تھا۔

''طلحہ! آپ نے طبیعت کی ناسازی کا بتایا نہیں۔''

''بھابی! ایسی بڑی بات نہیں، معمولی ٹمپریچر ہے۔''

''میں آپ کے لیے سوپ بنا کر لائی ہوں۔'' مقدس نے انہیں دیکھا۔

''تھینک یو آپ نے میرے لیے تکلیف کی۔'' اسے پا کر طلحہ کی آنکھیں چمک اٹھیں وہ سوپ کا باؤل سامنے سرونگ کاؤنٹر پر رکھنے لگی۔

لبنیٰ رحمٰن طلحہ حیات کی طبیعت کے متعلق پوچھتی

رہیں۔ مقدس کچن کی بے ترتیبی درست کرنے لگی تھی۔ اب وہ سنک میں میلے پڑے برتن دھو رہی تھی۔ طلحہ نے احتجاج کیا۔

"آپ کیوں تکلیف کر رہی ہیں؟"

"کوئی بات نہیں۔"

وہ شدید حیرانی میں مبتلا تھے کہ ان کے متعلق اتنا جان کر مقدس کو ان کی شکل سے نفرت ہو جانی چاہیے تھی۔

"مقدس مجھے سپر اسٹور تک جانا ہے، تم عبداللہ کے ساتھ گھر آ جانا۔" لبنیٰ رحمن کھڑی ہو گئی تھیں۔

"باجی میں ابھی آتی ہوں۔" وہ برتن خشک کر کے رکھ رہی تھی۔

وہ سامنے صوفے پر بیٹھے مقدس کو دیکھتے رہے۔

"عبداللہ چلیں۔" فارغ ہو کر مقدس نے عبداللہ کو پکارا۔

"جی۔"

"عبداللہ کافی نہیں پیئیں گے؟"

"انکل! میں کافی نہیں پیتا۔"

"یار میرا دل چاہ رہا ہے پینے کو۔"

"تو خالہ سے بنوالیں۔"

مقدس کے ہونٹوں کے کناروں پر مسکان آ رکی۔

"وہ سامنے کافی کی بوتل اور شوگر پڑی ہے۔"

"خالہ! میں ابھی آیا۔" "رکو عبداللہ! رک جاؤ نا۔"

"آ رہا ہوں خالہ۔"

کافی تیار کر کے اس نے مگ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"میں چلتی ہوں۔"

"پلیز تھوڑی دیر رک جائیں۔" وہ ناچار بیٹھ گئی۔

وہ اس سے باتیں کرتے رہے۔ وہ ہوں ہاں میں جواب دے رہی تھی۔

"اپنے بارے میں مجھے نہیں بتائیں گی؟ میں کبھی کوئی آپ کو بھی اچھا لگا یا پھر......" انہوں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

مقدس نے بغور ان کی طرف دیکھا۔

"دس سال پہلے میری منگنی ہوئی تھی۔" طلحہ حیات کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "وہ شخص ایسا تھا کہ کوئی ایسی نہیں جو اس میں نہ ہو۔ میں نے ہمیشہ ایسے آئیڈیلائز کیا جو کردار کا بہترین انسان ہو۔ میں شادی سے انکار کر دیا۔ میری منگنی ٹوٹ گئی۔" سانس روکے ہوئے تھے۔ چائے کا مگ ان کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔" وہ چلی گئی تو طلحہ حیات اضطراب کی عمیق گہرائیوں میں اترتے چلے گئے۔

طلحہ حیات مقدس کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ اب ان کا یہاں دل گھبرانے لگا تھا۔ اچانک گھر والوں کی یاد آ رہی تھی۔ ایک اضطراب وجود و حواس پر مسلط رہتی۔ مقدس سے ان کا سامنا کئی دن سے نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کے سامنے جانے سے کترا رہے تھے۔ اس روز یونیورسٹی سے واپسی پر اپارٹمنٹ کے سامنے لبنیٰ بھابی سے ان کا سامنا ہو گیا۔

"کیا بات ہے طلحہ! کئی دنوں سے چکر نہیں لگایا؟"

"بھابی! پیپرز کی تیاری کر رہا ہوں۔ ٹائم نہیں ملتا۔"

"طلحہ! میں نے سنا ہے آپ چائے بہت اچھی بناتے ہیں۔"

"جی۔"

"پھر آج شام کی چائے پینے پہنچ جاؤں گی۔"

"ضرور۔"

شام کو لبنیٰ رحمن کیک اور پرتکلف کھانا بنا کر لے آئی تھیں۔

"سوچا میں ہی کھانا لے جاؤں، آپ نے تو ہمارے ہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔" ان کے لہجے میں شکوہ تھا۔

وہ فٹافٹ دو کپ چائے بنا لائے تھے۔ وہ کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ یکایک وہ طلحہ حیات سے مخاطب ہوئیں۔

"طلحہ! آپ میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح ہیں۔ گھما پھرا کر بات کرنے کی بجائے سیدھے طریقے سے بات کرنا چاہوں گی۔ مقدس کی بابت......" وہ خاموش ہو گئیں۔ توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"مقدس کے بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتی ہوں۔"

"مقدس بہت اچھی ہیں۔"

"میں چاہتی ہوں اس کی شادی ہو جائے۔ آپ پر اعتبار ہے مجھے اس کے لیے بہترین لگے ہیں۔ مگر میں یقیناً آپ اس سے کچھ چھوٹے ہیں مگر فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے۔ میرا ایک خیال تھا جو میں نے آپ تک پہنچا دیا ہے۔ اگر میری بات ناگوار گزری ہو تو میں معافی چاہوں گی۔"

"بھابی ایسی بات نہیں ہے......" وہ سمجھ نہ پا رہے تھے اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کریں۔ ان کے چہرے پر روشنیوں کی چمک رقصاں تھی۔ آنکھوں سے پھوٹتی خوشی کی کرنیں لبنیٰ رحمن نے بھی دیکھیں۔

"آپ نے مقدس سے پوچھا ہے؟"

"اس سے بات کرنے کے بعد ہی آپ سے بات کر رہی ہوں۔"

"مقدس میرے بارے میں سب جانتی ہیں۔"

"ہاں، اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے۔ اس نے خوشی سے ہامی بھری ہے۔ آپ کی آنکھوں کی سچائی نے اسے متاثر کیا ہے۔"

"بھابی! میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ یہ تو میری خوش بختی ہوگی۔" وہ نم ہوتی آنکھوں کو جھپک جھپک کر خشک کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایک سال پہلے طلحہ حیات کی منگیتر ماہین کی شادی اس کے ایک کلاس فیلو سے ہو گئی تھی۔ ریاض ماما نے معذرت کر لی تھی۔ طارق حیات سے کہ بیٹی کی خوشی اور محبت کے سامنے ہم مجبور ہیں۔ بھیا نے طلحہ حیات کو فون پر بتا دیا تھا۔ چھ ماہ بعد سب کی رضامندی سے مقدس سے طلحہ حیات کی شادی پاکستان ہی میں دھوم دھام سے ہو گئی۔ سب ہی بہت خوش تھے۔ طلحہ حیات کو اب معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں نیک بیوی کا مل جانا کسی جنت سے کم نہیں۔ دونوں ایک دوجے کی قربت میں خوش تھے۔ کبھی انہیں آپس میں شکایت نہیں ہوئی۔

طارق بھیا اور بھابی مقدس کا بہت خیال رکھتے۔ وہ بھی دل و جان سے ان کی عزت کرتی ہے۔ طلحہ حیات پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی شادی کو چھ سال ہو چکے ہیں۔ ان کے دو بیٹے ہیں جب پانچ سالہ سعود باپ کی انگلی پکڑے گھر سے مسجد کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو مقدس آیت الکرسی پڑھ کر دونوں پر پھونکتی ہے۔ تب طلحہ حیات قدرے پلٹ کر مسکرا کر مقدس کو دیکھتے ہیں اور اپنی خوشیوں بھری زندگی پر رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔

عشنا کوثر سردار

کوئی موسم ہو دل میں، ہے تمہاری یاد کا موسم
کہ بدلا ہی نہیں اب تک تمہارے بعد کا موسم
نہیں تو آزما کے دیکھ لو کیسے بدلتا ہے
تمہارے مسکرانے سے دلِ ناشاد کا موسم

انا کو ملک کو اپنی دھڑکنیں تیز ہوتی لگیں۔ آواز اتنی تھی کہ کان تک پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ کوئی ڈراما تھا...... معارج تعلق صرف اسے تنگ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا؟ یا پھر وہ اسے صرف خوف زدہ کرنا چاہتا تھا؟ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی، نہ ہی بتانا مقصود تھا کہ وہ اس سے خوف زدہ ہے تبھی اس نے تمام حواس قابو میں رکھتے ہوئے کوئی تاثر دیے بغیر بہت آرام سے دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر اسے پیچھے ہٹایا۔

"اتنی آوارہ مزاجی بہتر نہیں۔ کنٹرول میں رکھیے اپنے آپ کو آئندہ مجھ سے فاصلے پر رہ کر بات کیجیے گا۔ یہ شعبدہ بازیاں یہاں کام نہیں آسکتی ہیں۔ اپنے گھر سنبھال رکھیے۔ کسی اور جگہ ضرورت پڑے گی آپ کو۔" زہر خند لہجے میں کہہ کر آگے بڑھنے کو تھی جب معارج نے اس کا بازو تھام لیا۔ گرفت سخت تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کی باتوں نے اس کی انا کو ٹھیس لگائی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملی تھیں تو اندازہ ہوا کہ غصہ کتنا شدید تھا۔ اس کی آنکھوں سے کوندتے شعلے جیسے اسے جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے تھے۔

"اگر تمہیں حاصل کرنا مقصود ہوتو کچھ ناممکن نہیں ہے۔ تم جانتی ہو میں ایسا کر سکتا ہوں۔ اگر ایسا ہی کرنا ہوتا تو مجھے اس شادی کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ نہ میں کسی خوف کا شکار ہوں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ مجھے اجازت کی ضرورت ہے تو یہ یقیناً آپ کی خام خیالی ہے۔ میں ایک پل میں سب کچھ زیروزبر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اگر ارادہ نہیں باندھ رہا تو صرف اس لیے کہ میں تمہارا بیمار نہیں ہوں۔ اگر تمہیں لگتا ہے مجھے پابندیوں کو عبور کرنا نہیں آتا یا دیواریں گرانا نہیں آتا تو آپ غلطی پر ہیں۔ اتنا بے اختیار نہیں ہوں میں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جتایا۔

اس کی آنکھوں سے نکلتی شعلوں کی لپٹیں اس کے وجود کو جیسے جلا دینا چاہتی تھیں۔ اس کی مضبوط گرفت کے باعث اس کا بازو دکھنے لگا تھا۔ اس کی انگلیاں جیسے اس کی ہڈیوں میں گھسنے لگی تھیں۔ درد کی کیفیت غالب

اس کے چہرے سے عیاں تھی تبھی معارج تعلق نے اس کی کلائی ایک جھٹکے سے چھوڑی اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ ساکت سی کھڑی دیکھتی رہی۔

حقیقت یہ تھی کہ وہ کہیں بھاگ نہیں سکتی تھی۔ کوئی اور راہ نہیں تھی اور وہ کچھ بھی کرتی اسے سامنا تو بہر حال کرنا ہی تھا۔ تبھی دو دن اگر کمرے میں بند رہی تھی تو اتنی ہمت تو آ گئی تھی کہ دنیا کو فیس کر سکے۔ پہلی حیرت ایکسل کو ہوئی تھی اسے دیکھ کر۔

"تم کہاں تھیں؟ پارسا نے بتایا تھا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم ٹھیک تو ہو؟" اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر تبھی لی میک اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ انابیہ بیگ جو کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی اس لمحے سراسیمہ سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ سے بات کرنا تھی، میں کچھ بزی تھی۔ پنگ کے امور نہیں دیکھ سکتی تھی، تو مجھے لگا اگر آپ؟" لی نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں نے مطلع کر دیا تھا کہ میں ایسا نہیں کر پاؤں گی۔ مجھے اپنے پروجیکٹ پر کام کرنا ہے۔" انابیہ بیگ نے سہولت سے منع کیا۔

"اوہ! مجھے لگا آپ یہ کام بہت طریقے سے کر سکتی ہیں۔" لی میک کو افسوس ہوا۔

"سوری! میرے پاس اس وقت ہوتا تو ضرور کرتی مگر پروجیکٹ اہم ہے۔" انابیہ نے سہولت سے کہا۔ لی میک جیسے اس کے چہرے کو سطر سطر پڑھ رہی تھی۔ غالباً اس کے قریب آنا کوئی بہانہ تھا۔ اس سے بات کرنے کا۔ جیسے کوئی سرا ہاتھ لانا تھا۔ کل جس طرح دامیان سوری گم صم سا تھا، اس سے اتنا تو وہ جان ہی گئی کہ ان دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہے۔ انابیہ آگے بڑھ گئی۔ وہ فی الحال اس حالت میں نہیں تھی کہ کسی کی کریدتی نظروں کا سامنا کرتی یا جواب دیتی۔ پارسا کلاس ختم ہونے پر اس کے پاس آئی۔

"لائبریری چلو گی؟ مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں۔"

"نہیں! میں بس دوسری کلاسیں لوں گی اور واپس گھر جانا چاہوں گی۔ بہتر ہوگا کہ میں انٹرنیٹ سے میٹریل نکال لوں۔ وقت کم ہے اور لائبریری کی خواری سود مند نہیں۔" وہ جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی جیسے...... پارسا نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟"
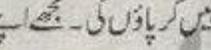
"ہاں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو تمہیں آرام کرنا چاہیے تھا۔ تمہارا پروجیکٹ میں مکمل کر دوں گی۔" پارسا نے کہا۔

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔ شکریہ۔" پارسا کو اس کا انداز پہلے سے بہت مختلف لگا۔ اس کے چہرے سے دکھائی دے رہا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے مگر وہ کریدنا نہیں چاہتی تھی۔

"تم نے دامیان کو دیکھا کہیں؟" لی ان کے پاس آئی۔

"نہیں!" جس طرح انابیہ نوٹ بک کھول کر منہمک ہو گئی تھی۔ اس سے پارسا پر جواب دینا فرض ہو گیا تھا۔

"آپ فون پر ٹرائی کریں، سیل فون تو ضرور آن ہوگا۔" پارسا نے صلاح دی تھی۔

"نہیں، اس کا سیل فون بند ہے۔ خیر میں دیکھتی ہوں۔" لی نے کہہ کر سیل فون پر پھر نمبر ملایا۔

"وہ کیمپس آیا بھی ہے آج؟"

"ہاں صبح ملی تھی میں اس سے۔ ایکسل کے ساتھ تھا۔ میں لائبریری چلی گئی تھی۔ سوچا تھا وہ یہیں ملے گا مگر...... خیر میں دیکھتی ہوں۔" لی کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ پارسا نے دیکھا تھا۔ انابیہ سر جھکائے نوٹ بک پر کچھ لکھتی رہی تھی۔ سر اٹھا کر دیکھنے کی فرصت اسے نہیں تھی۔ تبھی وہ باہر نکل آئی۔

"تم آج کہاں نکل گئے تھے۔ تمہارا فون شام تک بند رہا۔ کیا ہوا تھا؟" لی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ایک ضروری کام پڑ گیا تھا۔" دامیان شاہ سوری نے وضاحت دی۔

"اوہ! میں تمہیں وہاں کیمپس میں ڈھونڈتی رہی۔"

"کوئی کام تھا؟" دامیان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نہیں کوئی خاص کام تو نہیں تھا۔" وہ دانستہ کہتے کہتے رک گئی تھی۔ "مجھے لگا آپ فرار حاصل کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔"

"مجھے کیوں ضرورت پڑنے لگی فرار کے راستوں پر بھاگنے کی؟" دامیان سوری چونکا۔

"آپ اچانک سے غائب ہوئے نا تو......"

"مجھے پاپا کا فون آ گیا تھا۔ ایک اہم میٹنگ تھی۔ میں صرف شروع کی دو کلاسز اٹینڈ کرنے ہی گیا تھا مگر اس کا موقع ہی نہیں ملا۔ پاپا بزنس کے کاموں میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتے، جو جب کرنا ہے تب کرنا ہے ورنہ کورٹ مارشل۔" وہ غالباً ہرتا ثر زائل کرنے کے لیے بول رہا تھا۔

لی نے اسے دیکھا۔ "ایک بات کہوں؟"

"بولو۔"

"اوں ہوں، کچھ نہیں۔" لی نے ارادہ ملتوی کر دیا۔

"بولو!" دامیان شاہ سوری نے کہا مگر وہ چپ رہی تھی۔ تبھی عائشہ بی بی چائے بنا کر لے آئی تھی۔ جب تک وہ سرو کر کے چلی نہیں گئی، ان دونوں میں سے کسی نے بھی بات نہیں کی۔

"کیا کہنا چاہتی تھیں آپ؟" دامیان نے عائشہ بوا کے جانے کے بعد سلسلہ وہیں سے جوڑا۔ لی کچھ دیر چپ رہی پھر چائے کا گھونٹ لینے لگی۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا تھا۔ میں تو یونہی...... عائشہ بوا اچھی چائے بناتی ہے نا؟ کہتے ہیں پردیس میں غیر بھی اپنا بن ہی جاتا ہے۔ مجھے عائشہ بوا بہت اپنی سی لگتی ہے۔ سوچتی ہوں ان کو ساتھ لے جاؤں۔" وہ مسکرائی تھی۔ دامیان شاہ سوری جانتا تھا کہ بات یہ نہیں تھی۔ تبھی وہ بجائے کوئی جواب دینے کے خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں ان آنٹی سے ملنا چاہتی ہوں۔" لّی نے دوسری بات کا آغاز کیا تھا۔

"کن آنٹی سے؟" وہ چائے کے گھونٹ لیتا ہوا قطعاً بے خبری سے بولا۔

"تمہیں بتایا تو تھا۔" وہ اس کی لاعلمی پر قدرے حیرت سے بولی۔

"اوہ ہاں، تو کب جا رہی ہیں آپ ان سے ملنے؟" وہ فون پر کوئی مطلوبہ نمبر تلاش کرتا ہوا بولا۔

"ابھی یہ طے نہیں کیا۔" وہ بولی۔

"اب آپ پوچھنا چاہیں گی؟" دامیان نے اس کی خاموشی میں معنی ڈھونڈنے چاہے۔

"کچھ خاص نہیں کہنا تھا۔ مجھے آج ماحول میں عجیب سی خاموشی محسوس ہوئی سو......"

"اس خاموشی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟" دامیان نے دریافت کیا۔

"معلوم نہیں مگر کوئی عجیب سی چپ ہے۔ جیسے یہ چپ بہت کہنا چاہتی ہے۔ کوئی اسرار تو ہے۔" لّی میک بولی۔ دامیان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"دامیان ایسا ہے یا صرف مجھے ہی لگتا ہے؟"

"کیا لگتا ہے؟" وہ سرسری انداز میں بولا۔ وہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ جیسے اس کے چہرے کو بغور پڑھنا چاہتی ہو۔ "آپ نے ٹھان لی ہے کہ اس مشن پر جان و دل سے ڈٹ کر سراغ لگانے کی پوری کوشش کریں گی؟" دامیان سوری نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ مگر وہ نہیں مسکرائی۔

"مجھے بھی کچھ چیزیں بہت الجھا رہی ہیں دامیان۔" اس کی نیلی آنکھوں میں کئی الجھنیں تھیں۔

"آپ کیوں اتنی مشکل ہوتی جا رہی ہیں؟ چیزوں کو ہلکے انداز لینا شروع کر دیں۔ خیر کیا الجھاتا ہے آپ کو؟" دامیان نے اس کی تمام سوچوں کو جیسے رد کرنا چاہا۔

"تمہیں لگتا ہے میں مشکل بن رہی ہوں؟" وہ اپنے پر لگائے الزام کو جیسے رد کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

"لّی میک! آپ پر ایک اثر ہوا ہے اس زمین اور ہوا پانی کا۔ آپ بہت دیسی انداز میں سوچنے لگی ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی مجھے آپ میں اور اناہیتا بیگ میں کوئی فرق ہی......" وہ روانی سے کہتے کہتے یک دم چونک کر رکا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ٹیبل کی سطح سے چائے کا کپ اٹھایا اور جیسے خجالت مٹانے کو گھونٹ لینے لگا تھا۔ لّی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ اناہیتا بیگ کا نام لیتے ہوئے اس نے اسے ایسے کبھی خجل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ انداز جیسے "چور" تھا۔ کیا وہ اس کی چوری پکڑ رہی تھی؟

"تم اناہیتا بیگ کا نام لیتے لیتے رک کیوں گئے؟" وہ جانے کیوں پوچھے بنا نہیں رہی۔

"تمہاری دوست ہے نا وہ؟" بغور جانچتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ مگر تردید یا تصدیق۔ اس کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

"اور میں؟" سوالیہ نظریں دامیان شاہ سوری کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"کیا تم......؟" وہ چونکا۔

"اناہیتا تمہاری دوست ہے؟"

"تم کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو آج لّی میک؟" دامیان نے جتایا۔

"یہ میرے سوال کا جواب ہے؟" وہ بضد تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا جانے کیوں...... یا پھر وہ صورت حال کو کنٹرول میں رکھنے کے جتن کر رہا تھا۔

"میں سوچ کر حیران ہوں کہ آج آپ کو ہوا کیا ہے؟ ایسے سوال کیوں پوچھ رہی ہیں آپ؟" دامیان نے جیسے صاف دامن بچانا چاہا۔

"تم یقیناً یہ نہیں سوچ رہے دامیان شاہ سوری۔" وہ اسے جھٹلا رہی تھی۔

"تو پھر؟" وہ لب بھینچ کر اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"آج اتنی زیادہ وضاحتیں مانگنے کا خیال آپ کو کیسے آ گیا؟"

"کوئی وضاحت نہیں ہے۔ میں صرف جاننا چاہتی تھی مگر مجھے لگتا ہے تمہارے پاس میرے کسی سوال کے لیے کوئی جواب نہیں ہے۔" وہ جیسے مایوس ہوئی۔

"آپ کو نہیں لگتا آپ باتوں کے حل اپنے طور پر ڈھونڈ رہی ہیں؟ اپنی سوچ کے بل بوتے پر؟ جس نقطے سے آغاز کریں گی اس کا انجام ہی بنا پر رہے گا۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ آغاز کہاں سے اور کیسے کرنا چاہتی ہیں۔" وہ اس سے نظریات بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ کو نہیں لگتا آپ مجھے الجھا رہے ہیں؟" لّی جانے کیوں مسکرائی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں لاتعداد جگنو چمکنے لگے تھے۔ مگر یک دم ان نیلی آنکھوں کی جگہ دو گہری بھوری آنکھوں نے لے لی اور دامیان کی آنکھوں نے جھپکنا گوارا نہیں کیا تھا۔ پھر یک دم وہ اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر یکسر لاتعلق بن گیا۔

"تم اس طرح اچانک خوف زدہ کیوں ہو گئے؟"

"نہیں!" وہ اس سے زیادہ نہیں کہہ سکا۔

"تم نے ایسا کیا دیکھا میری آنکھوں میں؟" لّی میک الجھی۔

"لّی میک! آج تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم بہت عجیب باتیں کر رہی ہو۔" وہ اٹھ کر چلتا ہوا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

لّی میک اٹھی اور اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"دامیان سوری! مجھے تم سے کچھ پوچھنے کا حق نہیں ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے تھے میں الجھ رہی ہوں۔ میں آرام کرنے اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ آپ اگر اپنی چائے ختم کرنا چاہتے ہیں تو یہاں بیٹھ کر ختم کر سکتے ہیں مگر جانے سے پہلے عائشہ بوا کو ضرور آگاہ کر دیجیے گا تاکہ وہ دروازہ لاک کر دیں۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دامیان شاہ سوری نے چند لمحوں تک وہیں رک کر اسے جاتا ہوا دیکھا تھا۔ پھر تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل آیا۔

پارسا نے کوئی دسویں بار اپنے فون پر آنے والے اس پیغام کو پڑھا تھا۔ اسے یقین نہیں ہوا تھا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ دل آج اک عجب ڈھنگ سے دھڑک اٹھا۔ وہ اپنی دھڑکنوں کو کوئی عنوان دینے سے قاصر رہی تھی، وہ تیار ہونے لگی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر لبوں پر لائٹ پنک لپ اسٹک لگاتے ہوئے ایک بار دھیان میں آیا تھا کہ اس کا نمبر ملائے اور پوچھے کہ اس سے کیوں ملنا چاہتا ہے یا پھر یہ پیغام اس طرف سے ہے یا محض کوئی غلطی سے کیا جانے والا پیغام؟ مگر جیسے یہ کوئی خواب تھا تو وہ اسے توڑنا نہیں چاہتی تھی تبھی تیار ہو کر نکل آئی تھی۔ بتائے گئے ریسٹورنٹ میں پہنچ کر اس نے دیکھا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ مگر وہ ایک ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ جس سے اندر آنے والے ہر شخص کو بآسانی دیکھ سکتی تھی۔

اس نے آج بہت دنوں بعد وہ پنک کلر پہنا تھا۔ کوئی خوش گمانی نہیں تھی یا شاید اس نے قصداً ایسا نہیں کیا تھا۔ مگر اب دھیان آیا تھا تو اسے کس قدر شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

"اے گلابو! وہاں کنوئیں کے پاس کیوں کھڑی ہو؟ ڈوب کر مرنے کا ارادہ ہے کیا؟" ایک آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

"میں کیوں ڈوب کر مرنے لگی؟ مریں میرے دشمن۔ تین پیپرز میں صرف فیل ہی ہوئی ہوں نا۔ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اور بائے دا وے آپ کون ہیں اور مجھے گلابو کیوں بلا رہے ہیں؟" وہ اک تمکنت سے بولی تھی۔

"تم جیسی پینڈو پر یہی نام سوٹ کرتا ہے نا۔ اتنی گرمی میں یہ بھڑکتا رنگ کوئی پینڈو ہی پہن سکتا ہے نا؟" وہ غالباً اس کا مذاق بہت دھڑلے سے اڑا رہا تھا۔ وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"پینڈو ہوں گے آپ۔ کیمبرج میں پڑھتی ہوں میں۔ تو کیا ہوا تین پیپرز کلیئر ہوئے؟ یا پھر گلابی رنگ پہنتی ہوں تو میرا پسندیدہ رنگ بھی تو ہو سکتا ہے نا؟ آپ کو کیوں اعتراض ہو رہا ہے؟ ہمت بھی کیسے ہوئی آپ کی مجھے پینڈو کہنے کی؟ ابھی اپنی برٹش انگلش بولوں گی نا تو آپ کو بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔ آئے بڑے کہیں سے..... سادگی بھی کوئی چیز ہے۔ مگر آپ جیسے کتنے لوگ ہیں جو تنگ نظری کے ساتھ جیتے ہیں اور لبرل ازم کا ڈھونگ کرتے ہیں۔ اتنے ہی شہری ہیں آپ تو اس دیہات میں کیا کر رہے ہیں؟ سب سے بڑھ کر ہماری حویلی میں کیوں گھس آئے ہیں؟" وہ فرفر بول رہی تھی۔ شاید اسے متاثر کرنا چاہتی تھی یا رعب جمانا چاہتی تھی مگر وہ قطعاً متاثر دکھائی نہیں دیا تھا۔ الٹا مسکرا رہا تھا۔ "میرے ابا کو جانتے ہیں آپ؟ دو کانوں کے بیچ میں سر کر دیں گے آپ کا۔ یہ جو دانت چناچٹ چمک رہے ہیں نا، سارے منہ سے باہر ہوں گے۔ چوہدری شہباز کی بیٹی ہوں میں۔ نام سنا ہے؟ بڑے آئے کہیں سے شہری۔ میرے ابا کی مرضی کے بنا اس حویلی میں تو کیا سو کوسوں تک کوئی پرندہ پر نہیں مارتا۔ آپ کس کھیت کی مولی ہیں؟" وہ اب خاندانی پس منظر کا رعب ڈال رہی تھی۔

''وہ کسی کھیت کی مولی نہیں ہوں میں۔ بندہ بشر ہوں آزاد فضاؤں سے آیا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا چپے چپے پر بندوں کا راج ہے اور قدم قدم پر سلطنت کے اندر سلطنت ہے۔ آپ کے گاؤں میں لوگ اور سانس کیسے لیتے ہیں گلابو؟ مجھے تو لگتا ہے سانس بھی آپ کے ابا کی اجازت مانگ کر لیتے ہوں گے نا؟'' وہ جیسے مذاق اڑا رہا تھا۔ اس کا چہرہ تپ گیا تھا۔ گال شدت ضبط سے سرخ ہو گئے تھے۔ اپنی بڑی آنکھیں پھیلا کر اسے گھورا تھا۔

''اپنی شکل دیکھی ہے۔ کوے جیسی ناک ہے۔ ہاتھی جیسے کان ہیں، کسی سرکس سے بھاگ کر آئے جوکر لگتے ہیں آپ۔ آئے بڑے کہیں کے شہری۔ شہری کم اور آسٹریلین طوطے زیادہ لگتے ہیں۔ پڑھنے کا سلیقہ تو ہے نہیں۔ چلے ہیں دوسروں پر تنقید کرنے۔'' وہ تپے ہوئے چہرے کے ساتھ بولی تھی۔ وہ بُرا ماننے کے اس کے چہرے کو بغور دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔

''آپ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' تپ کر تمکنت سے پوچھا تھا۔

''دیکھوں کیا؟'' وہ اس لڑکی کو دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔ ''میں نہ آتا تو تمہارا پکا ارادہ خودکشی کا تھا نا؟'' ستانے لگا تھا۔

''میں کیوں خودکشی کرتی؟ مریں میرے دشمن۔ میں تو جھک کر پانی کی سطح دیکھنے لگی تھی۔'' اس نے صاف انکار کیا تھا۔

''ڈیل ہونے کا ارادہ تھا؟ تت تت تت۔'' وہ ہنسا تھا۔ ''ضرور سارا دھیان ٹی وی ڈراموں پر ہوگا۔''

''آپ کو کیسے پتا چلا؟ اندھیرے میں تیر چلانا خوب جانتے ہیں آپ۔ مگر میں اسٹیٹ اتنا بڑا نہیں کہ سیریلز دیکھوں۔'' وہ اترائی تھی۔ غالباً خود پر لگایا جانے والا ''پینڈو'' کا لیبل اسے قطعاً نہیں بھایا تھا اور سارا زور اس ایک لیبل کو ہٹانے پر تھا۔

''تو پھر کیسے اور کیوں ہوئیں آپ؟'' وہ کریدنے لگا تھا۔

''ہو گئی، مرضی میری۔ آپ کو کیا؟ اپنے کام سے کام رکھیں۔ زیادہ ڈیڑھ ہوشیار بننے کی کوشش نہ کریں۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ نہ جان نہ پہچان اور چلے ہیں مجھے لیکچر دینے...... کیوں سنوں میں آپ کی؟ کیا اماں ابا کی اور بھیا کی ڈانٹ کم کھائی ہے؟ ابا آکسفورڈ سے پڑھے تھے۔ بھیا ہارورڈ گئے، ڈگری لے آئے۔ اب مجھ سے تو قعات بڑھا ہیں خوامخواہ۔'' وہ چھوٹی سی ناک چڑھا کر بولی تھی۔ وہ لڑکی بلاشبہ دلچسپ تھی اور خوب صورت بھی۔

''گلابو! سب سے مشکل کیا لگتا ہے؟''

''بارش میں مینڈک پکڑنا۔ اتنی تیزی سے پھدک جاتے ہیں، ہاتھ ہی نہیں آتے۔ پچھلی بار میں نے نمرہ نے دو کوس تک ان کے ساتھ دوڑ لگائی تھی اور پھر پیپل کے پیڑ پر جھولا جھولتے ہوئے تادیر ہنستے رہے تھے۔ بارش میں جھولا جھولنے کا الگ ہی ایک مزا ہے۔ کچی اور ختوں سے جنگلی بیریاں توڑ کر کھانا اور وہ بھی چوری چوری۔ بڑا مزا آتا ہے آپ نے کبھی ایسا کیا ہے جو پتا ہو؟'' وہ اس پر غالباً افسوس کر رہی تھی۔

''میں مضامین کی بات کر رہا ہوں۔ بارش میں زکام ہونے والے مینڈکوں کی نہیں۔'' وہ لڑکی اپنی اوٹ پٹانگ تو کبھی تھی یا وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔

''اوہ! تو پہلے بتایا ہوتا۔ گول گول جلیبی جیسی تو باتیں کرتے ہیں آپ اور سارا الزام پھر مجھ پر دھر دیتے ہیں۔ مجھے حساب بالکل اچھا نہیں لگتا۔ اکاؤنٹس سے تو میری بنتی ہی نہیں۔ مینجمنٹ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ اکنامکس، اُف اتنا خشک مضمون بنانے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی؟ دنیا بارٹر سسٹم پر ہی چلتی رہتی تو کسی کا کیا بگڑ جاتا کیا؟'' اسے ویسے آسانیاں درکار تھیں۔

''آپ کو کوئی دلچسپی نہیں تو پھر کیوں پڑھنا چاہتی ہیں یہ مضامین؟ آسان مضامین لیں۔ ہائیو پڑھیں، ہسٹری یا نازک لڑکیوں والے مضامین۔ ناک نہ ڈبوئیں اپنے آکسفورڈین ابا اور ہارورڈ پڑھے بھائی کی۔'' ایک نصیحت ہوئی تھی۔

''میں تو چاہتی ہوں ہوم اکنامکس پڑھنا مگر ابا کو بھی ضد ہے۔ خیر اتنی کند ذہن تو نہیں ہوں، ذرا دماغ لگا کر پڑھوں تو اچھا خاصا رزلٹ لا سکتی ہوں۔'' وہ جتا رہی تھی، وہ مسکرا دیا تھا۔

''پینڈو کی پینڈو ہی رہیں گی آپ۔ ایک دم گنوار۔''

''کیا کہا آپ نے؟'' شستہ برٹش لہجہ متاثر کن تھا۔ وہ غالباً متاثر ہوا تھا مگر جتایا نہیں تھا۔ وہ سادہ لوح سی تھی اور اسے چھیڑنے میں اسے لطف آ رہا تھا۔

''گلابو...... گلابو......!'' اماں کی آواز کہیں دور سے آئی تھی۔ وہ یک دم چونکی تھی اور چونکا تو وہ بھی تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ فرار ہوتی ایک جست میں آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔ اسے جیسے یک دم کوئی کرنٹ سا چھو گیا تھا۔ غصے سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''ہاتھ چھوڑو۔'' سختی اور تمکنت، وہ اس پر رعب جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''گلابو؟ تمہارا نام گلابو ہے؟'' وہ جاننے پر مصر ہوا تھا۔ وہ الجھی نظروں سے دیکھنے لگی اور ساتھ ہی کلائی اس کی گرفت سے جھٹکے سے نکال لی۔

''پاگل ہوئے ہو، میرا نام کیوں ہونے لگا گلابو؟''

''مگر ابھی کسی نے تمہیں گلابو کہہ کر بلایا؟'' وہ بولا تھا۔

''ہاں وہ میری اماں ہیں۔ میری رنگت کی وجہ سے مجھے گلابو بلاتی ہیں۔ ویسے گلابو میرا نام نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا ہے؟'' وہ جاننے کا متمنی ہوا تھا۔

''پارسا...... پارسا چوہدری...... آئندہ ہاتھ پکڑنے کی گستاخی مت کرنا۔ سر قلم کروا دوں گی۔'' ہاتھ اٹھا کر دھمکی دی اور پھر حویلی کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔

''پارسا چوہدری؟'' کوئی آواز اسے خیالوں سے یک دم ہی گھسیٹتی ہوئی باہر کھینچ لائی تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا تھا۔

وہ اس کے پاس کھڑا تھا؟ مدت بعد اتنے قریب...... وہ پل رائیگاں جانے کو تھا۔ وہ بُت سی بنی اسے دیکھے گئی۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ تبھی وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتی ہوئی کچھ بولنے کا قصد کرنے لگی تھی تو وہ بول پڑا۔

"آپ کہیں کسی ڈیٹ پر جارہی ہیں آپ؟ یہ مس گلابو بن کر آنے کی کیا ضرورت تھی؟ اپنے پَر
سے باہر نہ آنے کی قسم کھار کھی ہے آپ نے۔" وہ اسے لتاڑ رہا تھا۔ وہی زخم دینے والا لہجہ تھا۔ بے
پروا۔ جیسے سرے سے کوئی جان پہچان بھی نہ ہو۔

"یلماز کمال آپ......!"

"اتنی پسند آرہی تھی تو وہیں گھر قیام کیا ہوتا آنا اتنا ضروری بھی نہیں تھا۔" وہ وار کرنے میں اپنا ثانی
رکھتا تھا۔

پارسا چوہدری اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میری خواب دیکھنے کی عمر گزر چکی ہے یلماز کمال، میں یہاں خواب بُننے نہیں آئی آپ کی فضول ب
سننے آئی ہوں۔ آپ مدعا بتایئے اور اپنا رستہ ناپیے۔" وہ اک پل میں وہی فطری پارسا تھی۔ نڈر اور بے ا
وہ بجائے بُرا ماننے کے مسکرا دیا۔

"گلابو کا غصہ ابھی بھی ناک پر رہتا ہے۔ یہ پنک کلر کیا کسی پہلی واردات کی یاد منانے کو پہنا ہے؟"

"آپ کو اس سے مطلب؟ آپ یہاں آنے کا مدعا بتائیں گے......" پارسا نے قطعی لگی لپٹی رکھے
کہا۔ وہ بغور دیکھنے لگا۔

"کچھ بھی کہے مگر ایک شعلہ سا بھڑکا دیا آپ نے آج گلابو۔" کوئی بھولی بسری یاد واقعی تازہ ہوئی تھی
مذاق کر رہا تھا۔ پارسا چوہدری نے ایسا جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھنے
گریزاں تھی۔ نظریں اطراف میں گھوم رہی تھیں۔ غالباً وہ پرسکون نہیں تھی یہاں بلائے جانے پر اور اس
ساتھ بیٹھنے پر۔

"ایک بات بتاؤ گلابو! کیا کسی دبی راکھ میں کوئی چنگاری اب بھی باقی ہے کہ نہیں؟" وہ کیا جاننے
ہو رہا تھا۔ وہ حیران ہوئی۔

"دماغ خراب ہے آپ کا۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ یہی سب پوچھنے کو بلایا ہے؟" وہ اکھڑ
انداز میں بولی۔

"میری ایک آواز پر دوڑی چلی آئی ہو گلابو! تو کچھ تو ہے۔" وہ شاید اسے زچ کر کے لطف اندوز
تھا۔ وہ بنا کچھ کہے لاتعلق سی بن گئی۔ نظروں کا زاویہ پھیر لیا۔ تبھی یلماز کمال نے ایک پیکٹ نکال کر اس
سامنے میز کی سطح پر رکھ دیا۔

"یہ چاچی نے بھیجا ہے تیرے لیے۔"

"اماں نے......" وہ چونکی تھی۔ پیکٹ تھاما جیسے اس ایک لمس کو محسوس کیا ہو جو اس پیکٹ کو چھو کر آیا
آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں ایک دم ہی۔ یلماز کمال کو غالباً اس سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ تبھی اس
ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا مگر وہ بدک گئی تھی۔ شعلہ برساتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"آج جو کچھ بھی ہے تمہارے باعث ہے یلماز کمال۔ میں نے اپنا ہر رشتہ کھویا ہے، صرف تمہا
باعث۔ تم نے مجھے جیتے جی مار دیا، سب کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی۔ اب مجھ سے کوئی ہمدردی کر

کوشش کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا۔ وہ لب بھینچ
کر اپنا ہاتھ کھینچ کر لاتعلق سا بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں صرف مظلوم بننے کا موقع چاہیے۔ یہ مگرمچھ کے آنسو بچا کر رکھو، کسی اچھے وقت میں کام آئیں
گے۔ مجھے اتنی فرصت نہیں کہ تمہیں ہمدردی دوں۔ کرنے کو بہت کام ہیں۔ تجھے یہ پیکٹ دینے کو یہاں بلایا
تھا ڈیٹ کرنے نہیں۔ خوش فہم ہو جانا تیری پرانی عادت ہے اور الزام دوسروں پر لگاتی ہے۔ چینیز کی پینڈو ہی
رہو گی۔ دکھاوے کے آنسو بہا کر ارد گرد کے لوگوں کو خوامخواہ متوجہ کر رہی ہو، کچھ سیکھو۔" وہ کڑوی کسیلی بے نقط
سنا رہا تھا۔ وہ پیکٹ سینے کے ساتھ بھینچ کر اٹھی اور چپ چاپ وہاں سے نکل آئی۔ یلماز کمال نے گردن موڑ کر
اس طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

❁......❁......❁

کچھ طبیعت سنبھلتے ہی اس نے آفس دوبارہ سنبھال لیا۔ سارہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"ابھی آپ کے ہاتھوں کی مہندی اتری نہیں اور آپ آفس بھی آگئیں؟ معارج تغلق کو یقیناً برا
لگے گا نا؟"

"بکو مت......" انایا نے گھورا۔ سارہ مسکرا دی۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟ مجھے اور اسٹاف کو بہت فکر تھی۔ دراصل ہم آنا بھی چاہتے تھے مگر پھر کچھ
عجیب لگا۔ تم اپنے گھر ہوتیں تو ٹھیک تھا مگر وہاں "تغلق محل" آنا ہمیں کچھ اچھا نہیں لگا۔" سارہ صاف گوئی
سے بولی۔ "کافی کمزور لگ رہی ہو۔ تمہیں کچھ دن مزید آرام کرنا چاہیے تھا۔" سارہ کو اس کی فکر ہوئی تھی۔

"نہیں! میں ٹھیک ہوں۔ میں جانتی ہوں کام کو پہلے ہی کافی حرج ہو چکا ہے۔ اس لیے چلی آئی۔ تم
تمام فائلز میرے کمرے میں پہنچا دو۔ مجھے ایک ارجنٹ ٹیم میٹنگ بھی چاہیے۔ نوٹس جاری کر دو۔" وہ کہہ کر
اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

فائلز دیکھتے ہوئے ذرا دیر نہیں گزری تھی جب موبائل اسکرین پر معارج تغلق کا نمبر ابھرا تھا۔ اس نے
دیکھا ان دیکھا کر دیا تھا اور فون کو سائلنٹ پر لگا دیا۔ جانے اس نے کتنی دیر تک اور کتنی بار ٹرائی کیا تھا۔ اس
نے دوبارہ نوٹس نہیں لیا۔ تمام ضروری فائلز دیکھنے کے بعد اور میٹنگ نمٹانے کے بعد وہ اکاؤنٹ کے مسٹر
افتخار سے کچھ ضروری امور پر بات کر رہی تھی تبھی معارج تغلق آگیا۔ وہ اس کا مزاج جانتی تھی۔ کوئی بدمزگی
کسی کے سامنے نہیں چاہتی تھی۔ تبھی مسٹر افتخار کو بات سمیٹتے ہوئے باہر بھیج دیا اور معارج تغلق کی سمت
دیکھا۔ جو قدرے فاصلے پر کھڑا اس کے غالباً فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ مسٹر افتخار کو باہر جاتے دیکھ کر وہ
آگے آیا۔ یا وہ اس سے خوف زدہ تھی۔

وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ سر جھکائے فائل دیکھ رہی تھی یا محض دھیان بٹانے کا انداز تھا۔

"فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں آپ؟" اس نے دریافت کیا۔

"یہاں فارغ نہیں ہوں میں۔ کرنے کو بہت کام ہیں۔" وہ جتانا چاہتی تھی کہ معارج تغلق کو وہ کوئی
اہمیت نہیں دیتی۔ معارج تغلق کے چہرے کی کیفیت بہت پرسکون تھی۔ غالباً وہ کوئی تاثر چہرے سے ظاہر

کرنا نہیں چاہتا تھا۔

”ایک کال پک کرنے میں کتنا ٹائم لگتا ہے؟“ وہ جاننے پر بضد ہوا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”انا نیا ملک! آپ ٹھیک نہیں کر رہیں۔“ بہت سکون سے کہا۔

”کیا غلط کیا ہے میں نے؟“ وہ سر اٹھائے بنا بولی۔

”آپ جانتی ہیں۔“ وہ دونوں ہاتھ میز کی سطح پر ٹکا کر قدرے جھک کر بولا۔

”آپ کو ہر بات اپنی انا پر ضرب دیتی ہوئی کیوں لگتی ہے؟“ انا نیا ملک نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ سر اٹھا کر اس کی جانب نہیں دیکھے گی۔ وہ بغور فائل کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے دنیا کی اہم ترین فائل وہی ہو۔ معارج تغلق کو کسی قدر الجھن ہوئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر فائل اس کے ہاتھ سے لے لی تھی اور بغور دیکھنے لگا تھا۔ انا نیا ملک کے لیے اس کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

”آپ کو کیوں لگتا ہے کہ آپ دنیا کے اہم ترین انسان ہیں اور آپ کو بہت اہمیت ملنی چاہیے؟“ وہ بولے بنا نہیں رہ سکی تھی۔ وہ مطمئن سا مسکرا دیا۔

”مجھے سکوت کو توڑنا آتا ہے انا نیا تغلق! آپ کتنی بھی دیوار اٹھا دیں گی، مجھے پل میں زیر کرنا آتا ہے۔“ وہ اپنی اہمیت جتا رہا تھا۔ مگر انا نیا شاید مرعوب ہونا نہیں چاہتی تھی۔

”آپ کو بہت زعم ہے؟“ معارج تغلق نے اس کی جانب دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ ”زعم نہیں ہے، خود شناسی ہے۔ میں اپنے آپ کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ میں جو بھی چاہوں کر سکتا ہوں۔ میرے لیے ناممکن لفظ گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ اگرچہ کل اختیار نہیں تو کچھ اختیار تو رکھتا ہی ہوں۔“ وہ تن کر کھڑا تھا۔ انا نیا ملک کو ایسے لوگوں کی موجودگی میں کوفت ہوتی تھی اور اب بھی اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ فائل اس کے ہاتھ سے لے کر دراز میں رکھی اور پھر بیگ کندھے پر ڈال کر اس کی سمت دیکھا۔

”میرا دم گھٹتا ہے آپ کی دقیانوسیت پر۔ آپ کو ضرورت ہے اپنے سے باہر آنے کی۔“ وہ اس کی پر تنقید کرتی ہوئی بولی۔ مگر وہ برا مانے بنا مسکرا دیا۔

”تمہاری دنیا میں آنے کی ٹھانی تو تھی ایک بار، مگر تم نے سماجی قدغن لگا دی۔ جتا دیا کہ رسمیں اہم ہیں اور رواداریاں نبھانا ضروری ہے۔ اصل میں تم وہ ہو جس نے میرے جذبات پر ضرب لگائی اور پھر بے پروا ہو گئیں۔ آج جو تم اور میں اس طرح مقابل کھڑے ہیں تو اس کا باعث تم ہو۔ تم آتیں میرے پاس، نہ آتیں تو یہ قصہ شروع ہی نہیں ہوتا۔“ وہ سارا کا سارا الزام اس پر ڈال رہا تھا۔ وہ اسے اطمینان سے دیکھ رہی تھی۔

”تم نے چنگاری سلگائی، آنچ دی اور ہوا بھی اور جب آتش بھڑکی تو سماجی حد بندیوں کا واویلا کر دیا۔ کیا ضرورت تھی پاس آنے کی اگر سب باتوں کی اتنی ہی فکر تھی؟“ معارج تغلق کو جیسے آج بھی قلق تھا۔

”آپ کے پاس کوئی ہوا دینے نہیں آئی تھی میں۔ نہ ہی آتش بھڑکانے۔ ہمیشہ جتایا آپ کو کہ آپ حدود میں رہیں، مگر وہ آپ ہی تھے جو اختیار سے باہر ہو رہے تھے معارج تغلق اور آج ہم تن کر آمنے سامنے کھڑے ہیں تو ہاں، یہ میرے ہی باعث ہے۔ اگر اس روز میں آپ کی مدد نہ کرتی تو شاید آپ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی اہلیت بھی کھو دیتے۔ میرا قصور کیا تھا، صرف آپ کی بروقت مدد.....؟“ وہ احسان جتانا

نہیں چاہتی مگر بتانا چاہتی ہوں کہ آپ اکثر غلط ہوتے ہیں اور غلطی پر ہوتے ہیں۔“ انا نیا ملک کو حساب بے باق کرنا سکھا دیا تھا معارج تغلق نے۔ وہ اس کے سامنے کھڑی اس کی غلطیاں گنوا رہی تھی تو یہ اس کی ہمت ہی تھی۔

”خیر! میں اس آپس کے معاملے کو آفس میں کھڑے ہو کر ڈسکس کرنا نہیں چاہتی۔ یہ جنگی علاقہ نہیں ہے سو کسی جنگی مشق کے لیے بھی جگہ نہیں۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھی تھی۔ معارج تغلق نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑی۔ وہ سر اٹھا کر پُر احتجاج نظروں سے اس کی ہمت دیکھنے لگی۔

”کیا ہے یہ؟“ اس نے خوف زدہ ہوئے بغیر پوچھا۔

”آپ نے کس کی اجازت کے ساتھ آفس جوائن کیا؟“ وہ مدعے پر آیا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔ ”مجھے اس کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت ہے؟ میری زندگی ہے، میرا آفس ہے۔ دو دن بیمار ہو گئی تو کیا سب چھوڑ دوں گی؟ اس سب سے دست بردار ہو جاؤں گی؟“ وہ حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ اب تک اس کے ہاتھ میں تھا اور نظریں سرد برف سی اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”یہ بزنس آپ مسز تغلق بننے سے پہلے کرتی تھیں۔ ہماری فیملی میں ایسے چھوٹے موٹے بزنس کرنے کا رواج نہیں۔ عورتوں کے کرنے کے کئی اہم کام ہیں۔ اگر آپ کو کچھ کرنا ہے تو وہ آپ کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔“ اس نے جتایا تھا۔ وہ اسے کم حیثیت ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ اس کے بزنس کو چھوٹا کم تر قرار دے رہا تھا۔ اسے اس کی ذہنیت پر بہت ملال ہوا اور آنکھوں میں نمی بھر گئی۔

”میں اتنی کم حیثیت تھی، برابری کی نہیں تھی تو کیوں رشتہ بنایا؟ وہ بھی جبر کا اور زبردستی کا....؟ بغیر میری اجازت مانگے کیوں منسوب کیا میرا نام اپنے ساتھ؟“ اس کا دل بھر آیا۔ کئی آنسو آنکھوں سے چھلکنے کو تھے۔ معارج تغلق نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کی نمی انگلیوں کی پوروں پر چن لی۔ کیا اسے دکھ دے کر رلا کے کوئی خوشی ملی تھی؟ کوئی اطمینان ملا تھا؟

”غلطی ہو جاتی ہے نا! بس ہو گئی، کیا کروں اب؟“ وہ مسکرایا۔

کتنا بے حس تھا وہ۔ نہ کوئی ملال، نہ کوئی پچھتاوا۔

”سوچا تھا غلطی کا ازالہ کر دوں۔ مگر ممی پاپا تمہیں لے آئے۔ مجھے تو ایک بس ملاقات چاہیے تھی، تم گلے پڑ گئیں۔ اب یہ رشتہ وہ جو حلق میں اٹک گیا ہے۔ نہ نگل سکتا ہوں نہ اُگلا جاتا ہے۔ کبھی تو شادی بیاہ کے چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ مگر تم بھی تو ضد پر اڑی تھیں۔ معاشرتی اقدار اور مشرقیت کا رونا ایسا رویا کہ یہ قدم لینا ہی پڑا۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

”اگر غلطی کو سمجھتا ہی ہے تو اس میں کوئی شرط نہیں ہو سکتی۔ جھیلنا ہے تو جھیلنا ہے۔ پاپا اور ماما کا احترام فرض ہے اور میں ان کی حکم عدولی آج تک نہیں کر سکا۔ سوچا ہے اب نفرت کروں یا کوئی واسطہ رکھنا نہ بھی چاہوں مگر دنیاداری بھی تو نبھانا ہے...... رو کر نبھاؤ یا ہنس کر۔ غلطی تو میری ہی ہے۔“ معارج تغلق کی نظروں میں کوئی مروت نہیں تھی۔ اس سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھی تو وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولا۔

"اب کوئی مزید ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا۔ آپ کو میرے ساتھ جانا ہے۔ اپنی گاڑی یہیں رہنے دیں۔ بعد میں ڈرائیور کو بھیج کر منگالیں گے۔"

"مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔" وہ آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

"جانا تو پڑے گا، میں نے مطلع کیا ہے، اجازت نہیں مانگی۔" اس نے جتایا۔

"میں آپ کی پابند نہیں، مجھ پر رعب مت جمائیں۔ آپ کی رعایا نہیں ہوں۔" وہ دبنا نہیں چاہتی تھی۔

"بیوی تو ہونا!" اس نے جتایا۔ آنکھوں میں ایک چمک، لبوں پر ایک دھیمی سے مسکراہٹ جیسے وہ مطمئن تھا۔ اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر...... اسے تو نا دیکھ کر سکون ملا تھا۔

"بیوی یائی فٹ!" وہ تمکنت سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

معارج تغلق نے پیش قدمی کی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اس نے رک کر سارہ کو ہدایت کی تھی پھر آفس سے باہر نکل آئی۔

"اب پھر برا مانو گی مگر مجھے اپنی بیوی کا لوگوں کی شادیاں کروانے کا کام بالکل پسند نہیں۔" اسے چڑا رہا تھا۔

"شادیاں کروانا کام نہیں ہے۔ اسے ایونٹ منیجمنٹ کہتے ہیں۔ میری کمپنی ایونٹ آرگنائز کرواتی ہے خواہ وہ شادی ہو، یا کچھ اور...... یہ معمولی کام نہیں ہے۔" وہ تلخ ہو کر بولی تھی۔

پارکنگ ایریا میں پہنچ کر اس نے گاڑی کا دروازہ پہلے ہی اس کے لیے کھول دیا تھا۔ وہ اس کی حرکت پر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر گاڑی کی سمت بڑھ گئی۔

"میں نے آفس میں کوئی تماشا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے آپ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ رہی ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کوئی دباؤ قبول کر رہی ہوں۔ یا مرعوب ہو رہی ہوں۔" ساتھ ہی جتایا بھی تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

"اچھا کر رہی ہیں جو مرعوب نہیں ہو رہیں۔ امن قائم کرنے کی کوشش پر شاید کوئی نوبل پرائز مل جائے آپ کو۔ بہت عظیم کام کر رہی ہیں نا آپ۔" اس نے گاڑی پارکنگ سے نکالی۔

جانے کیا ہوا تھا کہ وہ جو اتنی مضبوط نظر آنے کے جتن کر رہی تھی یک دم ہی ہمت کھو بیٹھی تھی۔ آنسو اس تواتر سے بہہ رہے تھے کہ وہ کوئی بندھ نہیں باندھ سکی۔ وہ اس کی سمت سے رخ پھیرے آنسو بہا رہی تھی۔

"معارج تغلق نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے بغور دیکھا۔

"اب کیا ہوا؟" مگر کوئی جواب نہیں آیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ اتنی موسلا دھار بارش کس خوشی میں؟" معارج تغلق کو غالباً فکر ہوئی۔ "نا تیر مارا، نا کوا پھر اتنا ڈھیر سارا غم اور صدمہ کس بات کا پہنچ گیا۔ تم کہیں پاپا اور ممی سے مجھے بے عزت کروانے کے پلان تو نہیں بنا رہیں؟" جانے وہ مذاق کر رہا تھا یا سنجیدہ تھا۔

"مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔" وہ آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

"اس حالت میں؟" اس کی روتی صورت کی سمت اشارہ کیا۔

"مجھے بس جانا ہے۔" وہ بضد ہوئی عجیب بچوں والا انداز تھا۔

"اب سسرال سے جوتے پڑوادو گی؟ وہ کیا کہیں گے کہ اس حال میں رکھا ہوا ہے۔" اس نے کہا۔

"اتنی فکر تھی تو اپنے ساتھ کیوں لائے؟ میں چلی جاتی اپنی گاڑی میں۔" وہ بھیگی آنکھیں اٹھا کر اس کی سمت دیکھتی ہوئی بولی۔

معارج تغلق کو پہلی بار اپنا آپ ڈولتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے غالباً اس سے پہلے عورت کا یہ ہتھیار نہیں دیکھا تھا۔

صرف آنکھوں سے ہی کوئی چاروں شانے چت کر سکتا ہے۔ اس کی حقیقت ایک پل میں کھلی تھی۔ وہ قصداً نظر بچا کر ونڈ اسکرین کی سمت دیکھنے لگا۔

"مجھے ممی سے ملنا ہے۔ آپ گاڑی کا رخ موڑیں۔" اس نے حکم جاری کیا۔ معارج تغلق نے سرنفی میں ہلا کر اس کی حکم عدولی کی۔

"آپ بعد میں پھر کبھی جا کر مل سکتی ہیں۔ مگر فی الحال اس کیفیت میں ان سے ملنا مناسب نہیں۔ آپ ان سے پیار کرتی ہیں تو ان کا خیال بھی کریں گی۔ خواہ مخواہ کسی کو پریشان کیوں کرنا چاہتی ہیں؟" معارج تغلق نے سمجھایا۔

"آپ کو اس سے کیا؟ میں چاہے کسی کو پریشان کروں۔ آپ کی بلا سے......!" وہ سمجھنے کو تیار نہ تھی یا صرف اس کے مخالف جانا مقصود تھا۔

"پھر بھی...... اس کیفیت میں تو نہیں پھر کبھی آپ مل لیں خود آپ کو چھوڑ کر آؤں گا۔ آپ وہاں بہت سا وقت گزار سکتی ہیں۔" بچوں کی طرح پچکارا۔

"مجھے اس کے لیے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ گھورنے لگی۔ ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر پل بھر کو اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ایسی قاتل نگاہوں سے مت دیکھیں۔ پھر کچھ غلطی ہوگئی تو گستاخ قرار دے کر سارے کا سارا الزام میرے سر ڈال دیں گی۔" انائیہ ملک نے منہ ہی منہ کچھ بڑبڑاتے ہوئے رخ پھیر لیا تھا۔

"بات کو سمجھنے کا بہت شکریہ۔" معارج تغلق نے کہا۔ مگر انائیہ ملک نے اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

☆☆......☆☆

وہ کلاس سے تیزی سے نکل رہی تھی۔ جب ٹکراؤ دامیان سوری سے ہوگیا۔ وہ چونک کر رکی اور دو قدم آہستگی سے پیچھے ہوئی۔

نظریں نظروں سے ملیں تو یکسر سرد مہری اور اجنبیت لیے ہوئے۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی؟" دامیان سوری نے کہا۔ مگر وہ اَن سنی کرتی آگے بڑھ گئی تو دامیان سوری نے اس کی کلائی تھام لی اور وہ جیسے بچی ڈور سے بندھ گئی تھی۔ مڑ کر دامیان کی سمت دیکھا تو وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا مگر اس کی کلائی بدستور اس کی مضبوط گرفت میں تھی۔

"مجھے کوئی بات نہیں سننا ہے۔" اناہیتا بیگ قطعی انداز میں بولی۔

"تم دنیا کی بزدل ترین لڑکی ہو، میرا سامنا کرنے سے ڈرتی ہو؟"

"میرے خلاف اب آپ ایک لفظ نہیں کہیں گے۔ جب میں نے کہہ دیا کہ کوئی بات نہیں کرنا تو نہیں کرنا۔" وہ قطعیت سے بولی۔

"اناہیتا بیگ! تم ایک مشکل لڑکی ہو، تمہاری کوئی کل ڈھیلی ہے۔ علاج کرواؤ اپنا۔" وہ ہاتھ ایک جھٹکے سے چھوڑتا ہوا بولا۔

"دامیان سوری! آپ مزید میری بے عزتی نہیں کر سکتے۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے کوئی واسطہ رکھنا ہے نہ بات کرنی ہے تو کیا بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی؟" اس کا لہجہ بے گانگی لیے ہوئے تھا۔ دامیان شاہ سوری کس قدر حیران رہ گیا تھا۔ اسے اس لڑکی سے ایسی امید نہیں تھی شاید۔ دوست تھی وہ اس کی۔ کیمپس میں کتنے سال ایک ساتھ لڑتے جھگڑتے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے اور پھر ساتھ ہنستے کھیلتے گزارے تھے یہ اچانک کیسی دیوار اٹھائی تھی اس نے درمیان میں......؟

"تم مذاق کر رہی ہو ناہیتا؟" بے یقینی سے بولا۔

"آپ کو یہ مذاق لگتا ہے؟" وہ پُراعتماد انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کچھ کہہ دیا تو تم نے اتنا برا مان لیا؟ آج سے پہلے کیا تم سے کبھی کوئی جھگڑا کوئی مخالفت نہیں ہوئی۔" وہ اسے قائل کرنے کی راہ تلاشنے لگا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ میں آپ کو نہیں جانتی۔" وہ یکسر اجنبی تھی۔

"کیا؟ تم مجھے نہیں جانتیں؟" اس نے انتہائی بے یقینی سے اس کی سمت دیکھا۔

"نہیں آپ سے؟ میں آپ کو بالکل نہیں جانتی اور پلیز آئندہ میری راہ میں مت آیئے گا۔" وہ بنا کسی مروت سے بولی۔

"اناہیتا ہم دوست ہیں۔" وہ تھکے لہجے میں بولا۔

"ہم کبھی دوست تھے؟" اس کی نظریں سوالیہ انداز میں اس کی سمت اٹھیں۔

"اناہیتا! کیا بات ہوئی تھی جس کا تم اتنا واویلا کر رہی ہو؟" قائل کرنے کی کوشش کی۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب کوئی واسطہ سرے سے ہے ہی نہیں تو بات کرنے کا کیا جواز ہے؟" اناہیتا بیگ جیسے کوئی مروت باقی رکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اتنی معمولی باتوں کو تم مسئلہ بنا رہی ہو۔ کیا آج سے پہلے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہوا؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟ دوستوں میں کیا ہمیشہ سب اچھا رہتا ہے؟ کبھی کچھ غلط نہیں ہوتا؟" اس نے پوچھا۔

"ایسا دوستوں میں ہوتا ہوگا شاید مگر میں بتا چکی ہوں ہمارے درمیان کوئی دوستی نہیں۔" وہ لاتعلق دکھائی دے رہی تھی۔

"میں نے تمہیں غصہ دلایا ہے نا؟" اس نے پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ مگر تبھی وہاں للّی آ گئی۔

"دامیان! کہاں تھے تم؟ میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔"

"میں یہاں ہوں۔" وہ پلٹ کر بولا اور تبھی ان چاہا بیگ آگے بڑھ گئی۔ اس کو اپنے قدم من من بھر کے مگر وہ رکی نہیں تھی۔

□......□□......□

پارسا نے پیکٹ الماری سے نکالا اسے بغور دیکھا پھر ہاتھ کے لمس سے محسوس کیا تھا۔

"گلابو! تیرا من پڑھائی میں بالکل نہیں لگتا۔ ناک کٹوائے گی ہمارے خاندان کی۔ سارے اتنے ذہین فطین ہیں، لوگ کہیں گے یہ کس پر چلی گئی؟" اماں نے افسوس کیا تھا۔

"ماں نے فنانس پڑھا ہے بچی کی کتابوں سے ایسے جان نکلتی ہے جیسے ملک الموت بھیج رہیں ہو۔ گلابو کب تک چلے گا ایسا؟" اماں نے اس کے سر سے کمبل کھینچ دیا تھا۔

"کیا ہے اماں! سونے دو نا۔ اب ضروری تو نہیں کہ سارے پڑھاکو ہی ہوں اس خاندان میں، کوئی تو کم بھی تو ہو سکتا ہے۔ ابا نے معرکہ مارا، بھیا نے پہاڑ سر کر لیا۔ اب ضروری ہے کہ میں بھی ان کے نقش قدم چلوں۔"

"گلابو! تم محنت سے جی چراتی ہو۔ تمہارا کچھ نہیں ہونے والا۔"

"اماں! گلابو مت کہا کرو نا! ابا نے کتنا اچھا نام رکھا ہے مجھے آپ کو اچھا نہیں لگتا؟" وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

"نام اچھا ہے، مگر مجھے شروع سے ہی تجھے گلابو بلانا اچھا لگتا ہے نا۔ آئی تھی تو میری گود میں۔ ڈاکٹر تیرے گلابی گال چھپا کر میری جانب متوجہ کیا تھا۔ مجھے یاد ہے تو مسکرائی تھی اور تیرے گال تب اور بھی گلابی ہو گئے تھے۔ بس تبھی سے تجھے گلابو بلایا تھا اور اس کے بعد تو عادت ہو گئی۔" اماں مسکرائی تھیں۔

"مجھے عجیب سا لگتا ہے گلابو جیسے میں کوئی اجڈ گنوار، جاہل ہوں۔ جیسے سرے سے پڑھنا لکھنا بھی نہ آتا ہو۔" وہ بدمزہ ہوئی تھی۔

اماں نے اسے کافی تھمائی تھی۔

"تو تم کون سی کم ہو؟ پڑھو گی نہیں تو یہی ہو گا نا۔" اماں نے شرم دلائی تھی۔ وہ منہ بسورنے لگی تھی۔

"تمہارے بھیا نے تمہاری ٹیوشن کی بات کی ہے۔ اس کے دوست کا بھائی ہے۔ آج کل فارغ ہے ایگزامز کے بعد وہ تمہیں میتھمیٹکس کے لیے تمہیں ٹیوشن دے دے گا۔ اے پلس، یا اے گریڈ نہیں تو دو چار پیپرز میں بی اور سی تو آ جائے۔"

"اماں کبھی تو پڑھائی کے علاوہ بھی کوئی بات کیا کرو۔ صبح ہوتی ہے تو ابا کہتے ہیں آغاز اچھے سے ہونا چاہیے۔ دادی کہتی ہیں بیٹیاں پرائے دیسوں کی چڑیاں ہوتی ہیں۔ انہیں ڈانٹنا نہیں چاہیے۔ ایک دن اڑ جاؤں گی تو آپ ہی یاد کریں گے۔" اس نے کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے منہ بسورا تھا۔

"گلابو اب تو مجھے دھمکا مت۔ ذرا سا ڈانٹو تو فٹ سے ڈراوے دینا شروع کر دیتی ہے۔ کافی ختم کر، شاور لے کر نیچے جاؤ آج سہ پہر میں ہم سلمان کے لیے لڑکی دیکھنے جائیں گے۔" اماں نے مطلع کیا تھا۔

"سلمان بھائی کے لیے لڑکی۔ یہ کب ہوا؟ سلمان بھائی کو کوئی لڑکی پسند آ گئی؟" وہ چونکی تھی۔

"پسند نہیں آئی گلابو! ہم دیکھنے جا رہے ہیں نا۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"یعنی سلمان بھائی خود کوئی لڑکی نہیں دیکھ رہے کتنے مشرقی سے بھائی ہیں میرے۔" وہ مسکرائی۔

"بہت سعادت مند بچہ ہے میرا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ چلو اٹھو۔ باتوں باتوں میں کافی یونہی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ شاور لے کر آ نا میں ناشتا لگاتی ہوں۔ شام میں تجھے پڑھانے وہ بچہ آئے گا۔" اماں نے کمبل تہہ کرتے ہوئے مطلع کیا تھا۔

"شام کو بچہ پڑھانے آئے گا۔ اب یہ وقت آ گیا ہے کہ میں کسی بچے سے ٹیوشن لوں گی اور کیا میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جا رہی۔" وہ چونکی تھی۔

"نہیں تم دادی اماں کے ساتھ گھر میں قیام کرو گی اور اپنی ٹیوشن لو گی۔ اگر بات بنتی ہے تو اگلی بار ہمارے ساتھ چلو گی۔" اماں نے آگاہ کیا تھا۔

"کیا مطلب؟ میرا اکلوتا بھائی، میں ایک اکلوتی بہن اور اپنے بھائی کے لیے دلہن دیکھنے بھی نہیں جا سکتی؟! اماں اب اتنا ظلم تو نہ کریں۔ ٹیوشن تو کل سے بھی اسٹارٹ ہو سکتی ہے۔" دہائی دی تھی۔

"سنا نہیں تم نے؟ کل کرے سو آج کر آج کرے سو اب۔ آج کا کام کبھی کل پر نہیں ڈالنا چاہیے۔ جو کرنا ہے سو کر گزرو اور تمہارے ایگزام کی تاریخ تو یوں بھی قریب ہے۔" اماں نے فکر ظاہر کی تھی۔ وہ بالوں کو باندھتے ہوئے اماں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"اماں آپ کیوں چاہتی ہیں کہ آپ کے بچے سقراط اور بقراط ہوں؟ سقراط تو چلو سلمان بھائی ہیں مگر ضروری ہے کہ میں بھی بقراط بن جاؤں؟ مجھے فیشن ڈیزائننگ اسٹڈی کرنا چاہیے۔ وہ آسان ہے۔"

"فیشن ڈیزائننگ آسان ہے۔ اسکوپ بھی ہے کیا؟ کیا نہیں ہے ہمارے خاندان کی بیٹی اتنی نالائق نکلی؟ باپ نے خوب پڑھا۔ بھیا نے ہارورڈ سے اور بیٹی؟" اماں کو ہونہار ثابت کروانا مقصود تھا۔

"اماں دکھاوے کا کیا تو کیا کیا؟ مجھے ایسے ہی خواہ مخواہ میں ٹیوشن کروانا۔ میں ان کتابوں سے چپک کر ایک دن خدا کو پیاری ہو جاؤں گی۔ پھر آپ کو پتا چلے گا۔" وہ مسکین سی صورت بنا کر بولی تھی۔ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی تھی۔

"پارسا! کیا ہوا؟ کہاں کھوئی ہیں آپ؟" عدن نے اسے ہاتھ میں پیکٹ تھامے اسے کھویا سا دیکھا تھا تو محسوس کیے بغیر نہیں رہا۔ وہ چونکی تھی۔

"وہ.... میں....." اس نے پیکٹ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔

"کہاں کھوئی تھیں آپ؟" عدن نے مقابل بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں نہیں.... وہ میں.....!" اس سے بات نہیں بن پا رہی تھی۔ "بس یونہی، گھر والوں کی یاد آ گئی تھی۔" اس کے منہ سے نادانستگی میں نکل گیا۔

"گھر والوں کی؟" وہ چونکا۔ "آج پہلی بار تمہارے منہ سے گھر والوں سے متعلق کچھ سنا۔ مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ ایسا تو ہوتا ہے۔ کوئی بھی گھر سے دور ہو گا تو گھر کو ضرور یاد کرے گا۔ جب میں گھر سے باہر تھا پڑھائی کے لیے تو بہت یاد کرتا تھا۔ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا تھا۔ آس پاس کتنے بھی لوگ ہوں۔ گھر والے

نہ ہوں تو بندہ اکیلا ہی محسوس کرتا ہے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"آپ کی فیملی کے ساتھ آپ کا کوئی تنازعہ ہے؟ مطلب کوئی مسئلہ کسی معمولی یا غیر معمولی بات کو لے کر؟" وہ اس کی آنکھوں کو پڑھنے کی سعی کرتا ہوا بولا۔

"نہیں۔" اس نے جھٹلایا تھا۔ شاید وہ اسے بتانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بغور دیکھنے لگا تھا۔

"کچھ تو ہے پارسا! تمہاری یہ آنکھیں بہت کچھ کہتی بھی ہیں اور نہیں بھی کہتی...... یا پھر تم انہیں روک رہی ہو کچھ کہنے سے؟ تمہیں ہنر آتا ہے نا چیزوں کو اپنے اختیار میں کرنے کا؟" وہ غالباً اسے پرسکون رکھنے کو کہہ رہا تھا۔ انداز دوستانہ تھا اور لبوں کی مسکراہٹ اسے ایک اطمینان دینے کے لیے کافی تھی۔

پارسا چوہدری فوری طور پر مسکرا نہیں سکی۔ مگر اس کی آنکھوں کی ویرانی کس قدر کم ہوئی تھی۔

"عدن! تم چیزوں کو بہت عام سے انداز میں لیتے ہو۔ تمہاری یہ عادت مجھے پسند ہے۔ کاش، میں بھی ایسا کر پاتی۔" وہ سر جھکا کر جیسے اپنے اندر کی کیفیت چھپانا چاہتی تھی۔

"ایسا کرنا کیا مشکل ہے؟ ایسا تو تم بھی کر سکتی ہو۔ اس کے لیے کوئی خاص منتر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم چیزوں کو اپنے طور پر ہینڈل کرنا چاہتے ہیں مگر کر نہیں پاتے اور یہی بات بوجھ بن جاتی ہے۔ اگر ہم چیزوں کو بدلنے کا اختیار نہیں رکھتے تو بہتر ہے کہ پریشان نہ ہوا جائے۔ یہی سوچ ہمیں مطمئن رکھنے کو کافی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"یہ اتنا آسان نہیں ہے؟"

"آپ ہر کام میں آسانیاں ڈھونڈیں گی تو پھر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ کچھ تو چیلنجز قبول کرنے کی صلاحیت ہونا چاہیے۔ بھئی تو بات بنتی ہے۔ مگر تمہیں بات بنانے کی جیسے کوئی فکر ہی نہیں۔" وہ پرمزاح انداز میں بولا تو وہ مسکرا دی۔

"کاش کوئی منتر مجھے زبانی ازبر ہوتا۔" وہ حسرت سے بولی۔

"اگر یاد ہوتا تو کیا کرلیتیں آپ؟ کیا مجھے بھی اپنے پریوں کے دیس لے جاتیں؟" عدن بیگ مسکرایا۔

"نہیں شاید خود حقیقت کی دنیا میں آ گئی ہوتی۔" اس نے جیسے تسلیم کیا۔

"کیا اب تک آپ حقیقت کی دنیا سے باہر تھیں؟ کہیں خوابوں کے نگر میں......؟" عدن بیگ چونکا۔

"ہاں، خوابوں میں ہی جی رہی تھی۔ شاید حقیقت میں اب بھی نہیں آئی۔ مجھے فرار کے راستے مقصود تھے کیونکہ حقیقت سے آنکھیں نہیں ملا سکتی سو بھاگتی گئی۔ مگر بھی بھی سچائی ہے اور حقیقت سے نہیں بھاگا جا سکتا نا؟ سو میں بھی ہار گئی اور مان لیا کہ میرے خواب کچے رنگوں کے تھے اور حقیقت کے رنگ گہرے ہیں۔" وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو بہت الجھے ہوئے انداز میں دیکھتی ہوئی بولی۔ عدن بیگ کو اس پر زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔

"اگر تم جانتی ہو کہ خوابوں کے رنگ کچے تھے اور حقیقت کے رنگ گہرے ہیں تو یہ بات حقیقت میں واپس آنے کے لیے کافی ہے۔ اگر یہی سوچ حرف آخر ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" عدن بیگ مسکرایا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے یا پھر شاید ایک مسئلہ ہے۔" پارسا کا انداز الجھا ہوا تھا۔

"پارسا! ایک بات کہوں؟" عدن نے پوچھا۔

"کہو۔"

"اگر تم حقیقت کی دنیا میں آ سکیں تو کیا کرو گی؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"اگر تم کل اختیار پا لیتی ہو اور وہ منتر پا جاتی ہو تو کیا کرو گی؟"

"ایسا ممکن ہے کیا؟" وہ مسکرائی۔

"ہونے کو کیا ممکن نہیں۔ کچھ ہے جو ناممکن ہے؟" عدن بیگ کا لہجہ ٹھوس تھا۔

"ہاں شاید، مگر......!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا بات ہے جو تمہیں پریشان کرتی ہے۔" عدن بیگ نے دریافت کیا۔

"جو بھی ہے شاید تمہاری ذاتی زندگی ہے اور مجھے اس میں نہیں بولنا چاہیے مگر وہ کہتے ہیں نا کہ کہہ دینے سے دلوں سے بہت سے بوجھ کم ہو جاتے ہیں۔ تو کوئی عجب نہیں ہوگا جو تم اپنے حصے کا تھوڑا سا بوجھ میرے دل پر ڈال دو۔ میں مضبوط ہوں، مردانہ دل رکھتا ہوں۔ میرا دل یقیناً آپ کے دل کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے اور ایک بات آج تک کبھی مرمت نہیں کیا گیا کیونکہ ابھی شکستہ پائی نہیں گئی نا!" وہ پرمزاح انداز میں بولا۔

وہ بندہ عجیب سا ہلکا پھلکا سا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے سب بہت آسان ہے اور کچھ مشکل نہیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کوئی شک ہے کہ میں سچ نہیں کہہ رہا؟" عدن کا انداز بے فکر اور اس کی آنکھوں کی چمک جیسے ہر بھید کا پتا کرنے کی اہلیت رکھتی [illegible]۔

"نہیں۔" پارسا بیگ نے سر نفی میں ہلایا۔

"ایسا کچھ نہیں سوچ رہی۔ نہ ہی مجھے آپ پر کوئی شک ہے۔"

"تم بتانا نہیں چاہتیں؟" عدن بیگ نے پوچھا۔

"نہیں، شاید بتانے کو ایسا کچھ خاص نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

"کیا واقعی نہیں ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"تو کیا؟" وہ جیسے بپھر گئی۔

عدن بیگ مسکرا دیا۔

"آپ کی آنکھیں تمام پتا دیتی ہیں۔" وہ محظوظ ہوا۔

"کس بات کا پتا دیتی ہیں؟" وہ جیسے محتاط ہوئی۔

"بہت سی باتوں کو جو آپ نہیں کہتیں اور شاید کہنا بھی نہیں چاہتیں۔" عدن بیگ نے اس کی آنکھوں کو بغور جانچا۔

"عدن! ایک دن جب مجھے میرے پر ملیں گے نا تو میں سچ میں اپنی دنیا میں واپس لوٹ جاؤں گی۔ بس

مجھے اب اسی ایک دن کا انتظار ہے، اگر تم مجھے پری کہتے ہو تو شاید کسی حد تک سچ ہی لگتا ہے۔ میں سچ میں منتر بھول چکی ہوں۔ اب اگر از بر ہوتا تو شاید......!" اس کی آواز کی یاسیت اس کے اندر کے خالی پن کو کہہ رہی تھی۔

"کس دیس جانا چاہتی ہو تم؟"

"اپنے دیس!" اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔

"میں لے جاؤں تو......؟" عدن بیگ نے آفر دی۔

"کیسے......؟" وہ چونکی۔

"اپنے پروں پر بٹھا کر۔" وہ مسکرایا اور اس کا غیر سنجیدہ انداز اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"اپنے پروں پر؟ آپ کے پاس ایسے کوئی پر ہیں کیا؟" وہ کھل کر مسکرائی۔

"کیوں، کیا نہیں ہو سکتے؟ آپ سمجھتی ہیں پریوں کے دیس سے صرف آپ ہی آئی ہیں؟" عدن بیگ نے قسم کھالی تھی کہ اس کا موڈ بحال کر دے گا۔

"تو کیا آپ بھی......؟" پارسا چوہدری مصنوعی حیرت سے چونکی۔

"ہاں میں بھی...... جب آپ اس باغ عدن سے نکالی جا رہی تھیں تو آپ نے مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا۔ وہاں آپ کے پیچھے میں بھی تھا۔ بس دو قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا۔ آپ کو خبر نہیں ہوئی۔" عدن بیگ دونوں چیزوں کو معمول پر لانا جانتا تھا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے ایک کیفیت میں قید تھی اب کھل کر مسکرا رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں آپ کی باتوں پر مسکرا رہی ہوں۔"

"مگر آپ کی آنکھیں کچھ سوچ رہی تھیں۔" عدن نے جتایا۔

"ہاں میں سوچ رہی تھی کیا واقعی آپ کے پاس کوئی منتر ہے؟"

"اگر آپ میرے پیچھے تھے تو آپ کے قدموں کی آہٹ میں نے کیوں نہیں سنی؟" وہ مسکرائی۔

"آپ نے کوشش نہیں کی شاید۔ اگر کرتی تو سن پاتیں کہ میں وہیں کہیں آس پاس تھا یا شاید اب بھی ہوں۔" اس کی بات معنویت لیے ہوئے تھی۔ وہ لب بھینچ گئی تھی۔ وہ اٹھنے لگی تو عدن بیگ نے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔ وہ کن انکھیوں سے دیکھنے لگی۔ فرار کی کوئی راہ تھی؟

"پارسا! کیا میں آپ کی دنیا میں آ سکتا ہوں؟ کوئی راہ ہے؟ یا پھر میں انتظار کروں کہ جب تک آپ پلٹ اور مڑ کر دیکھیں کہ میں جتنا آپ کے پیچھے یا آس پاس ہوں؟" ایک مدھم سی سرگوشی کی۔

وہ اتنی احمق تو قطعاً نہیں تھی کہ باتوں کے در پردہ مفہوم نہ سمجھتی۔ یا ان آنکھوں سے کوندتی اس روشنی کو نہ پاتی۔ وہ راز نظروں سے صاف ہویدا تھا۔

"مجھے کچھ کام ہے۔" وہ ہاتھ چھڑا کر یک دم اندر کی جانب بڑھ گئی۔ عدن بیگ کے پاس سوائے اسے جاتے ہوئے دیکھنے کے اور کوئی راہ نہیں بچی تھی۔

❁ ❁ ❁

وہ وعدے نبھانے کا پابند تھا اور شاید قول بھی۔ جو کہتا تھا کر کے دکھاتا تھا۔

اس نے اگر کہا تھا کہ قدرے توقف سے اسے وہ ممی کے گھر لے جائے گا تو اگلی صبح اسے ناشتے کے بعد لے کر وہ سیدھا وہاں آ گیا تھا۔ ممی سے اور نانا سے مل کر بہت اچھا لگا۔ وہ اندر تک بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ کل کے ان آنسوؤں میں جیسے بہت سا غبار بہہ گیا تھا اور اب بہانے کو اور آنسو نہیں بچے تھے نہ کوئی ملال تھا۔ وہ پہلے والی کیفیت نہیں تھی۔ شاید اس نے سمجھوتا کر لیا تھا یا کوئی اور مصلحت تھی۔ وہ نانا کے پاس بیٹھا جانے کہاں کہاں کی باتیں کر رہا تھا۔ نانا خاصے پُرسکون دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں جیسے معارج تغلق سے کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔ تو کیا انہوں نے اسے معاف کر دیا تھا؟

نانا کشادہ دل تو تھے مگر جو بھی ہوا تھا، اس کے لیے شاید معاف کرنا اتنا آسان نہیں تھا مگر دور سے بیٹھی وہ دیکھ رہی تھی تو لگ رہا تھا اس بندے کو باتوں سے بہلانا خوب آتا ہے۔

"تم خوش ہو نا نیا!" ممی نے اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ممی! میرے لیے لفظ خوشی کا فی الحال کوئی مفہوم نہیں ہے شاید۔ شاید کچھ دنوں بعد کچھ مختلف ہو، مگر ابھی نہیں جانتی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"مجھے حیرت بھی تم نے یہ فیصلہ کیوں لیا؟ مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ تم کوئی غلط فیصلہ نہیں لے سکتیں اور اگر تم نے معارج تغلق کے ساتھ جا کر رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو پھر ضرور کوئی وجہ رہی ہوگی۔ تم پر اعتبار تھا مگر دل ایک ماں کا ہے، بہت ڈرتا رہا۔ مجھے کوئی بھی مشکل درپیش ہو، مقابلہ کر سکتی ہوں۔ مگر تمہارے معاملے میں میرا دل صرف ایک ماں کا ہے اور ماں کا دل دنیا کا کمزور ترین دل ہوتا ہے۔ تمہاری سلامتی کی بہت فکر رہتی ہے۔"

ممی نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ممی! آپ کی بیٹی بہت بہادر ہے۔ جانتی ہیں نا آپ کہ ہر صورت حال کا مقابلہ کر سکتی ہوں اور آپ تو یوں پریشان ہو رہی ہیں جیسے میں میدان جنگ میں اتری ہوں۔ اپنے سسرال ہی میں تو گئی ہوں۔ اور ہاں آپ دوا میں وقت پر لے رہی ہیں نا؟" وہ ان کو مطمئن کرنے کو مسکرائی۔

"ہاں! میری فکر نہ کیا کرو۔ میرے پاس ابا ہیں نا۔ ہم دونوں خوب ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ کچھ زیادہ کرنے کو ہمارے پاس ہوتا بھی نہیں۔"

"جانتی ہوں اگر معارج تغلق نے جلدی نہ مچائی ہوتی تو دیکھ بھال کے کوئی رشتہ دیکھتی اور کسی ایسے بندے کو ترجیح دیتی جو کم از کم میرے ساتھ یہاں تو رہ سکتا۔" اس نے افسوس سے کہا۔

زائرہ ملک نے اسے ایک چپت لگائی تھی۔ "اس دور میں گھر داماد کہاں ملتے ہیں؟" وہ مسکرائی۔

"ملتے ہیں نا! عدن تو یقیناً تیار ہی ہوتا۔ اگر نہیں تیار ہوتا تو ایک آدھ لگا کر راضی کر لیتی۔ بچپن سے جانتا ہے تو کچھ رعب میں ہے۔" وہ مذاق سے بولی۔ زائرہ ملک مسکرا دیں۔

"تم بیٹھو میں کچھ لے کر آتی ہوں۔" وہ اٹھ کر اندر چلی گئیں تو اس کی نظروں نے نانا کی سمت تعاقب کیا۔ جہاں معارج تغلق کو نانا کے ساتھ موجود ہونا چاہیے تھا مگر اب وہ وہاں نہیں تھا، وہ چونکی تھی۔

"وہاں کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟ میں یہاں ہوں۔" معارج تغلق کی آواز آئی تو اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا اور چونکی۔

"آپ چھپ چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟" براہ راست الزام لگا دیا کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر۔

"میں آپ کی باتیں نہیں سن رہا تھا، غالباً آپ اس لمحے میں کوئی راز و نیاز کر رہی تھیں جس لمحے میں یہاں آیا۔" وہ گھوم کر صوفے پر پاس آن بیٹھا۔ "تو گھر داماد کی تلاش تھی آپ کو؟" براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ہاں تھی تو؟" وہ خود سری سے بولی۔

"عدن بیگ آپ کو بہت پسند ہے؟" آنکھوں میں قدرے ناپسندیدگی لیے وہ بولا تھا تو وہ چونکی۔ تو کیا وہ ان کی ساری باتیں سن چکا تھا۔

"ہاں ہے! آپ کو اس سے کیا؟" وہ خودسر ہوئی۔ وہ ناگواری سے دیکھنے لگا۔ انانیا ملک کو جیسے اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔

"انانیا تغلق! مجھے بے ایمانی پسند نہیں۔" وہ جانے کیا جتانا چاہتا تھا۔ "اگر آپ کھیل کھیل رہی ہیں تو کسی بھی چال کے لیے تیار رہیے۔ کھیل میں سب جائز ہے۔" وہ چڑا کر لطف لے رہی تھی۔ معارج تغلق کی آنکھیں سرد مہر ہو گئی تھیں۔ "مجھے بے ایمانی پسند نہیں ہے انانیا تغلق! چاہے وہ کھیل ہی کیوں نہ ہو۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"میں فی الحال کہیں نہیں بھاگ رہی۔ آپ سے محض [illegible] کا حصہ ہوں۔ وہ ماضی کی بات ہو رہی تھی اور حق [illegible] ہے وہ میرے ساتھ [illegible] رہنے کو تیار ہو جاتا جب آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ کو دکھاوا اور نمائش پسند ہے اور وہ محل آپ کی زندگی کا سب سے بڑی نمائش ہے۔ وہاں سے کٹ کر آپ اگر رہیں گے تو شاید آپ کی حقیقت بے معنی ہو جائے گی۔" وہ اسے جلانے کا کوئی موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ معارج تغلق کی حیثیت جیسے اس کے لیے گالی بن گئی تھی۔

"تم سمجھتی ہو میں، معارج تغلق اس لیبل کے بنا کچھ نہیں؟ میرے خاندانی حسب نسب کے بنا میری کوئی حیثیت نہیں؟ اور اگر میں مضبوطی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوں تو اس کے پیچھے میری خاندانی حیثیت اور پس منظر مجھے سپورٹ کر رہا ہے؟" اسے بے طرح کھلی تھی۔

"ایسا غلط ہے کیا؟" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہوئی مکمل پُراعتماد تھی۔ کیا وہ اس کا اعتماد چکنا چور کرنا چاہتی تھی۔ اس کے خول کو توڑ کر اسے ایک عام آدمی بنانا چاہتی تھی یا پھر مشکلوں میں گھرا دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت اسمارٹ ہو انانیا ملک۔" وہ نتیجے پر پہنچا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ لڑکیوں کو اسمارٹ نہیں ہونا چاہیے؟ کیا اسمارٹ صرف مرد ہی ہو سکتے ہیں؟" انانیا ملک کا اعتماد کس قدر شاید اپنے گھر۔ اپنی چار دیواری کا اثر تھا۔

"نہیں! مرد شاید کم اسمارٹ ہوتے ہیں۔ لڑکیاں بہت سے خفیہ ہتھیاروں سے بھی لیس ہوتی ہیں۔

لیکن...... یہ سمجھنا خام خیال ہے کہ میں اپنے خاندانی حسب نسب کے بنا کچھ نہیں۔ میں نے جو بزنس ایمپائر کھڑا کیا ہے اس میں، میں نے ایک پیسہ بھی اپنے ماں یا باپ سے نہیں لیا۔ میں نے خود اپنی بچت سے یہ کمپنی بنائی ہے اور آج یہ ایک ایمپائر ہے۔ میں نے خود کو اپنے خاندانی پس منظر کے بنا منوایا ہے۔ تغلق نام میری ذات کا حصہ ہے مگر تغلق خاندان کے نام پر میں نے کبھی کوئی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ہر کام ایمان داری سے کرنے کا قائل ہوں۔ آپ کے ضمن میں بھی بے ایمانی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر آپ نے اکسایا۔" وہ بہت ملائمت سے مسکرایا۔

"میں نے اکسایا؟" وہ چونکی۔ "آپ اپنے تمام کیے کا الزام مجھ پر لگانے پر کیوں بضد رہتے ہیں؟ کوئی پچھتاوا تا ہے آپ کو یا پھر کوئی ملال سونے نہیں دیتا؟" وہ جاننے پر بضد ہوئی۔

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"آپ سونے نہیں دیتیں۔" عجب اقرار تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکی شاید وہ مذاق کر رہا تھا۔ یا محض اسے پریشان کرنے کا کوئی بہانہ تھا یا پھر کوئی نئی چال...... وہ سراسیمہ سی دیکھتی رہی۔ وہ مسکرا دیا۔

"اتنی حیران کیوں ہیں؟ بندہ بشر ہوں پھر تمام حق محفوظ رکھتا ہوں۔" اس مدھم لہجے کی تپش ایسی تھی کہ وہ اس کی سمت دیکھ نہیں پائی تھی۔ معارج تغلق اسے چاروں شانے چت کر گیا تھا۔ اس کا سارا اعتماد دل میں جا تا رہا تھا۔

"آپ کہو اس عدن بیگ کی کیا کہانی ہے؟" وہ موضوع پر واپس آیا۔

"آپ بشر نہیں [illegible]؟ مجھ پر شک کرتے ہیں۔ وہ بھی کسی حق اور جواز کے بغیر؟" اسے اعتراض ہوا۔

"کیا یہ شک ہے؟" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں یا شک کرتے رہیں تو [illegible] مجھے کچھ لینا دینا نہیں اس سے۔ کیوں دوں آپ کو خوامخواہ کی وضاحتیں؟" وہ ممی اور نانا کے خیال سے آواز دبا کر بول رہی تھی۔ ساتھ ہی نظریں کچن کی طرف بھی گاہے بگاہے دیکھ رہی تھیں کیا اسے کوئی کہانی ممی کے سامنے نہیں کھولنا تھی۔ معارج تغلق کے ہزار ڈرامے تھے۔ ہر پل ایک نئی پٹاری کھلتی تھی اور وہ ممی کو خوامخواہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آپ کو عادت ہے خوامخواہ تماشا بنانے کی۔ نہ جگہ دیکھتے ہیں نہ مقام۔ بس شروع ہو جاتے ہیں۔ کل آفس میں شروع ہوئے اور آج یہاں ممی کے گھر۔ کیا مجھے اسی لیے یہاں لائے تھے؟ کوئی بدلہ چکانے کے لیے؟" وہ خفا ہو کر بولی۔

"نہیں! حساب بے باق کرنے کو میرا اپنا گھر کافی ہے۔ یہاں کوئی بدلہ چکانے نہیں لایا۔ اپنا وعدہ نبھانے لایا ہوں کہ کل کہا تھا کہ خود لے کر جاؤں گا۔ میرا ارادہ تو آپ کو یہاں چھوڑ کر واپس جانے اور شام کو آنے کا تھا مگر اب مزید اعتبار نہیں کر سکتا۔" کیا وہ سنجیدہ تھا یا محض اسے پریشان کر رہا تھا؟ اگر سنجیدہ تھا تو انتہائی شکی مزاج تھا۔

انانیا ملک بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی؟ اور وہ مسکرا رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟"

"دیکھ رہی ہوں کیسے انسان ہیں آپ؟ مجھے میری زندگی سے کھینچ کر نکال کر اپنی زندگی میں باندھ لیا اور اب اگر اپنی گزشتہ زندگی کے متعلق سوچتی بھی ہوں تو آپ میری سوچوں پر بھی باندھ باندھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا قصور تھا میرا، جو مجھے میری زندگی میرے ڈھنگ سے جینے نہیں دی؟ صرف اس لیے کہ آپ جیسے بڑے رئیس کا دل مجھ پر آ گیا اور میرا یہ چہرہ بھا گیا؟ صرف اس بات کی سزا ملی مجھے؟ اس چہرے کے خوش شکل ہونے کی؟" وہ شکوہ کر رہی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"آپ سمجھتی ہیں، دنیا میں صرف آپ ہی ایک خوب صورت چہرہ رکھتی ہیں؟ میری حیثیت جانتی ہیں آپ؟ ہجوم رہتا ہے ان خوب صورت چہروں کا میرے اردگرد۔ کیا مشکل ہے میرے لیے؟ لیکن برملا کبھی کسی کا ذکر کرتے سنا آپ نے؟" اس نے جتایا تھا۔

"میں نے کیا پہاڑ توڑ دیا؟" وہ تلملا اٹھی۔ "عجیب آدمی ہیں آپ۔ آپ کو تو بس موقع چاہیے۔"

"موقع ہی تو نہیں دیتیں آپ۔ موقع دیں تو ثابت کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں کہ اتنا برا نہیں ہوں۔" وہ اسے مشکلوں میں گھرا دیکھ کر مطمئن ہوا۔

"معارج تغلق! مجھے اگر سات خون معاف ہوئے تو جانتے ہیں میرا پہلا اور آخری نشانہ کون بنتا؟" وہ گہری سانس خارج کر کے تھکے ہوئے انداز میں بولی۔ وہ کھل کر ہنس دیا تھا۔

زائرہ نے اندر قدم رکھا تھا تو داماد کو ہنستا دیکھ کر چونکی تھیں۔ معارج تغلق جو قدرے قریب بیٹھا تھا، اب احترام سے دور ہو گیا تھا۔

"ممی! آپ کے لوازمات کی خوش بو بہت دیر سے باہر آ رہی تھی۔ کیا بنایا ہے آپ نے؟" وہ ایسے بول رہا تھا جیسے اس گھر کے مکینوں سے بہت اچھے تعلقات ہوں اور درمیان کوئی دراڑ نہ ہو۔

"مجھے تمہاری پسند تو زیادہ معلوم نہیں تھی سو انائیا کی پسند کی دو چار چیزیں بنا دی ہیں۔" زائرہ ملک کا لہجہ سرد تھا۔ وہ معارج تغلق سے کسی قسم کی گرم جوشی دکھانے سے قاصر رہی تھیں۔

"اگر انائیا کی پسند کی بنی ہیں تو یقیناً پسند آئیں گی۔" وہ مسکرایا۔

"میں نانا کو بلا کر آتی ہوں۔" انائیا نے ایک پلیٹ میں کباب اور براؤنیز رکھے اور چائے کا کپ لے کر وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ ممی کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں ممی، اب تک؟"

زائرہ ملک نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ اگرچہ اپنے کیے کی معافی وہ مانگ چکا تھا۔ مگر زائرہ شاید اس سرد مہری کو کوئی نام نہیں دے سکی تھیں۔

"آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہے؟" وہ سعادت مندی سے کہہ رہا تھا۔ "اگر ہے تو آپ مجھے سزا دے سکتی ہیں۔ آپ کا بیٹا ہوں۔ غلط کرتا ہوں تو سزا کے لیے بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" وہ دل سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ جو بھی ہوا اگر انائیا اسے تسلیم کر سکتی ہے تو شاید مجھے بھی یہ مان لینا چاہیے کہ جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم انائیا کے حوالے سے میرے بیٹے ہو

اس گھر میں تمہیں ہمیشہ وہی پیار اور خلوص ملے گا جو انائیا کے حوالے سے ملنا چاہیے۔ بس ایک گزارش کروں گی۔" زائرہ ملک نے کہا تھا۔

"ممی آپ گزارش نہیں حکم کریں۔ مائیں بچوں سے گزارش نہیں کرتیں۔" معارج تغلق کا یہ کون سا انداز تھا۔ انائیا ملک نانا کو پلیٹ دے کر پلٹی تو حیران رہ گئی تھی۔ کیسی چاشنی سی تھی اس شخص کے لب و لہجے میں..... اس کا اصل کیا تھا؟ وہ سعادت مند تھا؟ بڑوں کی عزت کرنا جانتا تھا تو پھر اتنا انتہائی قدم کیوں لیا تھا؟ وہ معاشرتی اقدار سے واقف تھا تو پھر معاشرتی حد بندیاں توڑنے کا خواہاں کیوں تھا؟ کیا تھا انائیا ملک میں جس نے اس بندے کو باندھ دیا۔ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی یہ احساس نہیں ہوا کب ممی اٹھ کر وہاں سے گئیں۔ وہاں آئی تھی تو نظریں ساکت ہی معارج تغلق کو دیکھ رہی تھیں۔

"ممی کیا کہہ رہی تھیں؟ کہیں آپ نے ممی سے کچھ ایسا ویسا تو نہیں کہا؟" انائیا ملک نے کریدا۔

"کیسا ویسا؟" وہ خواہ مخواہ چھیڑ رہا تھا۔ شاید انائیا کو پریشان دیکھ کر لطف آتا تھا۔

"آپ کافی ختم کیجیے اور جائیے یہاں سے۔"

"کیوں آپ میرے ساتھ نہیں آ رہیں؟" وہ چونکا۔

"نہیں۔" وہ قطعی انداز میں بولی تھی۔

"آپ..... ٹھہر رہی ہیں تو پھر میرے جانے کا کیا جواز ہے؟" وہ آرام سے ٹانگیں پسار کر بیٹھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"نہیں جا رہا میں، اکیلا جا کر کیا کروں گا؟ نئی نویلی دلہن کے بنا گھر کاٹنے کو دوڑے گا نا؟ گھر داماد کی ضرورت تھی نا آپ کو؟" اس نے جتایا۔

"وہ آپ کی شکل میں درکار نہیں تھا۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔

"تو پھر؟" وہ جاننے پر بضد ہوا۔

"سن تو لیا تھا آپ نے؟"

"کیا؟ پھر سے بتاؤ۔ شاید نہیں سنا تھا؟" معارج تغلق کیا سننا چاہتا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ "وہ عدن ..... کے لیے تھا۔ اگر وہ ہوتا تو....." وہ جان چھڑانے کو بولی۔

معارج تغلق کی نظروں میں اچانک ہی سرد مہری اتر آئی اور چہرے کے تاثرات یک دم بدلے تو وہ سمجھ نہیں پائی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نوید صبح

عروسہ عالم

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

ہم نئے خواب بنیں گے، نئے منظر لے کر
نئے سورج کو کہو روز نکلتے رہنا
آنکھ سے دور جو ہونا ہے تو اتنا سن لو
اچھے لوگوں کی طرح خواب میں ملتے رہنا

"آؤ بھئی چمن آرا! آج تو تم نے بڑے دنوں بعد چکر لگایا۔ کہاں رہتی ہو آج کل۔"

"یہیں رہتی ہوں چچی بی! بس نوکری اور گھر داری سے فرصت ہی نہیں ملتی ہے۔"

"بھئی آج کل کی نوکریاں تو ایک تفریح ہیں۔ گھر سے گئے اور جا کر مزے سے ٹھنڈے کمروں میں بیٹھ گئے۔ آٹھ گھنٹے خوش گپیوں میں گزارے اور گھر آ گئے۔"

چچی بی کی بات نے جیسے چمن آرا کو پتنگے لگا دیے۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں چچی بی! ایسی نوکری کہاں ملتی ہے؟ آفس والے تو کام لے لے کے خون نچوڑ لیتے ہیں۔"

چمن کو، چچی بی کی بات خاصی ناگوار گزری۔

"بھئی وہ مٹھی بھر کے پیسا بھی تو دیتے ہیں، ایسے ہی تو کام نہیں لیتے۔ ایک تو ہمارے یہاں یہ بڑی خرابی ہے کہ کوئی کام ہی نہیں کرنا چاہتا۔ بس سب بیٹھ کے کھانا چاہتے ہیں۔" چچی بی نے سلگتی آگ کو ہوا دکھائی۔

"خیر چچی بی! ہم تو ایسے نہیں ہیں۔" چمن نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی سب ایسے ہی جھوٹ بولتی ہیں۔ اب ہم کون سا تمہیں آفس میں جا کے کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اگر کام ہو رہا ہوتا تو آج نجانے ہمارا ملک کہاں سے کہاں ہوتا۔ خیر چھوڑو اس قصے کو۔ یہ بتاؤ کہ ہم نے تم سے جو کہا تھا اس کا کیا ہوا؟" چمن آرا کے بگڑے تیور دیکھتے ہوئے چچی بی نے موضوع بدلنے میں عافیت جانی۔ مگر چمن آرا کا موڈ بحال ہونے میں کچھ وقت لگا۔ بالآخر انہوں نے کہا۔

"میں آج کل آپ کے ہی کام میں شد و مد سے لگی ہوئی ہوں۔"

"ہائیں! اس میں اس قدر شد و مد کی کیا بات ہے؟ ہم نے تم سے کون سے ہاتھی گھوڑے ڈھونڈنے کو کہا ہے۔ ایک ذرا سی لڑکی ہی دیکھنے کی بات ہے۔ اس پر تم اس قدر بولا گئیں۔"

"چچی بی! اچھی لڑکی ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے کوئی لڑکی دیکھی بھی ہے یا نہیں۔"

"لڑکیاں تو میں نے بہت سی دیکھی ہیں مگر آپ کو پسند آجائیں تو بات ہے۔"

"ارے بھئی کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ہم بہت سی لڑکیوں کو دیکھ کے کیا کریں گے۔ تم تو ہمیں بس چند بہت اچھی لڑکیوں کے بارے میں بتاؤ۔ ہم انہیں دیکھ کے فیصلہ کریں گے۔"

"چچی بی! وہ تو ظاہر ہے کہ پسند تو آپ ایک ہی کریں گی۔ بہت سی دیکھی جاتی ہیں تو ان میں سے ہی کوئی ایک پسند آتی ہے نا۔"

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن زیادہ آنے جانے سے اب ہماری طبیعت الجھتی ہے۔"

"چچی بی! خوشیوں میں الجھن کیسی؟ خوشی کے کام تو خوش دلی سے ہی کرنے چاہئیں۔"

"بھئی تو تم ٹھیک ہی ہو لیکن بھئی اپنے اپنے مزاج کی بات ہے۔ تم تو جانتی ہو کہ ہماری طبیعت زیادہ گھلنے ملنے والی نہیں ہے ہر کوئی ہمیں پسند نہیں آتا ہے۔"

"لیکن چچی بی ایسے معاملات میں تو نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے لوگوں سے گھلنا ملنا پڑتا ہے ایسی باتیں گھر بیٹھے تو طے نہیں ہوتیں ہیں نا۔"

"تم جانتی ہو کہ ہم ہر ایک سے مل نہیں سکتے ہیں اسی لیے تو یہ کام ہم نے تمہارے سپرد کیا ہے۔"

"چچی بی! شاہ ویز بھائی کی پسند پتا چل جاتی تو لڑکی دیکھنے میں اور سہولت ہو جاتی۔"

"شاہ ویز ہمارا بیٹا ہے وہ ہماری پسند سے ہٹ کر سوچ ہی نہیں سکتا۔" غرور سے ان کا سر تن گیا۔

"تو پھر آپ اپنی پسند بتائیے۔ آپ نے تو مجھے صرف دیکھنے کے لیے کہا ہے۔"

"دیکھو چمن آرا! بہو کے معاملے میں ہم حساس ہیں۔ بھئی لڑکی تو خوش شکل، خوش گفتار، خوش اخلاق، خوش لباس، خوش خلق، خوش اسلوب، خوش الحان اور ہر دم خوش وخرم رہنے والی ہونا چاہیے۔ ایسی کہ جسے دیکھ کر ہر ایک کا دل خوش ہو جائے۔ ہمارے گھر آئے تو ہر طرف خوشیاں بکھر جائیں۔ جو خود خوش رہے اور ہمیں بھی ہر وقت خوش رکھے۔" چچی بی نے اپنی من پسند لڑکی کی تفصیلات سوچ رکھی تھیں۔ اسی لیے جھٹ پٹ ساری خصوصیات دیں جب کہ چمن آرا جز بز ہو کر رہ گئی تھیں۔

"چچی بی ایک لڑکی میں اتنی ڈھیروں خوش گواریاں کہاں ملیں گی؟"

"اوہو چمن آرا! کیوں نہیں ملیں گی؟ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے یہ تو پھر ایک لڑکی کی بات ہے۔"

"چچی بی! ایسی خوشیوں سے بھری ہوئی لڑکی ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

"ہم جانتے ہیں لیکن چمن آرا تمہارے لیے کوئی مشکل کام بھی نہیں ہے۔ تم تو سارے جہان میں ماری ماری پھرتی ہو۔" چچی بی نے کوئی لحاظ کیے بغیر تڑ سے کہا تو چمن آرا دنگ ہی ہو کر ان کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔

"چچی بی! آپ کیسی باتیں کرتی ہیں میں کب ماری ماری پھرتی ہوں؟ مجھے تو امی کے گھر جانے کی بھی فرصت نہیں ملتی ہے۔"

"تم ان کے گھر جاؤ گی بھی کیسے، وہ تو خود روز تمہارے گھر موجود ہوتی ہیں۔ بھئی ہم تو بیٹی کے گھر جانا بالکل پسند نہیں کرتے۔"

"آپ بیٹی کے گھر جائیں گی بھی کیسے؟ آپ

کی بیٹی نے تو کوئی گھر ہی نہیں بنایا ہے۔ وہ تو خود اپنے میاں کے ساتھ آپ کے گھر میں رہتی ہے۔" چمن آرا سے اب ضبط محال ہو گیا تھا۔ سو اب وہ کھری کھری سنانے پر اتر آئیں۔

چچی بی کو چمن آرا کی طرف سے اس قدر فوری حملے کی امید نہیں تھی۔ انہوں نے خشمگیں نظروں سے چمن آرا کو گھورا۔

"بھئی ہماری بیٹی کی کئی مجبوریاں ہیں جن سے مجبور ہو کر وہ دکھیا یہاں رہ رہی ہے۔"

"چچی بی لڑکی کو گھر بنانے کے لیے بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اپنا آپ بالکل ختم کر دینا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر گھر بنتا ہے۔" چمن آرا نے انہیں جتایا تھا۔

"چمن آرا! تم ہمیں یہ باتیں مت بتاؤ۔ ہماری بچی کو تو قربان ہو کے بھی کچھ نہیں ملا۔ سسرالی دکھ جھیل جھیل کر پھول سی بچی کملا کے رہ گئی۔ سدا سے [illegible]" چچی بی نے نہایت [illegible]

"لیکن چچی بی! شادی اور وہ بھی صرف دو ہی دن سسرال میں رہی تھیں۔ تیسرے دن تو وہ شوہر سمیت آپ کے گھر آ گئی تھی۔" چمن آرا سارا حساب چکانے پر تل گئی تھیں۔

"ارے چمن آرا تم کیا جانو، قبر کا حال تو مردہ ہی جانتا ہے۔ دو ہی دن میں اس نے ڈھیروں دکھ اٹھا لیے۔ جبھی تو بچی گھبرا کے وہاں سے نکل کے آ گئی ہے۔" چچی بی کی مکاری پر چمن آرا بالکل چپ ہو گئیں۔ یوں بھی اپنی کھولن تو وہ نکال ہی چکی تھیں۔ ان کی خاموشی پر چچی بی پھر بولیں۔

"چمن آرا تم بھی بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔ ہم بہو کی بات کر رہے تھے اور تم بیٹی پر لے آئیں۔ ہمیں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ہماری بیٹی سب کی آنکھوں میں کیوں کھٹکتی ہے؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے چچی بی! میں نے تو بس ذرا آپ ہی کی بات کا جواب دیا تھا۔" چمن آرا اب خاصی پرسکون تھیں۔ اس لیے سہولت سے بولیں۔

"ہمارا کلیجہ جلا کے کہہ رہی ہو کے ذرا جواب دیا تھا۔ بھئی ہمیں دو طرح کے لوگ سخت ناپسند ہیں۔ ایک سوال کرنے والے اور دوسرے جواب دینے والے۔" انہوں نے نہایت ناگوار لہجے میں کہا تھا۔ لیکن چمن آرا بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔ اس بار بھی نہ چوکیں۔

"لیکن چچی بی! بات چیت میں سوال جواب تو ہوتے ہی ہیں۔"

"ارے بھئی وہ اور قسم کی بات چیت ہوتی ہے۔ یہاں صرف ہمیں بولنا اور تمہیں سننا اور ماننا ہے۔ ہاں تو ہم لڑکی کی بات کر رہے تھے۔ دیکھو لڑکی کی عمر بائیس تیئیس سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔" انہوں نے ایک بار پھر من پسند لڑکی کی خصوصیات گنوانے کا آغاز کیا تھا مگر چمن آرا نے ٹوک دیا۔

"لیکن چچی بی! شاہ ویز بھائی کے لحاظ سے تو یہ بہت کم عمر ہے۔ خود چھتیس سال کے ہیں۔"

"بھئی مردوں کی عمر نہیں دیکھی جاتی اور تم نے وہ بات نہیں سنی ہے کہ مرد پر تو جوانی ہی چالیس سال کے بعد آتی ہے اور پھر ہمارا بچہ تو چھبیس سال سے زیادہ کا لگتا بھی نہیں ہے۔ ابھی پرسوں ہی ہماری پڑوسن کہہ رہی تھیں کہ شاہ ویز میاں خیر سے پچیس سال کے تو ہو ہی گئے۔ اب آپ ان کی شادی کی فکر کریں اور ایک تم ہو کہ تم نے آتے ہی اس معصوم بچے پر چھتیس کا آنکڑا لگا دیا۔" چچی

بی نے سخت برا مانتے ہوئے کہا۔

"لیکن چچی بی! میرے کہنے نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تو ہیں ہی چھتیس سال کے۔"

"اوہو چمن آرا! ایک تو تم بحث بہت کرتی ہو۔ کج بحث لوگوں سے ہم بہت برا مانتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے چچی بی! لیکن جب لوگ لڑکے کی عمر پوچھیں گے تو میں کیا بتاؤں گی۔"

"تم پچیس چھبیس سال سے زیادہ نہیں بتانا۔ ہمارا بیٹا تو دیکھنے میں بھی اتنا ہی لگتا ہے۔"

"یہ تو بہت بڑا دھوکا ہوا ہم دس سال عمر گھٹا کے بتائیں گے تو لڑکی والے بھی یہی کریں گے۔"

"تم اس بات کی فکر مت کرو، ہمیں لڑکیوں کی عمروں کی خوب پہچان ہے۔ لیکن بس ذرا یہ دھیان رکھنا کہ لڑکی سیدھی سادی سی ہو۔ تم تو ہماری طبیعت جانتی ہو۔ ہم کس قدر حلیم الطبع اور منکسر المزاج ہیں۔"

چمن آرا آنکھیں پھاڑ کے رہ گئیں۔ مگر نظر انداز کرکے کہا۔

"چچی بی! جہیز کے بارے میں بھی کچھ ارشاد ہو کہ آپ کی کیا ڈیمانڈ ہے۔"

"ہم جہیز کے سخت خلاف ہیں۔ لڑکیاں سسرال آکے اپنی کوئی چیز تو نکالتی نہیں ہیں۔ سالہا سال تک جہیز ڈبوں میں بند رہتا ہے کہ جب اپنا گھر ہوگا تو ڈبے کھلیں گے۔ بھئی ہمیں ایسے ڈبہ بند جہیز کی ضرورت نہیں ہے۔" چچی بی کی بے نیازی پر چمن آرا کا سچ مچ فدا ہونے کو جی چاہا۔

"ایسی لڑکیاں سسرال کو تو اپنا گھر سمجھتی نہیں ہیں۔ ایک چمچ نکالنے کے لیے کہو تو لڑتے لڑتے ڈھیر کردیتی ہیں اور ماں کو الگ فون کرکے لڑنے کے لیے بلا لیتی ہیں۔ بھئی چمن آرا تم تو جانتی ہو کہ ہمیں تو بولنا ہی نہیں آتا ہے، پھر ہم لڑائی کیسے کریں گے۔ لہٰذا تم بھی کوشش کرنا کہ لوگ اور لڑکی دونوں ہی سیدھے اور شریف ہوں تاکہ ہمارا ان کے ساتھ سہولت سے گزارا ہوسکے۔" چچی بی کا فیصلہ جیسے اٹل تھا اور ان کے اٹل فیصلوں کے عقب میں کس کا ہاتھ ہوتا تھا۔ چمن آرا خوب جانتی تھیں۔ صرف اور صرف ان کی اکلوتی بیٹی شہیلا۔ چونکہ نہ صرف چچی بی بلکہ پورے گھرانے کو اپنے انگلیوں کے اشاروں پر نچاتی تھیں۔

اتنے میں شاہ ویز بھی آگیا۔ سلام دعا اور خیر خیریت کے بعد چمن آرا نے اس کی شادی کا ذکر نکال لیا۔

"شاہ ویز بھائی! آپ کو پتا ہے کہ چچی بی آپ کی شادی کے لیے فکر مند ہیں۔ آپ بتایئے کہ کیسی لڑکی چاہتے ہیں آپ؟"

"ارے بھئی چمن آرا تم شاہ ویز سے کیا پوچھ رہی ہو، یہ ہمارا بیٹا ہے ہم جیسی دلہن لا دیں گے یہ اس کے ساتھ گزارا کرلے گا۔" چچی بی بیٹے کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑیں کہ کہیں وہ اپنی کوئی پسند نہ بتا دے۔

"امی ٹھیک کہتی ہیں۔ یہ میرے لیے نہ غلط سوچ سکتی ہیں نہ غلط فیصلہ کرسکتی ہیں۔ بس میری تو ایک ہی ڈیمانڈ ہے کہ لڑکی شریف ہونی چاہیے۔"

"ویسے لڑکے زیادہ تر خوب صورت لڑکی کی ڈیمانڈ کرتے ہیں۔" چمن آرا نے انہیں اکسایا تھا مگر چچی بی پھر چلبلا کر بولیں۔

"چمن آرا تم بھی حد کرتی ہو۔ تمہارا کیا مطلب ہے کہ ہم کوئی بدصورت بلا اپنے بیٹے کے سر تھوپنے کے لیے بیاہ لائیں گے؟"

"اف چچی بی سے جیتنا بڑا مشکل کام ہے۔"

چمن آرا نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے سوچا۔ اور مزید کچھ دیر بیٹھ کے چلی آئی۔

چمن آرا نے کبھی بھی چچی بی کا کوئی کام رد نہیں کیا تھا۔ ہمیشہ اس نے اپنے کام پس پشت ڈال کے خلوص اور محبت سے ان کے کام کیے تھے اور اب تو انہوں نے اسے بہت ہی بڑا کام سونپا تھا۔

وہ ایمانداری اور شدومد سے لڑکیاں ڈھونڈنے میں لگ گئی۔ ملنے جلنے والوں کے علاوہ وہ اپنی سسرال میں بھی چچی بی کی پسند کی لڑکی دیکھ رہی تھی۔ کچھ دن کے بعد وہ چچی بی کے روبرو تھی۔ چچی بی کی بیٹی شہیلہ حسب عادت اور حسب معمول اپنے بناؤ سنگھار میں لگی ہوئی تھی اور اس وقت پھونکیں مار مار کے نیل پالش خشک کر رہی تھی۔

"چچی بی! آج ان شاء اللہ ضرور آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔" چمن آرا نے خوش دلی سے کہا۔

"اب تو ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد ہمارے گھر ہماری بہو آجائے۔"

"آج میں کچھ لڑکیوں کی تصویریں لے کے آئی ہوں، ان میں سے آپ کو ایک نہیں کئی لڑکیاں پسند آجائیں گی۔"

"کئی لڑکیوں کا ہم کیا کریں گے۔ ہمارا تو ایک ہی لڑکا ہے اور اس کے لیے ہمیں لڑکی بھی ایک ہی چاہیے۔" چچی بی نے پھر پرانی بات دہرائی۔

"چچی بی وہ تو ظاہر ہے کہ ایک ہی لڑکی چاہیے لیکن بہت ساری دیکھی جاتی ہیں تو کوئی ایک پسند آتی ہے نا۔ آپ بھی ان میں سے ایک منتخب کرلیجیے گا۔" چمن آرا نے تصاویر ان دونوں کے سامنے رکھیں۔

دونوں ماں بیٹی نے تصویریں دیکھنا شروع کردیں۔ دو تین تصویریں دیکھنے کے بعد ہی دونوں ناک بھوں چڑھانے لگیں۔ شہیلا زیادہ بڑھ چڑھ کر بول رہی تھی۔

"ہائے اللہ امی یہ لڑکی تو بہت کالی لگ رہی ہے۔ بھائی اتنے گورے چٹے ہیں ان کے لیے تو انہی جیسی لڑکی ہونی چاہیے۔"

"ہاں بھائی ہمیں بھی یہ پسند نہیں آئی۔" چچی بی نے بھی شہیلا کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے فوراً اس لڑکی کو رد کردیا۔

"ارے اس لڑکی کی ناک تو بالکل پکوڑے جیسی ہے۔" بیٹی نے ایک اور لڑکی میں عیب نکالا تو ماں نے دوسرا عیب نکال دیا۔ "ارے ہاں جب یہ دلہن بن کے نتھ پہنے گی تو ایسا لگے گا جیسے گرم پکوڑے میں ایک چھلا ڈال دیا ہو۔ امی یہ نہیں کوئی اور دیکھیے۔" شہیلہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ارے اس قدر لمبی ناک۔" ایک کی ناک انہیں پکوڑا لگی تو دوسری کی ناک کی لمبائی پسند نہیں آئی۔

"امی اس کی ناک پر تو کپڑے لٹکائے جاسکتے ہیں۔" شہیلہ کی بات پر چمن آرا کو بھی ہنسی آگئی۔

وہ لڑکی بھی رد ہوئی اب کسی اور کی تصویر ہاتھ میں آگئی۔

"چمن آرا ذرا دیکھو تو سہی یہ کون ہے۔" شاید انہیں کوئی لڑکی پسند آگئی تھی۔ اس خیال سے چمن آرا جلدی سے آگے کو بڑھ آئی۔ تب انہوں نے مزید کہا۔ "یہ لڑکی تو آنکھوں سے ہی بڑی غضب ناک لگ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں کی تیزی اور چمک تو دیکھو۔ اُفوہ بھئی، شرارے نکل رہے ہیں اس کی آنکھوں سے۔ تو ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اس کی زبان کیسی ہوگی؟" چمن آرا تم تو بہت

تجربے کار ہو تم نے وہ بات تو ضرور سنی ہوگی......؟"

"کون سی بات چچی بی!" چمن نے برا سا منہ بنا کے پوچھا۔ اسے اپنے لیے "تجربہ کار" کا لفظ اچھا نہیں لگا۔

"ارے بھئی یہی کہ کسی کی تیزی کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی آنکھوں سے لگاؤ اور اس لڑکی کی تیزی کا اندازہ اس کی آنکھوں سے بخوبی ہو رہا ہے۔"

"امی ٹھیک کہتی ہیں اس لڑکی کی تصویر دیکھ کر میری تو دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میرے سامنے آئے گی تو میں تو خوف کے مارے بے ہوش ہی ہو جاؤں گی۔" شہیلہ نے بھی بھرپور انداز میں ماں کا ساتھ دیا۔

"چچی بی تجربہ کار تو آپ دونوں ہیں۔ میں تو لڑکی سے مل کر بھی اس کی تیزی اور آنکھوں کے شرارے نہیں دیکھ سکی اور آپ دونوں نے تصویر دیکھ کر ہی اسے بھانپ لیا۔" چمن آرا نے خود کو تجربہ کار کہنے کا بھرپور انتقام لیا اور دل ہی دل میں خوش ہوئی۔ جب کہ چچی بی جز بز ہو کر رہ گئیں۔

"اوہو بھئی، ہم نے کہاں بھانپ لیا؟ ہماری آنکھیں ایسی کہاں کہ کسی کو بھانپ سکیں وہ تو ہم نے ایک بات سنی تھی تو تم سے ذکر کر دیا۔ ورنہ تم تو ہماری سادگی اور بھولپن سے واقف ہی ہو۔ ان میں سے کوئی لڑکی ہمارے دل کو نہیں لگی۔ تم ہمیں اچھی لڑکیوں کی تصویریں لا کے دکھاؤ۔"

"چچی بی آپ تصویروں کو چھوڑیں۔ کچھ اور لڑکیاں بھی میری نظر میں ہیں آپ چاہیں تو میرے ساتھ چل کر دیکھ لیں۔"

"ہم جانا تو چاہتے ہیں لیکن آج کل ہمیں کچھ تھکن سی ہو رہی ہے ہم تھوڑا سا کام کرتے ہیں، ذرا سی سیڑھیاں چڑھتے اترتے ہیں اور تھک جاتے ہیں۔ اس وجہ سے بڑے پریشان ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے؟"

"چچی بی! اس میں پریشان ہونے اور سمجھ میں نہ آنے والی کیا بات ہے یہ تو عمر کا تقاضا ہے، اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

چمن آرا کے کہنے پر چچی بی نے جھٹکے سے سر گھما کے اس کی طرف ایک چلچلاتی نظر ڈالی۔ "ارے بھئی چمن آرا! تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ ہماری اتنی عمر کہاں ہے کہ اس قسم کے تقاضے ہوں۔" انہوں نے نہایت ناگواری سے کہا۔

"کیوں نہیں چچی بی! آپ چونسٹھ سال کی تو ہو گئیں۔"

"ہائیں۔" چچی بی تو ہق دق ہی تو رہ گئیں۔ چمن آرا نے کوئی بھی لحاظ کیے بغیر پٹاخ سے ان کی عمر بتا دی تھی۔ وہ تو اپنی زندگی میں اتنی مست تھیں کہ انہوں نے بہت عرصے سے عمر کے بارے میں سوچا ہی نہ تھا اور اپنے لیے "بوڑھی" کا لفظ سننا اور سمجھنا تو انہیں ویسے ہی پسند نہیں تھا۔

"اوہو بھئی چمن آرا! ہمیں تو یونہی ذرا سی تھکن ہو گئی تھی۔ تو ہم نے تم سے ذکر کر دیا۔ ہماری تھکن کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم سے بڑی عمر کی عورتیں بازاروں میں دندناتی پھر رہی ہیں۔"

"چچی بی! آپ سے بڑی عمر کی عورتیں اتنا دندنانے کی وجہ سے تو اپنی ہڈیاں تڑوا کے اسپتالوں میں پڑی ہیں۔ آپ تو سمجھداری سے کام لیتی ہیں جو اس عمر میں گھر پہ آرام کر رہی ہیں۔"

چچی بی کو چمن آرا کی طرف سے ایسے تابڑ توڑ حملوں کی امید ہرگز نہیں تھی۔ اس قدر سچی اور کچی بات پر انہیں کوئی جواب ہی نہ بن پڑا۔ وہ ایک چبھتی ہوئی خشمگیں نظر چمن آرا پر ڈال کر رہ گئیں۔

"اچھا! چچی بی میں چلتی ہوں آپ کو کوئی لڑکی دیکھنی ہو تو مجھے بتا دیجیے گا۔" چمن آرا کہہ کر چلتی بنیں مگر وہ چمن آرا کے جاتے ہی پھٹ پڑیں۔

"آج تو چمن آرا ہمیں بہت ہی بری لگی۔ اس نے نہ کوئی حد رکھی نہ لحاظ۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی! آج تو مجھے اس چمن آرا میں کوئی اور ہی چمن آرا لگ رہی تھی۔"

"ارے بھئی ہمیں تو آج وہ صرف آرا لگ رہی تھی۔ نام چمن اور زبان کی آرا۔ آج تو اس نے ہمیں آرا بن کے ہی کاٹا ہے لو بھلا غضب خدا کا۔ اس نے ہمارے ہی منہ پر ہماری عمر بتا دی اور ہم اس کا کچھ نہ کر سکے۔ بس سہمے ہوئے خرگوش کی طرح خوف زدہ سے بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ آج اس نے ہمیں بڑا صدمہ پہنچایا۔ دکھ اور صدمے سے ہمارا دل تو ابھی تک زخمی کبوتر کی طرح پھڑپھڑا رہا ہے۔" چچی بی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ چمن آرا کو کچا چبا جائیں۔

"امی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آج تو چمن آرا بالکل تلوار بنی ہوئی تھی۔" شہیلہ بھی تپی ہوئی تھی۔

"آج تو وہ منہ زور گھوڑے کی طرح ہم پر چڑھتی چلی آ رہی تھی۔"

"لیکن امی وہ گھوڑا کیسے ہو سکتی ہے وہ تو مونث ہے۔"

"ارے بھئی چلو گھوڑی سہی۔" انہوں نے نہایت جھنجلا کے کہا۔ "ہم تو خود کو پچاس باون سال سے زیادہ کا سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ ذرا آئینہ تو لے کے آؤ ہمیں ہماری عمر پچاس سال سے زیادہ تو نہیں لگنے لگی ہے۔" چچی بی کو خدشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

"امی آپ تو ایسے ہی پریشان ہو گئی ہیں۔ آپ کی اسمارٹنس پر تو سب رشک کرتے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ چمن آرا ہم سے جلتی ہے۔" شہیلہ نے اپنے تئیں بڑی پتے کی بات کہی تھی۔ جو ٹھاہ کر کے ان کے دل کو لگی۔

"ارے بھئی اس میں لگنے کی کیا بات ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے۔ آج تو اس نے اپنی جلن ہمیں دکھا ہی دی۔"

"امی! آپ اب چمن آرا سے لڑکیاں دیکھنے کے لیے نہ کہیں ہم لڑکی خود ہی دیکھ لیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، اس نے کوئی اپنے جیسی تیز تلوار لڑکی ہمارے سر تھوپ دی تو ہماری تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ہمیں تو کوئی ہوشیاری آتی ہی نہیں ہے۔ اب وہ کم بخت چمن آرا آئے تو اللہ ماری کے لیے دروازہ مت کھولنا۔ ہم اب اس آرے کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس کی باتوں نے تو ہمیں بالکل ہی کاٹ کے رکھ دیا آج تو چمن آرا نے ہمارے وجود کے پرخچے اڑا دیے۔ بھلا ہم نے ایسا کہاں سوچا تھا کہ کوئی ہمیں ہماری عمر بتانے کی کوشش کرے گا۔" چچی بی کا دکھ کم ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

"چمن آرا تو ہے ہی جل ککڑی۔ آپ خواہ مخواہ دل پر مت لیں۔ آپ ابھی بھی جوانوں سے اچھی ہیں۔" شہیلا نے ان کے جلتے ہوئے بوڑھے دل پر تسلی کا پھایا رکھا تو انہوں نے لیٹتے ہوئے آنکھیں موند لیں نجانے دکھ سے کہ سکون سے؟

☆☆☆☆

"ہم اب کچھ اور سوچ رہے ہیں۔" چمن آرا کی آرے کی مانند کاٹتی باتوں پر کئی دن مضمحل رہنے کے بعد آج انہوں نے بیٹی سے بات کی۔

"کس بارے میں۔" شہنیلا بھول بھال گئی تھی۔

"ارے بھئی اپنی بہو کے بارے میں اور کس بارے میں۔" وہ جھنجلا گئیں۔

"امی یہ کام آپ کے ہی سوچنے اور کرنے کا ہے۔ بیچ میں کسی کو ڈال کر آپ نے غلطی کی تھی اچھا یہ تو بتائیے آپ نے سوچا کیا ہے؟"

"ہماری کزن رقیہ جو گاؤں میں رہتی ہیں ان کی بیٹی کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں۔ وہ شہر کے جھمیلوں سے دور گاؤں کی لڑکی ہے شاید مڈل پاس ہے ہمارے شاہ ویز کے لیے وہی ٹھیک رہے گی۔ دیکھنے میں بھی سیدھی باؤلی اور بے وقوف سی لگتی ہے اور بہو ایسی ہی ہونی چاہیے۔ یہ شہری لڑکیاں تو بڑی تیز و طرار اور خرانٹ ہوتی ہیں۔ ہم بالکل سیدھے سادے ہیں۔ چال بازی ہمارے اندر ہے نہیں۔ ہمارے لیے وہ لڑکی بالکل ٹھیک رہے گی۔" وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ چکی تھیں۔ شہنیلا بھی سن کر بہت خوش نظر آنے لگی۔

"امی آپ نے لڑکی تو بڑی زبردست چنی ہے۔ رقیہ خالہ بھی بڑی سیدھی سادی سی ہیں۔"

"اور کیا بھئی سلیقہ مند اور محنتی بھی بہت ہے۔ ہم دونوں کو پلنگ پر بٹھا کر کھلائے گی۔"

"ہائے امی سچ مزا آجائے گا۔ میرا تو بڑا دل چاہتا ہے، خدمت کروانے کو۔ بس ادھر تالی بجائی ادھر سب کچھ حاضر ہو گیا۔" شہنیلا نے خوشی سے سرشار ہو کے کہا۔

اور پھر دونوں ماں بیٹی اپنے بنائے منصوبے میں کامیاب ہو گئیں۔ گلاب ان کی زندگی میں بہار بن کر آگئی۔

دونوں گلاب سے بہت خوش تھیں۔ انہیں تو اس سے کچھ کہنا ہی نہیں پڑتا تھا کہ خدمت گزاری میں تو وہ ملازموں سے زیادہ اچھی ثابت ہوئی۔ کام پلک جھپکتے میں کر دیتی تھی۔ صبح سے رات کام میں جتی رہتی وہ دونوں پہلے پہل تو خوش حیران ہوتی رہیں کہ یہ لڑکی ہے یا جن سارا دن دوڑ کر کام کرتی ہے نہ تھکتی ہے نہ بولتی ہے۔

آج چھٹی کا دن تھا ناشتے میں گلاب نے ویز کی پسند کی چیزیں بنائیں۔

"اوہ گاڈ گلاب آج تم نے کیسا ناشتا بنایا۔ تمہیں پتا ہے کہ میں حلوہ پوری نہیں کھاتی ہوں نہ میرے میاں یہ ناشتا پسند کرتے ہیں۔" شہنیلا نے نہایت ناگواری سے کہا۔

"تم دونوں میاں بیوی اور تمہاری پسند میری ذمہ داری نہیں ہے۔ میری ذمہ داری تو میرے شوہر اور امی ہیں۔" گلاب نے صاف کورا جواب دیا۔

شہنیلا کو گلاب کی طرف سے ایسے جملے کی امید ہرگز نہیں تھی۔ اس نے گھبرا کے ماں کی طرف طلب نظروں سے دیکھا انہوں نے بھی حیرت سے گلاب کی طرف دیکھا۔ مگر شاہ ویز نے فی الفور مداخلت کی اور رکھائی سے کہا۔

"ویسے یہ بات تو گلاب نے بالکل ٹھیک کی۔ جیسے میری بیوی میرے کام کر رہی ہے۔ اس طرح تم بھی اپنے اور اپنے میاں کے کام کرو۔"

گلاب کے لیے میاں کی طرف داری دونوں ماں بیٹی کو بالکل پسند نہیں آئی۔ یہ وہی شاہ ویز تھا جو خود کھانے سے پہلے بہن بہنوئی کو کھلاتا تھا۔ بیوی کے آتے ہی اس نے نظریں پھیر لیں۔ شہنیلا آنکھوں میں آنسو لیے میز سے اٹھ گئی۔ پھر ایسے واقعات آئے روز ہونے لگے۔ گلاب کی زبان کھل گئی تھی اور شاہ ویز بیوی کی بھرپور حمایت لیتا اور شہنیلا کی بات رد کرتا۔

اس دن شام کو سب بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"امی میں سوچ رہی ہوں کہ ڈرائنگ اور ڈائننگ روم کے پردے تبدیل کر دیے جائیں۔" شہنیلا نے اپنا خیال پیش کی۔

"شہنیلا یہ سب تبدیلیاں تم اپنے گھر جا کر کرنا۔ اپنے گھر کے کام کرنے کے لیے میں ہوں نا۔" گلاب کے کہنے پر شہنیلا کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میرا اور کون سا گھر ہوگا۔ میرا تو یہی گھر ہے۔" شہنیلا نے چیخ کر کہا۔

"یہ تمہارا گھر نہیں، میکہ ہے اور میکے میں تو لڑکیاں بس کچھ دن رہنے کے لیے آتی ہیں۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں یہاں سے نہ ابھی کہیں جا رہی ہوں اور نہ آئندہ کبھی جاؤں گی۔ یہی میرا گھر ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح سے سمجھ لو اور یاد بھی کر لو۔" شہنیلا نے جل کے چبا چبا کر ہر لفظ ادا کیا۔

"ارے، مجھے تو یہ بات پتا ہی نہیں تھی کہ شادی کے بعد میکہ ہی لڑکی کا اصل گھر ہوتا ہے۔ شاہ ویز اٹھیے آپ تیار ہو جائیے۔ میں جب تک پیکنگ کر لیتی ہوں اب میں بھی اپنے شوہر کے ساتھ اپنے اصل گھر میں رہوں گی۔ ورنہ میں تو اسی گھر کو اپنی جنت سمجھ رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ گلاب کو شہنیلا کی یہاں موجودگی گراں گزرتی ہے مگر اس بار بھی شاہ ویز نے بیوی کی تائید کی تھی۔

"تم میرے کپڑے نکالو میں ابھی آرہا ہوں۔" شاہ ویز چائے ختم کر کے جلدی سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔ مقدس جہاں اور شہنیلا ہق دق سی شاہ ویز کی شکل دیکھنے لگیں۔

"ارے بیٹا تم کہاں جا رہے ہو؟" مقدس جہاں نے بوکھلا کے بیٹے سے پوچھا۔ شہنیلا بھی ساکت تھی۔

"معاف کیجیے گا امی! مجھے سسرال کا ماحول سمجھنے میں کچھ وقت لگا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ میرا گھر نہیں ہے اب میں بھی اپنے میاں کے ساتھ اپنے اصل گھر میں رہوں گی۔" گلاب نے کہا اور شاہ ویز کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی اور مقدس جہاں ایسے ٹھنڈے اور میٹھے جوتے پر کچھ بول ہی نہ سکیں۔ ان کا بیٹا تو مکمل طور پر بیوی کا ہو گیا تھا۔ ان کے بڑھاپے کا وہی سہارا تھا۔ وہ گاؤں کی سیدھی سادی لڑکی بیاہ کر لائی تھیں۔ لیکن یہاں تو اس سیدھی نے آ کے ان ماں بیٹی کو سیدھا کر دیا۔ انہوں نے سنجیدگی سے غور کیا تو گلاب کی بات دل کو لگی۔ جب ان کی بیٹی میکے کو اپنا گھر بنا کے بیٹھی تھی تو بہو کو بھی یہی کرنا تھا۔ اس عرصے میں انہوں نے تو کبھی بیٹی کو سمجھا بجھا کے اسے سسرال واپس بھیجنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سدا بیٹی کی حمایتی رہیں اور اسے درست تصور کرتی رہیں۔ اگر چہ اسے بٹھائے رکھنے میں دنیا کے کیا کیا طعنے نہ سنے تھے۔ مگر نہ...... اور اب اسی بیٹی کی بدولت ان کا گھر ویران ہو جائے انہیں قطعاً منظور نہ تھا۔ وہ بیٹی کی حماقت کی وجہ سے اپنا اتنا شاندار اور فرمانبردار بیٹا اور خدمت گزار بہو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ بیٹی کو اس کے گھر بھیجنے کے منصوبے بنانے لگیں کیونکہ وہ اپنی جنت کو دوزخ نہیں بنانا چاہتی تھیں۔

یہ چاہتیں یہ شدتیں

سمیرا شریف طور

نفرت سے اور پیار سے پہلے کی بات ہے
یہ تجھ پہ اعتبار سے پہلے کی بات ہے
دل میرے اختیار میں ہوتا تو تھا مگر
یہ تیرے اختیار سے پہلے کی بات ہے

قارئین کے نام

السلام علیکم! امزاج بخیر، اپنی تحریر سے ہٹ کر شاید پہلی بار قارئین کے نام یوں احوال دل بیان کرنے کا موقع ملا ہے۔ کہانی کے آغاز میں ہزار چاہنے کے باوجود میں کچھ نہ لکھ سکی مگر اختتام پر چند الفاظ عرض ہیں جو جاں برتے جنہیں قارئین کے سپرد کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے۔ جو پوری کرنے جا رہی ہوں۔ سب سے پہلے تو قارئین اور ادارے کے تمام افراد سے آپی فرحت آرا ہی کی ناگہانی وفات پر تعزیت کا اظہار کرتی ہوں۔ جب لکھنا شروع کیا تو اپنی پہلی تحریر بھیجنے کے بعد ہی میرا آپی جان سے قلمی تعلق بنا۔ اس سے پہلے نہ کوئی رابطہ تھا اور نہ ہی نام سے آگہی مگر جس طرح آپی جان نے محبت و شفقت سے نوازا تو یقین و اعتماد کو سہارا ملا اور لکھنے کا عزم مزید بڑھا اور اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ مجھے وہ دن ابھی بھی یاد ہے جب پہلی بار آپی سے فون پر بات ہوئی محبت و پیار کی چاشنی سے ڈوبی وہ پر شفقت آواز اور لب و لہجہ میں کئی دن تک نہ بھولی اور پھر اکثر ان سے بات ہونے لگی۔ طاہر بھائی سے بھی کبھار رابطہ کر لیتی یا آپی سے وہ میرے لیے ایک سایہ دار درخت کی طرح تھیں جنہوں نے مجھے بہت حوصلہ دیا۔ ان سے فون پر میری وہ آخری بات تھی جب میں بہت بیمار رہنے لگی تھی۔ تین چار ماہ پہلے کی بات ہے ناول اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا مگر اپنی صحت اور ذہنی کنڈیشن کی بدولت لکھنے سے قاصر تھی۔ مجھے تو یہ بھی یقین نہیں تھا کہ میں کبھی لکھ بھی پاؤں گی کہ نہیں مگر آپی جان نے جس طرح مجھ سے بات کی میری ہمت بندھانے مجھے ناول کا اختتام لکھنے پر آمادہ کیا وہ الفاظ نہیں بھولتے۔ میری طبیعت اتنی خراب تھی سانس کی آمد و رفت کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا لگتا تھا اب زندگی ختم ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر کے کلینک میں بیٹھی ہوئی تھی جب آپی کی کال آئی۔ مجھ سے بات کرنا محال تھا اور میری کنڈیشن کو محسوس کرتے وہ بہت غمزدہ ہوئی تھیں ان کی وہ محبت و شفقت

میں بھول نہیں پائی۔ مجھے انہوں نے بہت سی نصیحتیں کی تھیں اور میں نے ان پر عمل کرنے کا بھی سوچا تھا اور پھر دسمبر کے وہ آخری دن جب ایک دن طاہر بھائی کا میسج آیا کہ فرحت آپی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ آئی سی یو میں ہیں دعا کریں اور دیگر احباب سے بھی کہیں تو دل کو بڑی تکلیف ہوئی مگر ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہ تھا کہ وہ یوں اچانک داغ مفارقت دے جائیں گی۔ محض دو دن بعد طاہر بھائی نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور دل خون کے آنسو رویا۔ بہت چاہا کہ آنچل میں ایک تعزیتی خط لکھوں مگر میری ذہنی کنڈیشن مسلسل ایسی رہی کہ میں ایک لفظ نہ لکھ پائی۔ (پتا نہیں میں نے آخری اقساط کیسے لکھ لی تھیں؟) اور اب جب ناول کا اختتام ہو چکا ہے تو یہ چند لفظ لکھنے کی جسارت کر پائی ہوں۔ ان سے ہمارا، قارئین و رائٹرز کا جو تعلق تھا وہ کسی لفظ کا محتاج نہیں ان کی کمی ہر لمحے محسوس ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اللہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین) اب آتی ہوں قارئین کی طرف! یہ ناول جب شروع کیا تھا تو یہ یقین ضرور تھا کہ ناول کو ٹاپ پر لے کر جانا ہے مگر گمان نہیں تھا کہ قارئین کی طرف سے اتنی پزیرائی ملے گی۔ یہ قارئین کی بے پایاں محبت و نوازش ہے کہانی کا پلاٹ بہت پرانا ہے۔ میرا آدھا کالج اور فورتھ ائر کی تمام طالبات میرے لکھے مسودے کو تب ہی پڑھ چکی تھیں جب میں نے اس کو صرف دوستوں ہی کو پڑھوایا تھا اور میں تب فرسٹ ائر میں تھی۔ اس کے کردار صرف زرش سمعان تک محدود تھے مگر کچھ سال گزرنے کے بعد مجھے کہ یہ کہانی قسط وار ناول کی صورت بہت ٹاپ پر رہے گی اور پھر میں نے یہ ناول جو 10th کے درجے میں تھا فرسٹ ایئر میں آ کر لوگوں کی داد حاصل کرنے کے بعد آج سے تین سال پہلے قسط وار لکھنا شروع کیا تھا۔ بہت محبت، پزیرائی اور داد ملی مگر اکتوبر سے لے کر اپریل تک کی تمام اقساط لکھنا میرے لیے ایک انتہائی تکلیف دہ اذیت ناک عمل رہا۔ گزشتہ چند ماہ میں میری ذات، میری ذہنی کنڈیشن میں ایسے تغیرات پیدا ہوئے کہ مجھے بعض اوقات حیرت ہوتی کہ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ زندگی سے بھی بہت محبت تھی۔ اک جنون، اک عزم تھا مگر اب بس زندگی گزاری جا رہی ہے کیونکر پتا نہیں؟ بس دل چاہ رہا ہے کہ جو دل کے اندر ہے وہ شیئر کروں میں نے خود بڑی کوشش کی کہ خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھوں۔ روٹین تو میری پہلے بھی بڑی بزی تھی مگر اب میں خود کو ذہنی طور پر بھی فارغ رہنے نہیں دیتی۔ خیر میری ذات کے حوالے سے بھی قارئین بہنوں کو کچھ حد تک تجسس رہتا ہے اس لیے میں اپنی ذات کے متعلق بھی تفصیلی بتا دیتی ہوں۔ میرا ریئل نیم سمیرا شریف ہے۔ طور ہماری کاسٹ ہے مگر ہر کوئی سمیرا شریف طور کے نیم سے ہی جانتا ہے۔ ایجوکیشن میری ایم اے اردو اور ماسٹر ان اسپیشل ایجوکیشن ہے۔ (اسپیشلائزیشن ان ویژلی ہینڈی کیپ چلڈرن (بصارت سے محروم بچوں) میں ہے) ہم چھ بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ چار بہنوں کی شادی ہو چکی ہے۔ میرا نمبر چھٹا ہے اور پھر دو بھائی ہیں۔ میرے بارے میں عموماً قارئین کو گمان رہتا ہے کہ میں میرڈ ہوں

ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آج کل سماعت و گفتار سے محروم بچوں کو پڑھاتی ہوں۔ سیکنڈ ٹائم اپنی اکیڈمی دیکھتی ہوں ابو وفات پا چکے ہیں۔ پڑھنے پڑھانے کے علاوہ لکھنا لکھانا محض شوق اور اپنی ذات کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ میری روٹین کچھ یوں ہے کہ صبح سات بجے اسکول کے لیے نکلتی ہوں اور اسکول ٹائمنگ دو بجے تک ہے گھر آتے 3 بج جاتے ہیں اور پھر رات آٹھ نو بجے تک بچوں میں مصروف وقت گزرتا ہے اور اس کے بعد کھانا کھانے نماز پڑھنے کے بعد جو پہلی ترجیح ہوتی ہے وہ نیند ہوتی ہے ایک گہری پُرسکون نیند۔ اپنی ذہنی کنڈیشن کے سبب میری اب ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ خود کو ایک پل بھی فارغ نہ رہنے دوں اسی لیے اسکول میں خود کو صبح اور بریک کی ٹائمنگ میں بیڈمنٹن کھیل کر تھکاتی ہوں۔ سارا دن بچوں میں مصروف رہتی ہوں۔ گاڑی میں بیٹھے کوئی نہ کوئی کتاب پاس رکھتی ہوں کہ ذہن کو مصروف رکھوں اور پھر جب رات سونے کو لیٹتی ہوں تو بہت اچھی اور قدرتی نیند آتی ہے اور اگلے دن وہی روٹین ہوتی ہے۔ یہ تو تھا میرے اپنے بارے میں اب آتی ہوں کہانی کی طرف! میں نے اس کہانی کی وجہ سے قارئین کا ضبط بڑا آزمایا ہے۔ ہر طرح کے ریمارکس اور آرا ملیں اور میرا تجربہ وسیع ہوا۔ زرش میرا بہت معصوم اور فیورٹ کردار ہے جو آپ کو اسی دنیا میں ملے گا ہر دوسری لڑکی میں آپ کو زرش کی ذات دکھائی دے گی۔ پھر سمعان احمد کا کردار ہے ہر لحاظ سے متوازن اور آئیڈیل یہ ہمارے اندر بسنے والے ہزاروں آئیڈیل ازم کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ جہاں بے ترتیبی ہے وہاں اس کی وجہ سے ترتیب ہے، جہاں نفرت ہے وہاں اس کی وجہ سے محبت ہے، جہاں زرش کی ضد ہے وہاں اس کی صلح جُو طبیعت کام آتی ہے۔ پوری کہانی میں سمعان احمد، نوار اور فرح کے ساتھ ساتھ شائستہ بیگم کے کردار معاشرے کے بگڑے کرداروں کو توازن میں رکھنے میں معاون رہتے ہیں۔ زرش، شارق زمان اور رضا حیدر کے ساتھ رمشاء کے کردار اعتدال پسندی کی روٹین سے دور بے توازن کرداروں کی نمائندگی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ نوریہ کا کردار اپنی ذات کی اچھائی کو لے کر اور اسی پر قائم رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ذاتی طور پر اس ساری کہانی میں میرے فیورٹ کردار سمعان، زرش اور نوریہ کے تھے اور انہی کرداروں پر میں نے زیادہ توجہ بھی دی۔ بہت سے اعتراضات ہوئے اور تنقید بھی پڑھی مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ قارئین نے ہر کردار کو اپنی محبت و توجہ سے بڑا خاص بنا دیا اور اس خاص پن میں ہی میں نے اپنی صلاحیتوں کی پہچان حاصل کی۔ ہو سکتا ہے یہی میری لاسٹ کہانی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے میں زندگی میں ہمیشہ لکھوں ابھی کچھ کہنا فضول ہے۔ مجھے زندگی سے اب کوئی گلہ نہیں رہا مجھے زندگی نے سب کچھ دیا محبت، تعلیم، عزت، دولت، شہرت اور بلند مقام مگر......! جب انسان "مگر" کی بات کرتا ہے تو اللہ اس سے اس کی ذات کا سکون چھین لیتا ہے۔ یہی سبق میں نے اس کہانی سے حاصل کیا۔ یہ کہانی آپ کو اس معاشرے میں رہتے بہت سے کرداروں کی کہانی محسوس ہوگی۔ سمعان کا کردار محض کردار نہیں یہ ہمارے اندر بسنے

والی سوچ ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم خود کس کردار میں ہو تو میں مسکرا دیتی ہوں۔ ایک رائٹر اپنی کہانی کے ہر کردار میں ہوتا ہے۔ وہ ہر کردار کے ساتھ روتا ہے وہ ان کے ساتھ ہنستا ہے۔ ان کے دکھ اس کے دکھ ہوتے ہیں اور ان کے غم اس کے غم ہوتے ہیں۔ رائٹر اور اس کے کردار ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں پھر وہ ان سے کیسے علیحدہ ہوسکتا ہے......؟ آپ مجھے سمعان کے کردار میں دیکھ سکتے ہیں۔ زرش کی جذباتی اور سادہ فطرت میں ڈھونڈ سکتے ہیں۔ شارق زمان کی سوچ کے الجھاؤ میں پھنسے دیکھ سکتے ہیں۔ رضا کی خود پسندانہ محبت میں دم بھرتا دیکھ سکتے ہیں۔ رمشا کی لاابالی اور جذباتی سوچ میں ڈھونڈ سکتے ہیں۔ نواز کی ٹھہری مگر متزلزل طبیعت میں پاسکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر نویرہ کے باکردار وجود میں میرا وجود دیکھ سکتے ہیں۔ جب اتنے کرداروں میں میری ذات بٹ گئی ہے تو میں علیحدہ سے اپنا تعارف کیا کرواؤں۔ امید ہے اس کی آخری قسط بھی پسند کی جائے گی۔ بہت سے لوگوں نے ڈیمانڈ کی کہ اینڈ بہت رومینٹک سا ہونا چاہیے۔ مگر بہت رومینٹک لکھنے کی کوشش میں انکشاف ہوا کہ میں رومینس لکھنا ہی بھول گئی ہوں۔ اب جو بھی لکھا ہے قبول کیجیے گا۔ میں نے قارئین کا بہت ضبط آزمایا۔ کہانی کچھ لمبی ہوگئی تھی، مگر اینڈ ہو ہی گیا۔ میرے لیے ایک پُرسکون، مطمئن اور صحت یابی والی زندگی کی دعا ضرور کیجیے گا۔ مجھے لگتا ہے میرے پاس دعائیں بہت کم ہیں یا وقت بہت کم ہے اور یہ دونوں چیزیں میں ذخیرہ کرنا چاہتی ہوں مگر...... خوش رہیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ زندگی رہی تو پھر لکھتی رہوں گی۔ اللہ حافظ، والسلام۔

سمیرا شریف

☆......☆

دل تو چاہ رہا تھا کہ اتنے دنوں کا غبار آج ہی نکال دے۔ اتنے دنوں بعد دیکھا تھا نگاہوں کو قرار کہاں تھا مگر وہ ابھی بھی اسی مقام پر تھی۔ اگر اس مقام پر نہ ہوتی تو شاید یہ حالات نہ ہوتے۔

تائب تو وہ خود ہوا تھا وہ نہیں۔ اس لیے حالات کو اسے اب خود ہی بدلنا تھا۔

اسے نویرہ کو منانے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ ایک دم وہ بھلا کیسے سنبھل جاتی؟

''انسپکٹر انجم نے بہت ساتھ دیا ہے میرا۔ اس سلسلے میں کہ تم اس وقت میرے سامنے ہو۔ چلیے چلیے گھر بھی۔ وہاں جاکر تمہیں جس طرح غائب ہونا ہے اچھی طرح علم ہے مجھے۔ کیا خیال ہے آج کی رات ادھر نہ گزاریں بڑا پُرسکون کمرا؟'' وہ پھر شرارت سے گویا تھا۔

نویرہ آخری جملے پر چیخ گئی تھی۔

''آپ نے ساتھ چلنا ہے تو ٹھیک ورنہ میں خود چلی جاتی ہوں۔ راستہ مجھے اچھی طرح آتا ہے۔'' شرارت پر اس نے بڑی سنجیدگی سے کہتے اپنا بیگ کندھے پر ڈال لیا۔ اس وقت وہ شولڈر بیگ کے سوا سامان زرش کے ہاں ہی چھوڑ آئی تھی کہ پھر بھی منگوا لے گی۔ شارق کو سنجیدہ ہونا پڑا تھا اور پھر بغور اسے... وہ چٹانوں کی سی سختی لیے ہوئے تھی۔

''آپ میری ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں شارق صاحب! عورت کو صرف ایک بار گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکالنا مشکل ہوتا ہے اس کے بعد اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں رہتا۔ اس کو ایک بار اپنے اندر پلتے خوف کا سر کچلنا پڑتا ہے۔ میں اب بھی وہی نویرہ ہوں۔ وہی نویرہ، جسے آپ رضا کی چند باتوں کے عوض چھوڑ دینے کی بات کرتے تھے۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ میری ذات، میری زندگی تماشا بن گئی ہے مگر میں کسی کو اپنی انا اور اپنی وفا سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ آپ نے اور نبیل بھائی نے جو کرنا تھا کرلیا مگر اب آپ کے کسی کھیل کو میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ میں صرف زرش کی وجہ سے دوبارہ آپ جیسے شخص کا سامنا کرنے پر مجبور ہوئی ہوں، مجھے آزمانے کی کوشش مت کیجیے گا۔ اس دفعہ تو آپ نے یہ کارڈز کھیلے اور جیت ہمیشہ کی طرح آپ کا مقدر بھی رہی مگر ہر بار مقدر ساتھ دے جائے، ضروری بھی نہیں۔'' وہی بے لچک، کھردرا اور دوٹوک انداز تھا۔ انداز جتاتا ہوا کافی حد تک طنزیہ تھا۔ تنبیہ کرتا لب ولہجہ شارق زمان کی جذباتیت کو ہوا دینے کے لیے کافی تھا مگر ہر بار کی طرح اس نے اس بار جذبات میں کچھ کہنے کی بجائے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

اپنی جذباتیت اور جلد باز طبیعت کے ہاتھوں وہ ایک شدید نقصان بھگت چکا تھا۔ نویرہ حق پر تھی اور وہ غلطیاں کرچکا تھا۔ بڑے سبھاؤ سے اسے اب اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا تھا۔ حالات اپنے حق میں موافق کرنے تھے۔ نویرہ کو خود سے بدظن کرنے والا وہ خود تھا اور اب اسے خود ہی اپنی طرف سے مطمئن کرنا تھا مگر شاید اس میں کچھ وقت درکار تھا۔

''میرا خیال ہے گھر ہی چلنا چاہیے۔ اتنا خراب موڈ ہے تمہارا، گھر جاکر اماں اور رفعت باجی سے مل کر شاید بہتر ہوجائے۔''

نویرہ اپنی تلخ باتوں کے جواب میں اتنا متحمل انداز دیکھ کر لب بھینچ گئی۔ کہنے کو اس کے پاس بہت کچھ تھا۔ یہ شخص اس کے جذبوں کی رسوائی اور ذلت کا قرض دار تھا مگر......!

شارق زمان نے اسے اپنے دل کی مزید بھڑاس نکالنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔ اس نے اسے ایک دم چپ سادھ لینے پر مجبور کردیا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ حشر نشر کردے۔

''لاؤ! اسے مجھے دے دو۔'' آگے بڑھ کر معصب کی طرف ہاتھ بڑھاتے اس نے جیسے اس کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھا ہی نہ تھا۔

انتہائی اس نے متحمل اور ٹھنڈا مزاج ہونے کا ثبوت دیا تھا کہ جیسے وہ شروع سے ایسا ہی تو تھا۔

ہاتھ بڑھا کر نویرہ کے کندھے سے لگے بیٹے کو اس نے بازوؤں میں بھر کر بڑی محبت سے رخسار پر بوسہ لیا۔ نویرہ بڑے تیکھے اور بگڑے زاویوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسے شارق زمان کا یہ انداز ڈراما لگ رہا تھا۔

''چلیں حضور!'' انداز ایک بار پھر شرارتی ہوا تھا۔ نویرہ غصے سے پاؤں پٹختی اس سے پہلے ہی کمرے سے باہر نکل آئی۔

شارق زمان نے راستے ہی سے گھر فون کردیا تھا۔

"آپ کے لیے ایک زبردست خبر ہے۔"
رفعت باجی جو ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں، شارق کی بات پر چونکی تھیں۔
"کیسی خبر......؟"
"میں گھر آرہا ہوں۔ ساتھ ہی خوش خبری لے کر آرہا ہوں۔ خود ہی دیکھ لیجیے گا۔" بڑے عرصے بعد رفعت باجی کو شارق کی آواز میں چہک محسوس ہوئی۔ ہنستا مسکراتا انداز تھا۔
"اماں کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"کمرے میں...... ابھی شاکرہ کو کہہ آئی ہوں کہ انہیں سونے دے۔"
"اچھا! انہیں کچھ دیر کے لیے سونے مت دیجیے گا۔ میں کچھ دیر میں گھر پہنچ رہا ہوں، اللہ حافظ۔"
اور رفعت باجی پچھلے آدھے گھنٹے سے محو انتظار تھیں۔ اماں کو اس نے ڈسٹرب تو نہیں کیا تھا مگر وہ ابھی تک اندازہ نہ لگا پائی تھیں کہ ایسی کیا بات تھی جو شارق نے اماں کو جاگتے رہنے کا کہا تھا۔
بارہ بجے کے قریب شارق کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ اپنے کمرے سے نکل آئیں۔ چوکیدار کو پہلے ہی گیٹ پر رہنے کا کہہ چکی تھیں۔ باہر جانے کی بجائے وہ لاؤنج میں ہی آکر بیٹھ گئی تھیں۔
"السلام علیکم آپا!" اگلے دو منٹ بعد ہی شارق زمان کی چہکتی آواز سنائی دینے کے ساتھ شارق کے عقب میں انہیں جو چہرہ دکھائی دیا، انہیں لگا کہ زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔
"نوریہ؟" مارے خوشی کے ان کی چیخ نکل گئی۔ "ارے...... نوریہ...... تم...... کہاں تھیں؟"
اگلے ہی پل وہ خوشی سے بے حال ہوتے اس کو گلے لگا کر رو پڑیں۔ کئی بار ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر اس کی پیشانی چومتے انہیں اس کے اپنے سامنے ہونے پر یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔ آپا کے اس والہانہ پن پر نوریہ بھی اپنے آنسو نہ روک پائی تھی۔
خود کو پتھر بنا لیا تو اور بات تھی ورنہ دل تو خون کے آنسو روتا تھا۔ بھلا کوئی خوشی سے بھی ایسی ذلت خریدتا ہے؟
"یہ تم نے کیا کردیا نوریہ؟ کیوں گئی تم؟ کوئی یوں بھی کرتا ہے؟ اور تم تھیں کہاں اتنا عرصہ......؟" کچھ دیر اس کے گلے لگ کر خوب رو دھو کر سر اٹھا کے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ چہرہ صاف کرتے ان سے دور ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔
انہوں نے نوریہ کے چپ چاپ انداز پر گھبرا کر شارق کو دیکھا وہ جگمگاتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر مسکرایا۔
"یقین کرلیں، یہ نوریہ ہی ہے۔ بالکل صحیح سلامت۔ مکمل ہوش و حواس میں......" اس کی آواز کی شگفتگی کھلکھلاہٹ جوں کی توں تھی۔ نوریہ نے ایک سلگتی نگاہ ڈال کر دوپٹے سے چہرہ رگڑ کے اپنے نشان مٹائے۔
"یہ تمہیں کہاں مل گئی؟ تھی کہاں......؟" جذباتیت سے نکل کر اب وہ نارمل سوال کر رہی تھیں۔ [illegible] دونوں کو دیکھا۔ نوریہ تو جوں کی توں ہی تھی مگر شارق......
"تھیں کہاں؟ یہ کہانی آپ کو یہ خود ہی سنائیں گی اور ہمیں کہاں سے ملیں؟ یوں سمجھیں کارڈز کھیلنا پڑ

تھے۔ یہ بھی ایک طرح کا کھیل ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔" نوریہ کا جی چاہا کہ شارق زمان کا ہنستا مسکراتا چہرہ نوچ لے۔
رفعت باجی کے کچھ پلے نہ پڑا تھا۔
"اماں کہاں ہیں؟"
"سو گئی ہیں۔" ان کا اب دھیان معصب کی طرف گیا تھا جو کہ شارق کے کندھے سے ہی لگا سو رہا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر محبت سے چوما۔ نوریہ چپ چاپ سر جھکائے قالین کو گھور رہی تھی۔
"آؤ نوریہ! اماں سے مل لو...... وہ تو تمہاری یاد میں دن رات آنسو بہاتے گزار رہی تھیں۔ کتنا ڈھونڈا؟ کتنا یاد کیا تمہیں۔ دعائیں، صدقہ خیرات۔ کیا کچھ نہیں کیا ہم نے...... مگر تم تھیں کہاں؟" وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہوگئی۔
نوریہ چپ چاپ اٹھ کر ان کے ساتھ ہی چل دی۔ شارق بھی ہمراہ تھا۔ اس نے اماں کو اٹھایا اور اٹھنے کے بعد نوریہ کو اپنے سامنے دیکھ کر پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھیں۔ مگر جب حواس بحال ہوئے تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ نوریہ کو گلے لگا کر ہزاروں شکوے کر ڈالے اور نوریہ کو پہلی بار ندامت کے احساس نے اس طرح جکڑا کہ وہ حق پر ہونے کے باوجود اپنی جذباتیت میں یہ قدم غلط اٹھا چکی تھی۔
ایسا قدم جس میں نسلوں کا مان و غرور بکھر جاتا ہے۔ محض ایک شخص کی ضد اور تنگ نظری کے عوض۔ ورنہ وہ تو چادر اور چار دیواری کے تحفظ میں جینے والا وجود تھی۔ اس کی سوچ کو شدت سے منفی رخ پر ڈھالنے والا کون تھا؟
خوابیدہ معصب کو پیار کرتے، نوریہ کا چہرہ چومتے بڑی اماں ابھی تک بے یقین سی تھیں۔
شارق کچھ دیر وہاں رہا تھا پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس ساری بھاگ دوڑ میں تھکن سے برا حال ہو رہا تھا مگر دل و دماغ بڑے تروتازہ تھے کہ نوریہ کا دوبارہ حصول اک نئی زندگی ملنے سے کم نہ تھا۔
زندگی اور موت کا معاملہ تھا یہ تو...... اماں اور رفعت باجی منتظر تھیں کہ وہ کہاں تھی؟ وہ کچھ بتائے اور ان کے بار بار اصرار پر اس نے مختصراً سارا واقعہ کہہ سنایا۔
"اللہ...... دنیا میں اچھے لوگوں کی ابھی کمی نہیں ہے۔ خدا بھلا کرے اس لڑکی کا۔ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تم کسی ایسی ویسی جگہ نہیں جاسکتی ہو۔ باہر کی دنیا ہم سے کب چھپتی ہے بھلا۔ ساری ساری رات تمہارے لیے عزت و آبرو کی دعائیں مانگتے روتے گزار دی ہے ہم نے۔ مرد تو بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ کچھ نہیں سوچتے۔ تم تو سمجھدار اور عقل مند تھیں نا! ایسا قدم اٹھانے سے پہلے ایک بار تو سوچا ہوتا۔ تم نے صرف شارق اور نبیل کی ضد دیکھی، ہمارا کسی کا احساس نہ کیا؟" یہ وہ شکوے تھے جو اسے روزانہ یاد آتے تھے اور وہ ہر بار اپنا دل پتھر کا بنا لیتی تھی مگر اب اماں کے منہ سے یہ الفاظ سن کر کوئی جواب نہ دے سکی تھی کہ اماں کی محبتوں کا کوئی نعم البدل نہ تھا۔ سارا وقت باتوں میں گزر گیا تھا۔ شارق نے کمرے میں جھانکا تو وہ تینوں باتوں میں مصروف تھیں۔ نیند کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔
"کیا ساری رات باتیں کرتے گزار دینی ہے۔ سونا نہیں ہے؟" شارق کی آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ

دروازے میں کھڑا تھا۔اس کے دیکھنے پر مسکرایا تو وہ گردن موڑ کر معصب کو تھپکنے لگی جو پاس ہی بستر پر دراز

''ہاں بس سوتے ہیں۔'' رفعت باجی کے جواب پر بھی وہ کھڑا رہا۔

نویرہ معصب کو تھپکتے اس کے ساتھ ہی دراز تھی۔ اماں بھی لیٹی ہوئی تھیں۔ البتہ رفعت باجی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اپنے کمرے میں جا کر سونا تھا۔ بس باتوں میں نیند ہی اُڑ گئی تھی۔ شاکرہ ایک دو پل کو تھی نویرہ کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ چند پل بیٹھی سنتی رہی تھی اور پھر نیند میں چلی گئی تھی۔

''تم جا کر سو جاؤ۔ نویرہ اماں کے پاس ہی ہے۔ میں بھی چلتی ہوں۔'' رفعت باجی بستر سے اتر شارق سے کہہ رہی تھیں۔ شارق نے بغور نویرہ کو دیکھا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر مکمل طور پر اسے نظر انداز کر گئی۔ رفعت باجی نے نکلنے سے پہلے کمرے کی لائٹ آف کی اور پھر دروازہ بند کرتے شارق کے ساتھ باہر نکل آئی۔

''شارق! میری بات سنو۔'' انہوں نے شارق کے ساتھ چلتے کچھ سوچتے اسے پکارا تو وہ رک کر انہیں دیکھنے لگا۔ ''نویرہ اور تمہارے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہو گئی ہے جسے ایک دم نہیں پاٹا جا سکتا۔ تمہارے گزشتہ تمام رویوں نے اسے جس حد تک برگشتہ کرنا تھا، کر دیا ہے۔ اب وقت کا انتظار کرو۔ جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ غلط نہیں تھی، حق پر تھی۔ تمہاری، رضا اور نبیل کی جانب سے اس کے ساتھ جو جو زیادتیاں کی گئی ہیں، اس نے اس کا سب پر سے اعتبار ختم کر دیا ہے۔ اسے اب سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔ جلد بازی یا جذباتیت کا مظاہرہ کرو گے تو اس سے بڑے سنگین نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اپنی جذباتی فطرت کو کنٹرول کرو۔ گھر یوں نہیں بنتے۔ رشتے یوں نہیں قائم ہوتے۔ میاں بیوی کا رشتہ بڑا نازک ہوتا ہے میرے بھائی! بہت کچھ برداشت کرنا اور سہنا پڑتا ہے۔ اپنی انا، وقار اور خواہشات کو گروی رکھنا پڑتا ہے۔ اب تک نویرہ کے ساتھ جو بھی کر چکے ہو اس کا نتیجہ دیکھ لیا ہے؟ آئندہ کچھ بھی کرنے سے پہلے سو بار سوچ کر کرنا نویرہ تمہارے کسی وقتی جذبے کا محرک ہی نہیں، تمہارے بچے کی ماں، تمہاری نسل کی امین بھی ہے۔ وہ لوگوں میں گئی تھی وہ عزت دار اور اچھے لوگ تھے۔ اس کی عزت و آبرو محفوظ رہی۔ خدانخواستہ غلط ہاتھوں میں چلی جاتی تو نجانے اب تک کیا ہو چکا ہوتا۔ ابھی اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہ جس طرح کا بھی رد عمل ظاہر کرتی ہے، چپ چاپ سہنا ہو گا کہ ابھی اس کی انا اور نسوانیت پر لگنے والی چوٹ کی تکلیف تازہ ہے۔ اسے ان لوگوں سے نکلوا کر لائے ہو۔ اسے یہ احساس بھی تکلیف دے رہا ہے۔ آئندہ کے لیے کوئی اقدام سے پہلے نویرہ کے گزشتہ اور موجودہ رویوں کو ضرور ذہن میں رکھنا۔ نیند آ رہی ہے، جا کر سو جاؤ۔ شب بخیر۔''
سب کچھ کہہ کر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈال کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور شارق زمان کئی لمحوں تک کھڑا نہ جانے کیا کچھ سوچ گیا کہ اب زندگی صرف جذباتیت کے سہارے گزارنے والی نہ تھی۔

شارق زمان کا جو آدمی ان لوگوں کو لے کر آیا تھا اب وہی انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ سمعان احمد نے سارا راستہ اس سے بات کرنا تو دور کی بات اس پر ایک نگاہ تک نہ ڈالی تھی اور زرش سمعان احمد کے خطرناک حد تک سنجیدہ اور سرخ چہرے کو دیکھ کر لرزتی رہی تھی۔ وہ سوچتی رہی کہ اس نے نویرہ کے حوالے سے سمعان احمد سے
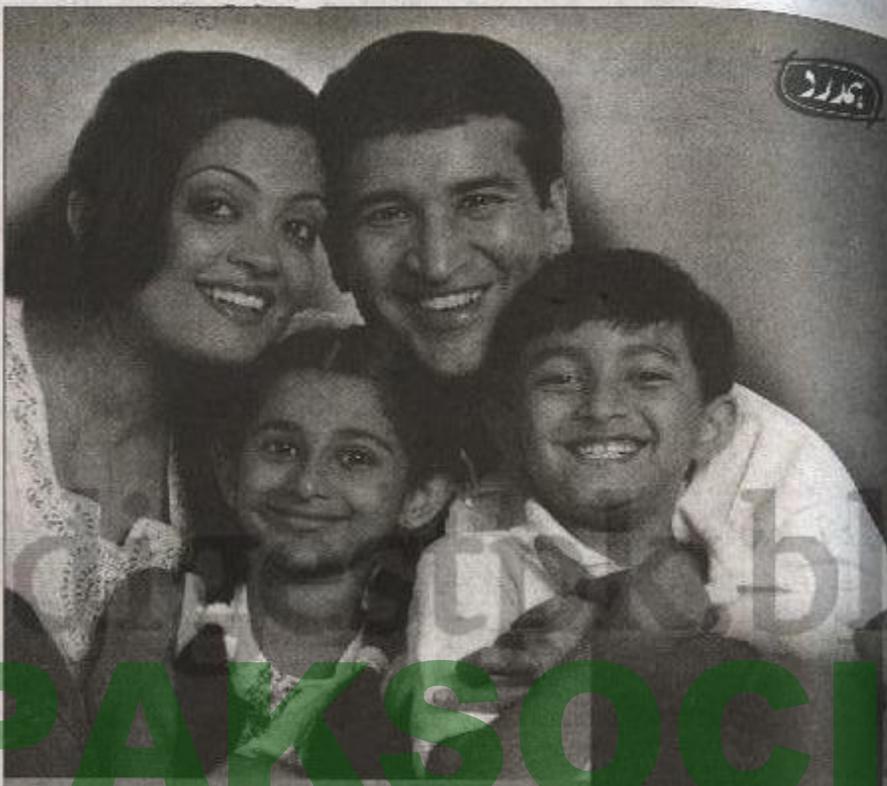
جھوٹ بولا تھا۔ مگر اندازہ نہ تھا کہ یہ صورت حال اس طرح رُخ بدلے گی۔ اس کے جھوٹ کا پول اس طرح کھلے گا اور نویرہ کا شوہر ایسا کوئی قدم بھی اٹھائے گا۔

شارق زمان نے اسے کیسے ڈھونڈ نکالا۔ اسے اس ساری صورت حال کا علم ہوا۔ اس کا ذہن سب حالات کو سوچ سوچ کر اتنا تھک چکا تھا کہ اب مارے سر درد کے بُرا حال تھا۔ اوپر سے مسلسل گریہ وزاری اور سمعان احمد کا خفگی و ناراضگی کا یہ جان لیوا خوف۔

گھر آنے کے بعد سمعان سیدھا کمرے میں گیا۔ ملازمین جاگ رہے تھے۔ سوائے امجد کے جو بھی رکے ہوئے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر والہانہ خوشی کا اظہار کیا۔ نجانے سمعان احمد نے انہیں کیا کہہ کر مطمئن کیا کہ انہوں نے کوئی سوال و جواب نہیں کیے۔

"سمعان نے تم سے کچھ کہا؟" سب کو اِدھر اُدھر بھیج کر اس نے امجد سے پوچھا۔

"جی! بہت بُرا بھلا کہا۔ بہت زیادہ......" زرش کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ یہ بے چارہ ملازم اس کی وجہ سے بے عزت ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری......!" وہ اور کہتی بھی کیا۔

امجد کو بھیج کر وہ کمرے میں چلی آئی۔ سمعان شاید واش روم میں تھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ بستر کے کنارے ٹک گئی۔ سمعان واش روم سے نکلا تو اسے بستر پر بیٹھے دیکھ کر اس کے اندر کا اُبال ایک دم بڑھا۔ جی چاہا ورزش کو ایک منٹ میں ضبط کا دامن چھوڑا بیٹھے مگر بڑی مشکل سے خود پر قابو کر پایا۔

اس نے کتنے اعتماد سے اس سے جھوٹ بولا اور اس نے اس کے جھوٹ پر یقین بھی کر لیا۔ اگر نویرہ کی بجائے کوئی ایسی ویسی عورت ہوتی یا شارق زمان کی جگہ کوئی غلط لوگ ہوتے تو وہ اس وقت کہاں ہوتی اس سوچ سے ہی سمعان احمد کا فشارِ خون بڑھ جاتا تھا۔

سفید شلوار قمیص میں چہرے کو تولیے سے صاف کرتے زرش کو سمعان کا دراز سراپا ہمیشہ سے بڑھ کر چھایا ہوا لگا۔ بہت کچھ کہنے کی کوشش میں وہ پھر ہمت ہار گئی۔ وہ کیا کہے اور کیسے......

اب صرف یہ سمعان، وہ سمعان احمد نہیں تھا جس سے تایازاد کی حیثیت سے بڑی بے تکلفی تھی۔ اس دراز قامت وجود کے مالک انسان سے صرف نام کا ہی رشتہ نہیں بلکہ دل کے بھی سب جذبے اب اس ایک سے جڑے محسوس ہوتے تھے۔ اسے پہلی بار اپنے کسی عمل کی وجہ سے سمعان احمد سے شرمندگی کے ساتھ ساتھ ازحد خوف بھی محسوس ہوا۔ نگاہیں اٹھانا دوبھر لگ رہا تھا۔

"آپ...... آپ ناراض ہیں؟" بڑی ہمت کر کے وہ بولی۔

سمعان نے ایک انتہائی سرد اور سنجیدہ نگاہ اس کی طرف ڈالی تو زرش کو لگا اس کے جسم کا سارا خون جم گیا ہو۔ سمعان نے کبھی ایسے تو نہیں دیکھا تھا۔

"میں نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ نویرہ آپی نے خود رابطہ کیا تھا مجھ سے۔ انہوں نے مدد کے لیے کہا تھا اور مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ انہوں نے اِدھر رہنے کو کہا تھا اور مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔ میں نے صرف مصلحتاً چھپایا تھا۔ مجھ پر یقین کریں پلیز......" وہ بستر سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کر اتنے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "میرا مقصد صرف نویرہ کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ کچھ اور نہ تھا۔ میں تو......"

"شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ۔"

وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی جب سمعان احمد نے بے پناہ غصے سے اسے ٹوکا اور وہ ایک دم چپ چاپ سے کھڑی رہ گئی۔

"تم نے مجھ سے جتنے جھوٹ بولنے تھے بول لیے۔ اب ایک لفظ مزید نہیں۔ اس دنیا میں تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے میں ہی ملا تھا؟" سمعان خود پر کنٹرول کرتے کرتے بھی پھٹ پڑا اور وہ سمعان کے اس انداز پر ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سمعان نے کب اس قدر رُوڈ انداز میں ڈانٹا تھا۔

"تم نے کہا تم کراچی یا اسلام آباد داخلہ نہیں لینا چاہتیں، تم نے اِدھر کا نام لیا اور میں نے سب کی مخالفت کے باوجود تمہیں اِدھر داخلہ دلوا دیا۔ تم ہمارے گھر نہیں جانا چاہتی تھیں۔ تمہارے جذبات کا پورا خیال رکھا، ہر لحہ تمہاری خواہشات کا احترام کیا۔ کیا اسی دن کے لیے یہ سب کیا تھا میں نے......؟ جس طرح وہ شخص پولیس کے تعاون سے اس گھر میں ریڈ کروا کر تمہیں لے گیا تھا۔ اتنی دور بیٹھا میں بھلا کیا کر سکتا تھا؟ مجھے کیا پتا تھا کہ کون لوگ ہیں؟ کیوں تمہیں لے گئے ہیں؟ اگر وہ خود رابطہ کر کے اپنی ڈیمانڈ نہ بتاتا......؟ تم نے یہ سوچا کہ چچا اور چچی کو اگر یہ سب پتا چل جائے تو ان کی کیا حالت ہو؟ تم...... میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" سمعان کے اندر طوفان برپا تھا اور وہ خود بھی ایک طوفان سے نبرد آزما تھی۔ سمعان کے اس رویے نے اس کے اندر سے رہی سہی طاقت بھی چھین لی۔ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر روتے سمعان کے سینے پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔

"سمعان پلیز......!"

اور سمعان جو شدید ٹینشن کا شکار تھا، زرش کی اس حرکت پر لب بھینچ کر چپ چاپ کھڑا رہا۔

"مجھے معاف کر دیں۔ آئی ایم سوری...... آئی ایم سوری۔" بُری طرح روتی سسکتی سمعان کے سینے کو آنسوؤں سے بھگوتی اس کے ہونٹوں سے صرف یہی الفاظ نکل رہے تھے اور سمعان یونہی بے تاثر انداز میں کھڑا رہا۔

اس لمحے اسے زرش کا یوں سسک سسک کر ضبط کھونا کسی بھی طرح متاثر نہ کر پایا۔ چند پل اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد سمعان احمد نے اسے جھٹکے سے خود سے دور کیا۔

"انتہائی بے وقوف ہوتے ہیں وہ لوگ، جو عمل کرنے سے پہلے سوچتے نہیں اور ان سے زیادہ بے وقوف وہ لوگ ہوتے ہیں، جو غلطی کر کے روتے ہیں۔ یہ تم جیسی بے وقوف عورتیں ہوتی ہیں جو مردوں کو کسی بھی حد تک جانے پر مجبور کرتی ہیں۔ نویرہ کے ساتھ کوئی پرابلم تھا تو گھر کی چار دیواری میں رہ کر کوئی حل ڈھونڈتی۔ محض ضد اور انا میں کسی کو اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کے لیے کسی بھی حد سے گزر جانا بے وقوف عورتوں کی خاصیت ہے۔ انجام سے بے پروا ہو کر کچھ بھی کر گزرنا...... تمہاری عقل مندی کی مثالیں تو میرے سامنے تھیں۔ ایک اور مل گئی تمہیں اپنے جیسی......" انتہائی تند اور سخت پتھریلے لہجے میں کہتے اسے بے دردی سے پیچھے دھکیل کر سمعان احمد کمرے سے باہر نکل گیا اور زرش کو لگا کہ جیسے زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔ وہ

ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

اس کا اس طرح رو رو کر معافی مانگنا بھی سمعان پر کوئی اثر نہ کر پایا۔ اسے لگا وہ زندگی کی سب سے بازی ہار گئی ہو۔ اسے لگا جیسے سمعان احمد اسے دوسرے معنوں میں دھتکار گیا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

رفعت باجی نے نبیل کے ہاں فون کر کے صبح صبح نویرہ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ وہ لوگ تو دور سے تھے اور پھر سارے خاندان میں یہ خبر ایک دم پھیلی تھی۔ جس نے بھی سنا تھا فوراً بڑی اماں کے ہاں پہنچا تھا۔

''کب...... کیسے...... کس طرح......؟'' یہ ایسے سوال تھے جو کہ ہر ایک کے لبوں سے نکل رہے تھے۔

''وہ تھیں کہاں؟'' نویرہ، رضیہ چچی، چچا جان، حمیرا وغیرہ نواز حمید چچا، چچی اماں، بھائی، نبیل بھائی، آپا اور فیملی سے ہر کوئی ادھر ہی موجود تھا اور نویرہ کو دیکھ کر جھٹکا لگا تھا کہ نبیل شارق بڑے نارمل انداز میں ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔ یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی۔ نویرہ کی سمجھ سے یہ سب بالاتر تھا۔

کسی نے اس سے شکوہ تو نہ کیا تھا اور نہ ہی براہ راست اس سے دریافت کیا تھا مگر بڑی اماں اور رفعت باجی کی زبانی سب کو ہی سارے واقعے کا علم ہو گیا تھا۔

نواز فاروق اصل واقعہ سن کر ششدر رہ گیا تھا۔

''نویرہ زرش کے ہاں تھی؟'' شارق سے اپنے سوال کا جواب سن کر یقین پر آمادہ ہی نہ تھا۔

''نویرہ کو بلوا کر تصدیق کر دیتا ہوں۔'' مسکراہٹ تو شارق کے چہرے سے چپک کر ہی رہ گئی تھی۔ نواز چپ سا رہ گیا۔

''مگر تمہارے ساتھ ہی تو اس کے گھر گیا تھا۔ وہ کہیں بھی نہ تھی اور اس کا چوکیدار بھی کہہ رہا تھا کہ وہ دوبارہ سے چلی گئی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے ان دونوں کے جھوٹ پر میں نے یقین کر لیا تھا؟ ناممکن۔ میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ چہرہ دیکھ کر اندر کا احوال بتا سکتا ہوں۔ بس اتنا کرنا پڑا تھا کہ انجم کی مدد لینا پڑی تھی اور پھر چند گھنٹوں میں نویرہ ہمارے پاس تھی۔'' اس وقت شارق کے کمرے میں وہ دونوں ہی تھے نواز چونکا۔

''مطلب......؟''

اور اس کے بعد شارق نے جو قصہ سنایا۔ وہ سب سن کر نواز کو بہت تکلیف ہوئی۔ نویرہ کے حصول کے لیے زرش کو اٹھوانا...... اسے رہ رہ کر افسوس ہوا۔ اگر وہ کسی حد تک زرش کے خاندانی معاملات سے ظفر اور رومیسہ کی بدولت واقف نہ ہوتا تو بھی اسے اتنی ہی تکلیف ہوتی۔ شارق زرش کو اس طرح استعمال کرنا جائز سمجھ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ حساس سی لڑکی کس حد تک اس سارے واقعے سے متاثر ہوئی ہوگی۔

اس کی ذات کس طرح بکھری ہوگی؟ اور سمعان احمد اس کا کیا ردعمل ہوگا؟ وہ لوگ اصل حقائق سے واقف ہوں گے یا نہیں......؟ نواز سب سن کر بہت الجھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے نکل آیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سب سے پہلے زرش سے رابطہ کیا۔ کال ریسیو کرنے والی زرش نہ تھی۔ مردانہ آواز سن کر نواز چند پل رکا۔

''ہیلو...... ! کون؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میں نواز فاروق بات کر رہا ہوں۔ کیا زرش سے بات ہو سکتی ہے؟'' اس نے بڑے شائستہ انداز میں اپنا تعارف کروایا۔

''اوہ، نواز فاروق صاحب! کہیے کیسے ہیں آپ......''

''مگر آپ......''

''سمعان احمد بات کر رہا ہوں...... زرش سو رہی ہیں۔''

''اوہ! کیسے ہیں آپ سمعان؟ آپ کے ایکسیڈنٹ کا سن کر دکھ ہوا تھا۔ پچھلے دنوں کراچی جانا بھی ہوا مگر آپ کی عیادت کا موقع نہ مل سکا۔ اب طبیعت کیسی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' سمعان کا بڑا سنجیدہ انداز تھا۔

''میں نویرہ اور شارق کا کزن ہوں۔ ابھی ان لوگوں سے مل کر سارے حالات جان کر ہی آ رہا ہوں۔ بس زرش کی طبیعت دریافت کرنا تھی اسی لیے کال کی تھی۔'' نواز نے وضاحت کرنا لازمی سمجھا اور سمعان دوسری طرف اس نئے تعلق پر اور بھی حیران ہوا۔

باتوں کے دوران نواز سب کہتا چلا گیا کہ شارق زمان نے کس طرح چند بار نویرہ کے ہمراہ زرش کو دیکھا تھا اور پھر کیسے اس کے آفس آنے پر زرش کو پہچان لیا اور بعد میں کیا کیا ہوا تھا۔ اگر اس کے علم میں ہوتا کہ شارق انسپکٹر انجم وغیرہ کو درمیان میں لائے گا تو وہ ضرور اور ایسی صورت حال قطعی پیدا نہ ہونے دیتا۔ ایک بار پھر سب اصل حقائق جان کر سمعان احمد مضطرب اور سخت انتشار کا شکار ہوا۔

زرش کی بے وقوفی اور کم عقلی پر ایک بار پھر وہ کرتا سف ہوا۔ سمعان کو نواز کی زبانی یہ جان کر بھی حیرت ہوئی تھی کہ نواز آج کل زرش کی یونیورسٹی میں ہی استاد کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہا ہے جب کہ زرش نے ایسا کچھ بھی ذکر نہ کیا تھا۔ ورنہ وہ اپنی یونیورسٹی کی چھوٹی موٹی ہر بات ضرور اس کو بتاتی تھی۔ نویرہ کی ذات کتنے لوگوں کو مشکل سے دوچار کر گئی تھی۔ کال ختم کرنے کے بعد نواز نے بڑے دکھ سے سوچا تھا۔

نویرہ کی اس سنگین حرکت کی وجہ اگر شارق رضا اور نبیل کے رویے تھے تو کہیں نہ کہیں اس کی اپنی ذات بھی ملوث تھی۔ اسے دکھ دینے کا آغاز اسی نے ہی تو کیا تھا، پھر وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں بری الذمہ کیسے ہو سکتا تھا؟

نواز کے اندر کا ملال پھر شدید انداز میں اس کی ذات پر حاوی ہوا تھا۔

''اس سارے واقعے نے اور پھر سمعان کے شدید ردعمل نے اسے اس طرح توڑا کہ وہ صبح تک بخار میں جلا ہو گئی تھی۔''

سمعان سارا دن گھر سے غائب رہا اور وہ کمرے میں بند۔

''بیگم صاحبہ کو تیز بخار ہے۔'' سمعان مغرب کے بعد گھر لوٹا تو یہ اطلاع ملی۔

''ڈاکٹر کو بلوایا؟''

''نہیں! بیگم صاحبہ نے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ سارا دن کمرے میں لیٹی رہی ہیں۔''

"اوہ!" سمعان کو پھر نئے سرے سے غصہ آیا زرش کی حماقتوں پر۔

"اچھا امجد کو کہو کسی ڈاکٹر کو لائے۔" ملازمہ کو ہدایت دیتے وہ کمرے میں چلا آیا۔

وہ بستر پر دراز سر تک کمبل تانے لیٹی ہوئی تھی۔

سمعان نے کوٹ اُتار کر صوفے پر ڈالا۔ موبائل اور کی چین ٹیبل پر رکھتے بستر کی طرف چلا آیا۔ کنارے پر ٹکتے اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو سرخ سوجی آنکھیں سامنے تھیں۔ رو رو کر اس نے چہرے کو سوجا لیا تھا۔ اب بھی سمعان کو دیکھ کر اس نے جلدی سے بازو آنکھوں پر رکھ لیے۔

سمعان کے رویے نے اسے بہت دکھی کیا تھا۔ وہ اپنی غلطی مان تو رہی تھی۔ معافی بھی مانگی، مگر سمعان نے جواباً جو رویہ اختیار کیا تھا اس نے اسے اندرونی طور پر شکست سے دوچار کر دیا تھا۔

سمعان نے بڑی سنجیدگی سے اس کا بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا۔ اپنی گرم دہکتی کلائی اس نے سمعان کی گرفت سے کھینچی۔ اسے کافی تیز بخار تھا۔ کلائی سے سمعان نے یہی اندازہ لگایا۔

"ملازمہ بتا رہی تھی کہ تم نے سارا دن کچھ بھی نہیں کھایا پیا......؟" اپنی اسی سنجیدگی سے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

زرش کو یاد آیا کہ اس نے کل دوپہر کے بعد کھانا تو دور کی بات ایک گھونٹ پانی تک حلق سے نہ اتارا تھا۔

"مرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے تم نے؟" کوئی جواب نہ پا کر کہا۔

"آپ کو اس سے کیا......؟ جائیں یہاں سے......" بخار اور آنسوؤں سے بوجھل آواز میں کہتے اس نے رُخ موڑ لیا۔

"زرش! آخر تم اتنی جذباتی کیوں ہو؟ آرام سے اٹھ کر بیٹھو۔ ملازمہ کو بھیجتا ہوں کھانا کھاؤ۔ اتنی دیر میں امجد ڈاکٹر کو لے کر آ جاتا ہے۔ رونا دھونا بند کرو۔" سمعان اسے ٹوک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سمعان کے اس لب و لہجے پر اور رونا آیا۔ ذرا بھی تو ہمدردی نہ تھی۔

سمعان باہر نکل گیا تھا کچھ دیر میں ملازمہ کھانا لے کر آئی تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔

سمعان نے بڑے دُکھ سے اسے دیکھا۔ ملازمہ کو جانے کا اشارہ کر کے اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"پلیز زرش! جو شدید نقصان ہوتے ہوتے رہ گیا ہے کیا اس پر مجھے اتنا بھی غصہ کرنے یا بازپرس کا حق نہیں ہے؟ خدانخواستہ تم غلط ہاتھوں میں پہنچ جاتیں تو......؟" زرش اسی طرح لیٹی آنسو بہاتی رہی۔

"ٹھیک ہے اس موضوع کو اب اِدھر ہی ختم کر دو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اس پر اب ماتم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ آئندہ کے لیے سبق سیکھنا ہوگا۔" "تمہاری طبیعت کافی خراب ہے۔ کچھ کھایا پیا بھی نہیں اس طرح تو کمزور ہو گی پلیز، اٹھ کر کچھ کھا لو۔" اب کے سمعان کے رویے نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا۔" آنکھیں ہاتھ سے رگڑتے اس نے کہا تو سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ سوپ پی لو...... بخار میں افاقہ ہوگا...... پھر ڈاکٹر کے آنے پر دوا بھی لے لینا۔" سمعان نے سوپ کا پیالہ اسے زبردستی تھما دیا۔

سمعان کے بار بار کہنے پر اسے سوپ ختم کرنا ہی پڑا۔ مزید اس سے کچھ بھی نہ کھایا گیا۔

امجد ڈاکٹر کو لے آیا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد دوا لکھ دی۔ چند ہدایات دے کر وہ چلا گیا۔ امجد نے دوا لا دی۔

"یہ دوا بھی لے لو۔" سمعان نے چند گولیاں اس کی طرف بڑھائیں تو اس نے سمعان کو دیکھا۔ کل رات والا رویہ تو نہ تھا مگر سنجیدگی اسی طرح برقرار تھی۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے اب بھی......؟" دوا لینے کی بجائے اس نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" سمعان نے اس کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے الٹا سوال کر دیا۔

"میں نے معافی مانگی ہے اب بھی مانگتی ہوں۔ میں نے جھوٹ بولا۔ اپنی غلطی قبول بھی کرتی ہوں۔ پھر بھی......" وہ بات کرتے کرتے پھر رو دی۔

"پہلے یہ دوا لے لو۔" سمعان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تمام گولیاں ہتھیلی پر رکھتے اسے مزید رونے سے روک دیا۔ گولیاں منہ میں رکھ کر اس نے سمعان سے پانی کا گلاس لیا۔

"لیٹ جاؤ اور آرام سے سونے کی کوشش کرو۔ میں اب ناراض نہیں ہوں۔ ہاں، تمہاری حماقت پر غصہ ضرور تھا۔ اب مزید کچھ کہنے سننے کا کوئی فائدہ نہیں۔" وہ لیٹ گئی۔ بخار واقعی تیز تھا کہ اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ "تمہارے سرنواز فاروق کی اور نویرہ کی کالز آئی تھیں۔ وہ دونوں تمہارا پوچھ رہے تھے۔" سمعان اٹھ کر دوسری طرف آ کر بیٹھا۔ "نواز فاروق تمہاری یونیورسٹی میں ہی ہوتے ہیں، تم نے کبھی ذکر نہیں کیا؟"

زرش نے اندازہ لگانا چاہا کہ سمعان کن معنوں میں سر کا ذکر کر رہا ہیں۔ مگر سمعان کے تاثرات سے کچھ بھی نہ اخذ کر پائی۔

"خیال نہیں رہا ہوگا اور پھر آپ کے ایکسیڈنٹ سے پہلے میں نے جب بھی کال کی آپ کا رویہ ایسا تھا کہ بہت سی لازمی باتیں بھی بیان کرنے کا کبھی موقع نہ ملا اور جب کراچی آئی ہوں آپ نے نہ ہی خود سے کبھی کال کی اور نہ ہی کبھی میری کال ریسیو کی۔" شکوہ اس کے لبوں سے بھی پھسل گیا تھا۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر وہ سمعان کی طرف سے کروٹ بدل گئی۔ سرنواز کا اس وقت ذکر کرنا اسے بہت بُرا لگا تھا۔ یوں لگا کہ جیسے کوئی پرانا زخم چھیڑ دیا گیا ہو۔

سمعان نے اسے رُخ موڑتے دیکھا۔ کتنی بڑی خلیج حائل تھی دونوں کے درمیان......ایک دم سے احساس ہوا۔ سمعان کو فوراً اندازہ ہوا تھا کہ سرنواز فاروق کے ذکر سے اسے دکھ ہوا ہے۔

"آئی ایم سوری! میں نے سرسری سا ذکر کیا تھا۔ میرا مقصد نواز فاروق کے ذکر سے تمہیں دکھی کرنا نہیں تھا۔" سمعان نے فوراً معذرت کی۔

مگر وہ چپ ہی رہی بلکہ کمبل سر تک تان گئی تھی۔ وہ اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اگلے دو دن میں اس کا بخار اتر گیا۔ اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ اس دوران نویرہ رفعت باجی کے ساتھ اس کی عیادت کو آئی تھی۔ شارق ان کو چھوڑ گیا تھا وہ دو گھنٹے رُکی تھیں۔ واپسی پر شارق زمان ہی انہیں

لینے آیا تھا۔

سمعان جلدی گھر آ گیا تھا۔ وہ بھی رفعت باجی اور نویرہ سے ملا تھا اور پھر شارق زمان کی آمد پر اس نے اسے اندر ہی بلوالیا تھا۔

شارق زمان جو بھی کر چکا تھا۔ وہ سب ایک طرف مگر سمعان بھی قبول کرتا تھا کہ اس نے زرش کے ساتھ کوئی مس بی ہیو نہ کیا تھا بلکہ اسے عزت سے رکھا تھا۔

شارق زمان سے گفتگو کے بعد سمعان کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص اتنا بھی بُرا نہ تھا جتنا نویرہ کی باتوں سے ان لوگوں نے سمجھا تھا بلکہ سمعان کو وہ خاصا متاثر کن اور دلچسپ شخصیت کا مالک لگا۔

سمعان نے ان لوگوں کو رات کے کھانے پر روک لیا تھا۔ زرش کے لیے یہ بڑی حیران کن بات تھی۔ سمعان اس سے ناراضگی کا اظہار کرکے اور شارق زمان کو اہمیت دے، نہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ کھانے کے بعد انہوں نے جانے کی اجازت چاہی۔

''اوکے سمعان احمد صاحب! اب اجازت دیجیے۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ جیسا سنا اس سے بڑھ کر پایا۔ پہلی ملاقات تو انتہائی کشیدگی میں ہوئی تھی۔ اپنے اس فعل پر معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ خیر کسی دن چکر لگایئے گا ہمارے ہاں۔''

''سوری! کل تو میں واپس کراچی جا رہا ہوں پھر کبھی سہی......''

زرش نے چونک کر سمعان کو دیکھا مگر پوچھ نہ سکی۔

ان کو رخصت کرکے وہ واپس اندر آئے تو زرش کے ذہن میں ابھی بھی وہی بات اٹکی ہوئی تھی۔

''آپ واپس جا رہے ہیں کل؟'' سمعان کے اندر آنے پر اس نے پوچھا۔

''ہوں......'' سمعان نے اسے دیکھا۔ وہ الجھی ہوئی تھی۔ ''میں چاہتا ہوں تم بھی کل میرے ساتھ چلو۔'' اس کی طرف مکمل توجہ دی۔

''مگر پچھلے دنوں گئی تو تھی۔ اب اتنی جلدی دوبارہ جانا کہاں ممکن ہے؟''

''میں صرف کراچی کی ہی نہیں بات کر رہا' بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ گھر چلو۔'' اب کے سمعان احمد نے کھل کر بات کی۔

''مگر......'' اس نے کچھ کہنا چاہا مگر سمعان احمد نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''میری بات دھیان سے سن لو زرش! تمہارا یہی مطالبہ تھا کہ امی اپنی غلطیوں کو قبول کریں۔ انہوں نے نہ صرف قبول کیا بلکہ تمہارے گھر بھی گئیں۔ تم سے بات کرنے مگر تم ان سے ملنے کی بجائے یہاں چلی آئیں۔ کم از کم ان کی بات تو سنتیں۔ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اس کے باوجود میں یہاں ہوں تو صرف اس لیے کہ میں کسی بھی بات کو محض انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہتا۔ میں شارق زمان سے مروت برت رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ اس سے تمہاری ذات کو مکمل اعتماد اور اطمینان حاصل ہو۔ میری اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اپنے اور تمہارے رشتے کو بچانا چاہتا ہوں۔'' وہ طاہرہ بیگم کی غلطیوں کو معاف کر سکتی تھی مگر ہمیشہ کے لیے ان کا سامنا کرنے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

''مجھے جواب دو ابھی۔ کل میں جا رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ یہ برسوں کی رنجشیں تھیں جس کا انجام چاہتا ہوں۔ ہم کوئی فلمی یا ڈرامائی کردار نہیں ہیں زرش! تم میری بیوی ہو۔ ہمارا رشتہ تو ایک طرف ہم دونوں ایک دوسرے پر دلی وجذباتی لحاظ سے بھی بہت سے حقوق رکھتے ہیں۔ میں قیامت تک تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کر سکتا ہوں مگر یاد رکھنا زرش! وقت ایک دفعہ ہمارے ہاتھ سے پھسل جائے تو کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔'' سمعان نے چپ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتے عجیب کشمکش و پیچ میں تھی۔

''فرح کی شادی ہو رہی ہے۔ سب کے درمیان تمہاری موجودگی بہت اہم ہے اور جہاں تک امی کا معاملہ ہے۔ میں انہیں کھلے دل سے معاف کر چکا ہوں اور میں نہیں چاہوں گا کہ وہ اب خود تم سے بات کریں' وہ ہماری ماں ہیں۔ جو کیا انہوں نے وہ ماضی کا حصہ ہے۔ اس وقت وہ ہمارے لیے مخلص ہیں اور میں انہیں اپنے کسی معاملے میں بے عزت نہیں ہونے دوں گا۔'' زرش نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے سمعان احمد کو دیکھا۔

''میں اپنے دل سے ان کے لیے موجود ہر بات کو نکال چکی ہوں۔ میں خود بھی نہیں چاہتی کہ وہ مجھ سے معافی مانگیں مگر میں ان سے کوئی تعلق' کوئی رابطہ بھی نہیں رکھنا چاہتی۔ اسے میری طرف سے کچھ بھی سمجھ لیں۔ مجھے ان کا سامنا نہیں کرنا اور اس کے لیے آپ مجھے مجبور مت کریں۔ ٹھیک ہے' کبھی یہ میری ڈیمانڈ تھی مگر اب نہیں۔'' وہ اپنے دل کی بات کہہ کر سمعان کو دیکھنے لگی۔ جو بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

''آخری بھی اور حتمی بھی......'' اس کے دوٹوک انداز میں فرق نہ آیا۔

''زرش! بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جب تم پلٹنا چاہو تو واپسی کے سب دروازے بند ہو چکے ہوں۔''

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔''

''اور مجھ سے......؟'' سمعان کا انداز خطرناک حد تک سنجیدہ تھا وہ جھنجلا اٹھی۔

''آپ اپنی بات نہ کریں۔ اس معاملے سے ہٹ کر جو بھی کہیں گے آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں مگر اس معاملے کو بیچ میں نہ لائیں۔'' سمعان نے بظاہر خود کو نارمل ہی رکھا تھا مگر دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔

''''؟؟؟''''

بہت دنوں بعد رات کے اس پہر جب حمید صاحب' زبیدہ بیگم اور رمشا ٹی وی کے سامنے بیٹھے کوئی نہ کوئی بات کر رہے ہوتے تو وہ اپنے کمرے میں بند ہو جاتا تھا مگر آج وہ کمرے سے نکل کر باہر آیا تھا۔

جب سے نویرہ واپس لوٹی تھی زبیدہ بیگم نے اس سے رسمی بات چیت شروع کر دی تھی۔ یہی حال حمید صاحب کا بھی تھا۔ انہیں نویرہ کا غم تھا' وجیہ بیٹا تھا۔ سو سارا غصہ اسی پر نکالنا تھا مگر جیسے ہی نویرہ لوٹی تھی' رضا سے خود ساختہ ناراضگی بھی جیسے ختم ہو گئی تھی مگر رمشا ابھی تک اسی مقام پر تھی۔

رضا نے لاؤنج کے دروازے میں قدم رکھا تو حمید صاحب اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

''آؤ رضا! ادھر آ جاؤ۔'' وہ باپ کے پاس آ بیٹھا تھا۔ وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ زبیدہ بیگم بھی اٹھ

کے ساتھ باتوں میں الجھ گئیں۔ جب کہ رمشاء ان تینوں سے بے پروا صرف ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔ باپ اور ماں سے باتوں کے دوران کئی بار اس کا دھیان رمشاء کی طرف گیا۔ مگر اُدھر جیسے کوئی پرواہی نہ تھی۔

وہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے الجھتے ہی رہے تھے مگر اب رمشاء کی طرف سے مکمل بے نیازی نے رضا حمید کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

نویرہ کو سوچتے اپنے رویوں پر غور کرتے وہ خود بخود رمشاء کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب سے اس نے اپنی غلطیوں اپنی شخصیت کے دہرے پن کا جائزہ لیتے سب تسلیم کیا تھا۔ اسے رمشاء کی ذات اور اس سے جڑے اپنے تعلق کو سمجھنے کا نا صرف موقع ملا تھا بلکہ شعوری کوشش کے نتیجے میں اس کا ذہن جب بھی نویرہ کے تصور میں بھٹکنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنے ذہن کو رمشاء کے تصور کی طرف موڑنے کی کوشش کرتا تھا اور آج بھی ایسا ہوا تھا کہ کمرے کی چار دیواری میں بیٹھے جب نویرہ کا تصور اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرنے لگا تو وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا اور اب ماں باپ سے باتیں کرتے اس نے اپنی ساری توجہ رمشاء کی طرف مبذول کرنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

اس کی ہر دوسرے لمحے میں پڑنے والی نگاہ کا ارتکاز کہ رمشاء نے بے چین ہو کر رضا کی طرف دیکھا۔ بظاہر وہ ماں باپ کی باتوں میں الجھا ہوا تھا مگر توجہ اسی کی طرف تھی۔

رمشاء نے لب بھینچ کر دوبارہ ٹی وی کی طرف توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی۔ رضا نے اس کے دل کی زرخیز زمین کو بنجر اور برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ وہ جو کر چکا تھا جس طرح نویرہ کو برباد کرنے کی پلاننگ کی تھی، اس سارے عمل نے اس کی ذات میں خسارے ہی لکھے تھے۔

وہ غلط تھی اس نے اپنی غلطی مان بھی لی تھی مگر اس کے بعد اس کا دل پہلے کی طرح رضا کی طرف مائل نہ ہو پایا تھا۔

اب تو اسے خود بھی اپنے دل کی حالت سے وحشت ہونے لگتی تھی کہ وہ اصل میں کیا تھی اور کیا سے کیا ہوگئی۔ رضا سے الجھنا، نوک جھونک کرنا، ہی تو اس کے دل میں موجود محبت کو ایک نیا رنگ بخشتا تھا۔

اب اس نے لڑنا جھگڑنا، الجھنا اور تکرار کرنا چھوڑ دیا تھا تو لگتا تھا کہ اس کے اندر کی محبت بھی دم توڑ گئی ہے۔

محبت تو احساسات کا وہ پھول ہے جسے اگر توجہ کا پانی میسر آ جائے تو کھل کر گلاب بن جاتا ہے اور اگر نفرت کی ہوا چلے تو وہ تند تھپیڑوں کے سامنے بہت دیر تک اپنا وجود بھلا کیا برقرار رکھ پاتا ہے۔ کسی بھی لمحے کوئی بھی تند ہوا اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' وہ بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے درحقیقت سوچ کی وادیوں میں نجانے کہاں کہاں بھٹک رہی تھی کہ پتا ہی نہ چلا کہ کب حمید صاحب اور زبیدہ بیگم سونے کے لیے اٹھ کر چلے گئے تھے اور وہ چونکی تو تب، جب رضا اس سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس جگہ بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔

''کہاں چل دیں؟'' رمشاء کے اس رویے سے رضا کو اب تکلیف ہوتی تھی۔ خاموش سنجیدہ چپ

چاپ۔ اس کے اٹھنے پر گھبرا گیا تھا۔

"سونے......" بڑا سپاٹ سا انداز تھا۔

"تھوڑی دیر تو بیٹھو؟" وہ اپنے اندر کی آوازوں اور ضمیر کی چبھن سے گھبرا کر ہی تو یہاں آیا تھا اور اب پھر وہی تنہائی، جو اسے پاگل کر دینے والی تھی۔

"کیوں؟" اس نے بس خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

رضا کے یوں دیکھنے پر رمشاء کے دل کو کوئی مٹھی میں دبا گیا تھا۔ یہ شخص اس سے بات کرنا تو ایک طرف اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا اور اب تھوڑی دیر رکنے کی استدعا کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

دل لاکھ بنجر بن جائے، راہ بدل لے، مگر زندگی میں چند پل ایسے ضرور ہوتے ہیں جو انسان کو بالکل بے بس کر دیتے ہیں۔ ان دونوں کا المیہ یہ تھا کہ وہ دونوں ہی جذباتی تھے۔ شاید دونوں ہی قصوروار تھے۔

ایک دوسرے سے باخبر مگر ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہوئے دونوں نے ہی ہمیشہ ایک دوسرے کی ذات کو ہی رگیدا تھا اور اب......

"رمشاء! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے معاف کر دو؟" ایک طویل خاموشی کے وقفے کے بعد رضا نے ہمت کر کے کہا بھی تو کیا...... اور رمشاء مارے استعجاب کے پلک جھپکنا بھول گئی تھی۔

یہ رضا تھا...... رضا حمید......؟

"میں نے اپنی زندگی میں اتنی غلطیاں کی ہیں کہ اب شاید ہی سر اٹھا کر جی سکوں۔ نوریہ کا چلے جانا اور اب واپس آنا۔ میں چاہوں اور لاکھ حوصلہ بھی کروں تو بھی ان کے سامنے جا کر ان سے اپنے کیے کی معافی نہیں مانگ سکتا۔ مگر ہاں، جو کر چکا ہوں۔ اس کے لیے امی ابو سے علیحدہ علیحدہ معافی مانگ چکا ہوں۔ شارق بھائی سے پہلے مانگ چکا تھا آج خالد چچا اور نبیل بھائی سے بھی مانگ لی ہے مگر جس سے اصل معافی مانگنی ہے۔ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں اور نہ ہی شاید اب میں زندگی میں ان کا کبھی سامنا کر پاؤں۔ وہ مجھ سے جتنی بھی نفرت کریں، کم ہے۔ اپنی جذباتی اور دوہری شخصیت کے ہاتھوں اس خاندان کو ایک عظیم نقصان پہنچا چکا ہوں۔ تم سے مجھے ذاتی طور پر کوئی نفرت یا پرخاش نہیں مگر اپنے جذبات کے ہاتھوں بعض اوقات اتنا الجھ جاتا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے بدسلوکی کر جاتا تھا اور اب اتنا کچھ ہونے کے بعد کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ سوائے اس کے کہ جس جس کی تکلیف کا سبب بنا ہوں ان سب سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگ لوں۔" اس نے اپنی طرف حیرانی سے دیکھتی رمشاء کو ایک نظر دیکھا۔

"تم اپنے ہر رویے، ہر فیصلے اور عمل میں حق بجانب ہو۔ تمہیں کسی بھی سلسلے میں مجبوری نہیں ہے۔ ایک عرصہ تک میرے احساسات و جذبات جو بھی رہے اور اب بھی میں جس مقام پر ہوں تمہارے سامنے ہوں۔ میں اپنے آپ کو کسی کے بھی قابل نہیں سمجھتا۔ ہاں اگر تم اپنا ظرف بڑا کرتے ہوئے گزشتہ بدسلوکیوں پر معاف کر دو تو میرے لیے بڑے بخت کی بات ہوگی۔ اس سے بڑھ کر میں تم سے کچھ بھی نہیں چاہتا۔" وہ چپ ہوا تو رمشاء کی حیرانگی ختم ہوئی۔

وہ تو سمجھی تھی کہ اس نے محض پینترا بدلنے کو شارق زمان سے دنیاداری کے لیے معافی مانگی ہے اور اب جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سب ناقابل یقین تھا۔

"ہمارے درمیان موجود رشتہ جو کبھی بھی مجھے قبول نہ تھا اور اب بھی بہت سوچنے کے باوجود مجھے یہ رشتہ مناسب نہیں لگ رہا۔ میری ذات اور گزشتہ تمام احوال تم سے چھپے ہوئے نہیں۔ میں نے اپنی غلطیاں قبول کر کے اپنے دل کو سمجھایا ہے مگر دل کے معاملات زبردستی سے طے نہیں ہوتے۔ شاید وقت بدل دے مگر زندگی بھر مجھے اپنے ہی احساسات اک چبھن اور تکلیف سے دوچار کرتے رہیں گے کہ میں اسی سزا کے قابل ہوں۔ دل بدلنے کے تجربے تو ہوتے ہیں مگر جذبات احساسات بدلنے کے تجربات کا آج تک سنا نہیں [illegible] کسی ماہر سے ضرور رابطہ کرتا۔ تم اپنے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر لینا۔ میں ابو اور امی کو سمجھا لوں گا تم پر کوئی زبردستی [illegible]" وہ اپنی بات ختم کر کے اب اسے دیکھ رہا تھا۔ رمشاء سب سمجھ کر بھی کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"کیسا فیصلہ......"

"زندگی کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ تمہیں مجھ سے بھلا کیا حاصل ہوتا ہے؟ مجھے اپنی ساری عمر جذبات و احساسات سے لڑتے گزارنا ہوگی تو میری سزا میں تم کیوں حصہ دار بنو؟" اس نے وضاحت کی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میری محبت تمہارے احساسات و جذبات کو بدل دے۔ رضا! کیا تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتے؟" آج اس نے لڑنے کی بجائے تحمل سے بات کرنے کی ابتداء کی تو وہ بھی پرانے تمام رویے [illegible] کر کے بڑی مروت اور لحاظ سے گویا ہوا۔

"محبت کب دل سے جدا ہوتی ہے۔ زمین بنجر ہو بھی جائے مگر کہیں نہ کہیں کوئی کونا ہرا ضرور رہ جاتا ہے۔ میں خود کو تمہارے کیا، کسی کے بھی قابل نہیں سمجھتا۔ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تم مجھے سمجھ لو۔ تمہیں اپنے قابل میں خود بنا لوں گی۔"

وہ محبت کا یقین لیے پر اعتماد تھی اور رضا کئی لمحے تک اسے دیکھتا رہا۔ وہ حسین تھی اور زندگی گزارنے کا سلیقہ [illegible] جانتا تھا۔

"تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ زندگی گزارنا بچوں کا کھیل نہیں۔"

"دل کے معاملات میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارا رشتہ طے ہے اور یہ ازل سے طے تھا۔ تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ میرا اب بھی یہی جواب ہے اور ہر گزرتے دن میں میرے فیصلے میں استحکام ہی آئے گا۔ ان شاء اللہ۔" وہ تمام ناامیدی نفرت بھلائے پھر وہی رمشاء جاوید تھی جو ہر حال میں اس کی ذات میں دلچسپی رکھتی تھی۔ رضا کو لگا وہ اس کی محبت کے آگے ہار جائے گا۔

"رضا! نوریہ تمہاری ذات، احساسات و جذبات کا ایک حصہ تھی اور رہے گی بھی۔ میں اب اتنی بھی بری نہیں ہوں۔ میں تمہیں غلط نہیں کہتی، مگر ساری عمر ایک پڑاؤ پر رکے رہنا بھی عقل مندی نہیں۔ تمہیں زندگی میں اب نہیں مگر کبھی تو کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت ہوگی تو کیا مضائقہ ہے، اگر وہ سہارا میں بن جاؤں؟ وہ تمہاری زندگی کا ایک باب تھا اور اب ختم...... زندگی گزارنے کے لیے کوئی وجود بہت ضروری ہوتا ہے [illegible] انتہائی نفرت کے باوجود میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں اپنا رشتہ تم سے ختم کروں گی اور نہ ہی کبھی ایسا

ہوگا۔" رضا نے ایک گہری سانس فضا میں خارج کی تھی۔

"میں جو ہوں اور جیسا ہوں۔ اسی صورت میں برداشت کرلوں گی؟" وہ سوال کررہا تھا انداز بڑا سنجیدہ

"ہاں! تم جو ہو اور جیسے ہو میں تمہیں برداشت کرلوں گی محبت کی تھی اور اب بھی ہے۔ جو گزر گیا وہ ماضی اور ماضی پر ماتم بے وقوف لوگ کرتے ہیں۔ اتنی ٹھوکروں کے بعد اتنی تو عقل آ ہی گئی ہے اور میں بے وقوفوں میں شمار نہیں ہونا چاہتی۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور اگر زندگی میں تمہیں پچھتانا پڑ جائے تو......؟"

"تو کوئی بات نہیں، دونوں مل کر اکٹھے پچھتائیں گے۔ محبت میں ساتھ نہ دو مگر پچھتانے میں تو ساتھ دوگے نا۔" وہ بالکل پہلے والی رمشاء جاوید بنی مسکرا رہی تھی۔

اس کے جواب کی برجستگی پر رضا کے ہونٹوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔

اور رمشاء کو لگا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہوگئی ہو۔ ایک عرصے بعد اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھنے کو چاہنے لگا۔

"چلو دیکھ لیں گے، آزمالیں گے۔" اپنی ہار کا اعتراف بھی کس صورت میں کیا تھا۔ رمشاء کو ایک دم ہنسی آگئی۔

"بے شک آزمالینا۔ ہم اپنے قول و فعل میں پکے ہیں اور ان شاء اللہ زندگی بھر پکے رہیں گے۔" رضا صرف اسے دیکھے گیا وہ مسکراتی ہوئی اچھی لگ رہی تھی۔ پہلی بار اسے بغور دیکھتے اسے اس کی مسکراہٹ بھلی لگی تھی۔ زندگی سے بھرپور۔

رمشاء وہاں سے نکل گئی تھی اور رضا نے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ پہلی بار اس نے خود کو پُرسکون محسوس کیا تھا۔

❊ ❊ ❊

رفعت باجی معصب کی پیدائش پر پاکستان آئی تھیں۔ چند دنوں کے لیے مگر بعد کے حالات ایسے ہوگئے کہ چاہنے کے باوجود واپس نہ جاسکیں اور اب نوریہ کو واپس اس گھر میں دیکھ کر وہ کچھ مطمئن تھیں۔ نوریہ کی شارق کے لیے بے اعتنائی جوں کی توں تھی۔ ہاں، شارق ضرور بدلا تھا اور اب یقین تھا نوریہ بہت دن تک اپنی ضد برقرار نہ رکھ پائے گی۔ شارق کا جو بھی رویہ تھا اب نوریہ کے لیے اپنی ضد اور انا پس پشت ڈال کر شارق کی طرف بڑھنے کے علاوہ کوئی اور چارہ باقی نہ تھا۔ اس صورت میں کہ نبیل کے گھر والے بھی شارق سے صلح کرچکے تھے۔

وہ چند دن مزید رُکی تھیں مگر پھر انہوں نے شارق کو کہہ کر واپس کا ٹکٹ منگوالیا تھا۔ اس دن انہیں واپس جانا تھا۔ ایک دن پہلے ہی جاکر وہ سب خاندان والوں سے مل آئی تھیں۔ رات نو بجے کی فلائٹ تھی۔ انہیں ائرپورٹ پر چھوڑنے جانے والوں میں نواز فاروق نبیل، خالدہ بیگم پہلے ہی ان کے ہاں آگئے۔ نوریہ گھر سے ہی خدا حافظ کہنے کا ارادہ تھا مگر رفعت باجی کے اصرار پر وہ بھی ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔

"تم تو ایسے رہتی ہو کہ نجانے کتنے سالوں کی پرانی دلہن ہو۔ زیور پہن کر بنج سنور کر رہا کرو۔ خیر سے شادی والی ہو۔" وہ واش روم سے باہر نکلی تو رفعت باجی کے تبصرے پر بڑی جز بز ہوئی۔

"میں بھی کہتی ہوں مگر یہ مانے کسی کی تب نا!" بڑی اماں کو بھی موقع مل گیا تھا۔ بھی بڑی اماں کے کمرے میں ہی جمع تھے۔ سب کے درمیان اسے بڑی سبکی محسوس ہوئی۔

"یہ زیور پہن لو۔ باہر نکلتے ہوئے اس عمر کی عورتیں سولہ سنگھار کرتی ہیں۔" بڑی اماں نے اٹھ کر الماری سے زیور نکال کر اسے تھمادیا۔

اسے وقت ہوئی مگر نبیل اور نواز فاروق اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ شارق اپنے کمرے میں چینج کرنے گیا تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے زیور پہن لیا۔ رفعت باجی کے ٹوکنے پر اس نے لپ اسٹک بھی لگالی۔ وضو وہ کرچکی تھی نکلتے نکلتے آٹھ بج جانے تھے۔ سو وہ گھر سے ہی نماز پڑھ کر جانا چاہتی تھی۔ تیار ہوکر سب باہر لاؤنج میں چلے گئے تو اس نے نماز کی نیت باندھ لی۔ تیز ہارن کی آواز پر وہ جائے نماز تہہ کرکے چادر لپیٹ کر باہر نکلی تو بڑی اماں اور اماں کو وہیں لاؤنج میں دیکھ کر رُک گئی۔ خالدہ بیگم نے ساتھ چلنا تھا مگر وہ بیٹھی تھیں۔

"آپ نہیں جارہیں؟"

"نہیں مل تو لیا ہے رفعت سے۔ تم جاؤ میں گھر میں ہی رُکوں گی۔" وہ باہر نکل آئی۔

پچھلی سیٹ پر نواز اور نبیل کے ساتھ رفعت باجی تھیں۔ فرنٹ ڈور شارق نے اس کے لیے کھول رکھا تھا۔ معصب نبیل کی گود میں تھا۔ وہ چادر سنبھالتی مارے باندھے بیٹھ گئی۔ شارق نے اس کے تیور دیکھے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر نوریہ کو تاؤ آگیا تھا مگر اتنے لوگوں کی موجودگی میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

آدھے گھنٹے میں وہ لوگ ائرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ وہاں جاکر علم ہوا کہ فلائٹ ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ خدا خدا کرکے وہ وقت گزرا۔ رفعت آپا ڈھیروں نصیحتیں کرتے رخصت ہوئی تھیں۔ کچھ دیر وہ ائرپورٹ پر ہی رہے۔ نبیل کچھ کھانے کو لے آیا تھا۔ واپسی کے سفر میں اسے دوبارہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا پڑا۔ معصب دوران سو چکا تھا۔ نواز اور نبیل ان کے ساتھ جانے کی بجائے راستے میں ہی اُترنے پر بضد ہوئے تو شارق نے دونوں کو ان کے گھروں پر اُتار دیا۔ دونوں کے اُترنے کے بعد گاڑی میں اب بالکل خاموشی تھی۔ شارق نے ایک دو بار اسے دیکھا وہ معصب کو گود میں لیے اس کے وجود کو مکمل طور پر نظر انداز کیے باہر اندھیرے میں روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔ گھر آنے پر نوریہ نے سکون کا سانس لیا۔ معصب کو سنبھال کر وہ اندر آئی تو شاکرہ جاگ رہی تھی۔

"اماں اور بڑی اماں سوگئیں؟"

"جی...... خالدہ بیگم بڑی اماں کے بستر پر سوگئی تھیں۔ یعنی آج رات اسے کہیں اور انتظار کرنا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر کمرے سے نکل آئی۔ سوتے ہوئے معصب کو اس نے لاؤنج میں آکر صوفے پر لٹادیا۔ شاکرہ کو تالے لگانے کی ہدایت دیتے وہ کچن میں چلی آئی۔ معصب کے لیے فیڈر تیار کرتے کھٹکے پر وہ سمجھی کہ شاکرہ ہے۔

"تالے لگادیے ہیں تو معصب کو گیسٹ روم میں لے جاؤ اور کوئی کمبل لے کر ادھر ہی آجاؤ۔ تم میرے پاس ہی سوجانا۔" دودھ فیڈر میں انڈیل کر وہ پلٹی تو شاکرہ کی جگہ شارق زمان کو کچن میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی، پھر جھٹک کر فیڈر بند کرنے لگی۔

"شاکرہ، اماں کے پاس ہی روزانہ کی طرح صوفے پر سوجائے گی۔ معصب میرے کمرے میں..." اس نے نویرہ کو نظر انداز کرنے پر کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔

چادر وہ اندر آکر صوفے پر ہی اتار کر ڈال آئی تھی۔ گمان نہیں تھا کہ اپنے کمرے میں جا کر شارق باہر... گا۔ شارق نے بھرپور نگاہوں سے اس کو دیکھا تو نویرہ کو وقت سے دوچار ہوئی۔ چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔

"کیوں؟ معصب ادھر کیوں ہے؟"

"ظاہر ہے جہاں ماں سوئے گی، بچہ بھی وہیں سوئے گا۔" اس نے یوں جواب دیا جیسے وہ بڑی کر... ہو۔ نویرہ کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔

"نہیں، دیکھیے...... بہت بڑی غلط فہمی سے دوچار ہیں محترم! میں آپ کے گھر میں ہوں مگر اتنی مجبور... ہوئی کہ آپ کے کمرے تک پہنچ جاؤں۔" ایک تو شارق کے جواب اور دوسرا اس کی نگاہوں کے تاثر نے... پھر بھڑکا یا تھا۔ شارق زمان ہنس دیا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ بیٹا تو پہنچ گیا ہے، ماں بھی پہنچ جائے گی۔" وہ آرام سے کہہ کر ایک بھرپور... اس کے وجود پر ڈال کر دروازے سے ہٹ کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ نویرہ لب بھینچے گھورتی رہ گئی۔

اسے قطعی گمان نہیں تھا کہ شارق زمان کوئی ایسی بھی حرکت کر گزرے گا۔ اس نے بھی سوچ لیا کہ... اس کے کمرے میں نہیں جائے گی۔ وہ اماں کے کمرے میں آئی تو شاکرہ سونے لیٹ چکی تھی۔ اسے اش... اشارے سے باہر آنے کو کہا۔

"معصب شارق کے کمرے میں ہے جاکے لے کر میرے پاس آؤ۔"

وہ واپس لاؤنج میں آگئی۔ اگلے ہی پل حواس باختہ سی شاکرہ واپس خالی ہاتھ آئی تھی۔

"صاحب نے ڈانٹ دیا ہے، کہہ رہے تھے خود آکر لے جائیں۔ اگر میں دوبارہ ان کے کمرے میں... آئی تو میری ٹانگیں توڑ دیں گے۔" نویرہ کا جی چاہا ایک پل میں وہ اس شخص کا حشر نشر کردے۔

"اچھا تم جاؤ...... دیکھ لیتی ہوں کیا کرلیں گے محترم۔"

اسے بھیج کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ چادر اپنے گرد لپیٹ کر وہ خاصی بے حس سی تھی۔ معصب اس کے... بغیر نہیں سوتا تھا اور وہ اس کے بغیر۔ کچھ دیر بعد بے چین سی ہو کر شارق کے کمرے تک گئی، مگر پھر ضد او... آڑے آگئی تو واپس پلٹ آئی۔

"میں کیوں جاؤں؟ اس شخص نے اتنی بار مجھے ذلیل کیا۔ میرے کردار پر انگلی اٹھائی۔ ایسے کانوں کے... کچے مرد پر کیوں اعتبار کروں؟ اچھی بات ہے، سنبھالے خود بچے کو...... پتا چل جائے گا کہ کیسے سنبھا... ہیں۔" اپنے آپ کو تسلی دیتے دل سخت کرتے وہ پھر صوفے پر بیٹھ گئی۔

ایک گھنٹہ گزرا تو اسے ہول اٹھنے لگے۔ پتا نہیں معصب سو رہا ہوگا یا نہیں۔ اسے تو بھوک بھی بہت... ہے۔ اس لیے تو وہ اب فیڈر اپنے پاس رکھتی تھی کہ رات کے کسی پہر وہ روئے تو فیڈر دیتی تھی اور اب... دیر گزری وہ خود پر زیادہ دیر جبر نہ کرسکی اور اٹھ کر شارق زمان کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ دروازہ ادھ کھلا...

...یوں جیسے اسے واقعی گمان تھا کہ ضرور آئے گی۔ وہ سختی سے لب بھینچے آگے بڑھی تو معصب کے رونے کی آواز آئی۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ رات کے وقت تو اس کے علاوہ کسی اور سے وہ سنبھلتا بھی نہیں تھا۔ نویرہ کو لگا کہ کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ وہ بے قرار سی ہو کر بغیر کچھ سوچے بے دھڑک کمرے میں داخل ہوگئی۔ شارق اسے بازوؤں میں لیے کمرے میں ٹہلتے اسے بہلا رہا تھا مگر وہ چپ ہونے کی بجائے مزید رو رہا تھا۔

"ادھر دیں۔" اس نے فوراً آگے بڑھ کر شارق کے بازوؤں سے بچے کو لے لیا۔

"میرا بچہ...... میرا چاند......" اس نے اسے ایک دم سینے سے لگا کر اس کا منہ چوما۔ شارق زمان بڑی دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ کر دروازہ بند کرکے آگے بڑھا تو نویرہ نے پیچھے ہٹ کر بڑی غصیلی نگاہوں سے دیکھا۔

"اتنا ظالم، پتھر دل باپ زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔"

شارق زمان ہنس دیا۔

"چلو مانتی ہو ناں کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے۔" وہ ماں کے پاس آتے ہی ایک دم چپ ہوگیا تھا۔

"شارق زمان!" وہ سختی سے پکار کر چپ ہوگئی۔

"اسے شاید بھوک لگی ہے۔" اس نے بچے کی طرف توجہ دلائی تو اس نے سسکیاں بھرتے اپنے بیٹے کو دیکھا تو ممتا کے احساس سے چُور ہوتے اس کی پیشانی چوم لی۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اسے فیڈ کیا تھا اب بھوک تو لگنا تھی۔ فیڈر وہ صوفے پر ہی رکھ آئی تھی۔

"فیڈر لاؤنج میں صوفے پر پڑا ہے وہ لادیں مجھے۔" مجبوراً اسے کہنا ہی پڑا تھا۔ شارق زمان نے اسے دیکھا وہ سر جھکائے بچے کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر بغیر کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

نویرہ نے ایک نظر بچے کو اور پھر کھلے دروازے کو دیکھا اور پھر نڈھال سے انداز میں بستر پر ٹک گئی۔ شارق نے فیڈر لاکر اسے تھمادیا تھا۔ سسکیاں بھرتے معصب کے منہ میں فیڈر دے کر ہاتھ سے تھپکتے دوبارہ سلانے میں اسے کچھ دیر لگی تب تک شارق زمان صوفے پر بیٹھا اس کے فارغ ہونے کا منتظر رہا۔ معصب کے سونے کا یقین کرکے اس نے اسے بستر پر لٹا کر کمبل اوڑھایا تو شارق اٹھ کر بستر پر چلا آیا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور ہونٹوں پر بھرپور مسکراہٹ لیے۔

"آئندہ کے لیے کیا سوچا ہے تم نے؟" ایک دو پل بغور اسے دیکھتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

"مطلب......؟" اس نے تیکھے پن سے شارق زمان کو دیکھا۔

"تم کیوں چاہتی ہو کہ میں تم سے براہِ راست معافی مانگوں۔ کیا تمہیں میرے رویوں سے اندازہ نہیں ہوا کہ اب وہ پہلی والی صورت حال نہیں رہی؟"

"کیوں! اب وہ پہلے والی صورت حال کیوں نہیں رہی؟ میں نئی بن کر آگئی ہوں یا آپ جناب کی آنکھوں پر بندھی شک کی پٹی اب اتر چکی ہے؟" اس کے لہجے کی کاٹ وہی تھی مگر شارق زمان نے خود کو

کنٹرول میں رکھا۔
”ٹھیک ہے، جو ہوا غلط ہے۔ تم بے قصور تھیں، ناحق سزا کاٹی مگر تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے معاملے میں، میں کس قدر حساس تھا۔ رضا نے جو بھی بتایا اس سے پہلے تمہیں اس کے ساتھ دیکھ کر میرا دماغ خراب تھا اور رہی سہی کسر رضا کی ڈائری نے پوری کردی تھی۔ مگر میری یہ کیفیت چند دن رہی تھی۔ تم دوبارہ اس گھر میں آ گئیں تو سوچا تم سے بات کلیئر کرلوں مگر اس رات تم نے جس طرح علیحدہ کمرے میں رہ کر میرے ساتھ جو رویہ اختیار کیا۔ اس نے مجھ جیسے ضدی، جذباتی اور انا پرست مرد کو اور بھی آتش فشاں بنا دیا تھا۔ میں بھی تمہاری طرح ضد پر اڑ گیا تھا۔ مجھ سے بڑھ کر تمہارے کردار کی پاکیزگی اور تمہاری پاکدامنی کا کون گواہ ہے تمہاری یہی چیز تو مجھے متاثر کرتی تھی اور میں ہر حد پار کر گیا تھا۔ مگر تم جس طرح ضد پر اتری ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے بھی غصہ دلا دیا تھا۔ پھر میں نے سوچا میں تمہیں کیوں تاویلیں دوں۔ کیوں تم سے اپنی چند دنوں کی بھول کی معافی مانگوں۔ تم مجھے اذیت دے رہی تھیں تو میں تمہیں اس سے زیادہ اذیت سے دوچار رکھنا چاہتا تھا مگر معصب کی ولادت کے بعد میرے ارادے بدل گئے تھے۔ تب تمہارا طلاق کا مطالبہ، مجھے لگا تم نے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں نے تمہیں اتنی مشکلوں سے حاصل کیا تھا۔ بھلا یوں آسانی سے چھوڑ دیتا؟ تم جو کہتیں میں صرف تمہیں سنانے کو ردعمل کے طور پر ساری جوابی کارروائی کرتا تھا۔ حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہ تھا اور پھر تمہارا اپنے گھر چلے جانا۔ مجھے بہت برا لگا مگر میں کیوں جھکتا؟ کیوں معافی مانگتا؟ نبیل جو کرتا گیا ردعمل کے طور پر میں سب کہتا گیا مجھے اندازہ ہوتا کہ میرے اور نبیل کے جھگڑے میں تم ایسا قدم اٹھاؤ گی تو شاید میں معافی مانگنے میں پہل کر لیتا۔ اپنی انا اور ضد کو مار لیتا...... تمہارے جانے کے بعد لگا کہ جینے کا مقصد ختم ہو گیا ہے۔ سچ معنوں میں اپنی محبت اور اپنے جذبات کا علم ہوا۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ تم نظر آ گئیں اور اللہ نے تم تک پہنچنے کی کوئی سبیل پیدا کردی تو اس وقت یہاں ہوں۔ خدا کی قسم! اگر تم چند روز اور نہ ملتیں تو میرے ہاتھوں رضا کا قتل ضرور ہو جانا تھا۔ ان دنوں میں انتہائی ڈپریشن میں تھا۔ میں تم سے فوراً معافی مانگ لیتا مگر میں تمہیں کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔ اب سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ تم جس طرح کہو، میں معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ سارے خاندان والوں کے سامنے تم سے شادی کرنے کے واقعات اور نواز کو بھگانے کا جرم بھی قبول کرنے کو تیار ہوں مگر یہ ذہن میں رکھو کہ یہ سب کچھ میں نے صرف اور صرف تمہاری محبت کے لیے کیا تھا۔ رہ گئے نبیل اور ساجد، تو میں ان سے معافی مانگ چکا ہوں۔ وہ معاف کر چکے ہیں۔“ نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔ بس یہ تھی اس کی ضد اور ساری انا۔ اس شخص کے اعترافات میں اس کے سارے مسئلے کا حل پوشیدہ تھا تو اس نے وہ ساری خواری کیوں کی؟ وہ ساری جگ ہنسائی کس لیے؟
”نویرہ......!“ شارق زمان نے بڑی محبت اور جذب سے پکارا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔
”جو بھی سزا سنانا ہے، سنا دو۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ سزا سننے کا منتظر ہوں۔ اپنے سارے گناہ تمہارے سامنے قبول کر رہا ہوں۔ کچھ تو کہو؟“ نویرہ کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔
وہ اس وقت کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اپنی جگہ چٹان کی طرح مضبوط رہنا چاہتی تھی مگر اس کے آنسو

نے اسے بھربھری ریت بنا ڈالا اور نجانے کون کون سے دکھ اس کے آنسوؤں میں آ ٹھہرے۔
”نویرہ!“ شارق زمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بڑی محبت سے خود میں سمیٹ لیا اور وہ تو جیسے اس کی منتظر تھی، پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔
”معاف کردو گی تو تمہارا ظرف ہوگا۔ کوئی سزا تو سناؤ۔ لگتا ہے صلیب پر لٹکا ہوا ہوں۔ میرا ضمیر دن رات ملامت کرتا ہے۔“
نویرہ کے پاس کہنے کو اتنا کچھ تھا مگر اب زبان گنگ اور ذہن خالی تھا۔ وہ نفرت کو تو سزا سنا سکتی تھی مگر محبت کو کیا سزا سناتی۔ کیا واقعی محبت تھی کہ نہیں......؟ کہ ہر دور میں عورت لفظ محبت کے نام پر پگھل کر اپنا آپ لٹا رہی ہے۔ لفظ محبت اسے چاروں شانے چت کر دیتا ہے اور وہ ہار جاتی ہے۔
وہ تو محبت کے ساتھ لفظ کردار پاکیزگی اور پاکدامنی کی بھی متلاشی تھی۔ پہلی دفعہ بھی اس شخص نے اس کے کردار ہونے کی گواہی دے کر اسے قبول کیا تو وہ مزاحمت کی ساری راہیں بھول کر اس کے سب حقوق مانتی گئی۔ اس شخص کو اس کی کمزوری کا علم تھا شاید......
”نویرہ!“ اور محبت اس پر مہربان تھی مگر وہ خود کو سنبھالتے سمٹ گئی۔
”مجھے سنبھلنے کا کچھ وقت دیں شارق صاحب! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، میں ہمیشہ آپ کی وفادار بن کر رہوں گی۔ میری کمزوری میرا کردار ہے۔ بس میرے کردار پر کبھی انگلی نہ اٹھایئے گا۔ اس دفعہ تو میں زندہ درگور ہو جاؤں گی۔ ہر بار میں مضبوطی سے سب سہہ جاؤں، ضروری بھی نہیں۔“ شارق زمان نے مسکرا کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے یقین دلایا۔

جوں جوں فرح کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ اس کے اندر کی وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ گئی تو پلٹ کر اس کی خبر تک نہ لی تھی۔ سمعان کا انداز اسے اگر مارے دے رہا تھا مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ سمعان کی ناراضی کس وجہ سے تھی اور وہ وجہ پوری کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ سو سمعان کے جانے کے بعد اور پھر رابطہ نہ کرنے پر اس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ ماما اکثر رابطہ کرتی رہتی تھیں۔ سعد کئی بار فون پر اسے کراچی آ جانے کی بات کر چکا تھا۔ مگر وہ ہر بار ٹال جاتی، پھوپو، ماموں بھی کہہ چکے تھے مگر وہ ہر بار ”ابھی جلدی کیا ہے“ کہہ کر ٹال جاتی مگر کب تک......
ایک دو بار چکر لگا گئی تھی۔ شارق زمان کے ساتھ دیکھ کر زرش کو صاف محسوس ہو گیا کہ دونوں کی صلح ہو گئی ہے تاہم اس نے نویرہ سے پوچھنے سے احتراز ہی برتا تھا۔ فون پر روز بات چیت ہوتی تھی مگر اسے پھر بھی قصور کا احساس رہتا۔
یونیورسٹی جا رہی تھی ادھر کی روٹین جوں کی توں تھی۔ ہلچل تو تب مچتی تھی جب کراچی سے کسی نہ کسی کا فون آتا تھا۔ تایا ابو نے بھی فون کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے سامنے چپ رہی مگر اپنے دل میں وہ اس گھر میں جانے پر راضی ہی نہیں تھا۔ فرح کی کال آئی تو اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔
”فرح پلیز! کچھ بھی کہو میں مان لوں گی مگر یہ بات نہ کہو، یہ میرے بس کا کام نہیں۔“ اور پھر فرح نے

دوبارہ کال نہ کی تھی۔

شادی میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا تو شائستہ بیگم نے بڑے غصے میں کال کی تھی۔ وہاں تو ہر وقت زرش کی ذات زیر بحث رہتی تھی۔ اب تو مسعود احمد بھی خاصے پریشان ہوگئے تھے۔

"زرش! تم ہمیں کیوں بدنام کرانے پر تلی ہوئی ہو؟ تم اتنی ضدی کب سے ہوگئی ہو؟ سمعان جب سے واپس آیا ہے اس نے ایک چکر نہیں لگایا۔ ادھر سب پریشان ہیں اور تم اُدھر ضد پر اڑی بیٹھی ہو۔"

"ماما! جو کام مجھ سے نہیں ہوسکتا وہ مت کہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میں آپ کی بات مان کر آجاتی ہوں۔ میں شادی میں بھی شرکت کرلوں مگر میں تائی بیگم کا سامنا بھی نہیں کروں گی اور یہ ناممکن سی بات ہے تو پھر وہاں جانے کا فائدہ؟ خاندان میں شادی ہے سعد بھائی کی طرف سے شامل بھی ہولوں تو بھی دوسری طرف کا رویہ نظر انداز کیا جانے والا نہیں ہوگا اور مجھے اس گھر میں نہیں جانا تو پھر دونوں جگہ جانے کا سلسلہ ختم۔" ماما کے غصے پر اس نے بھی سکون سے کہا۔

"زرش! خدا کے لیے اپنے پاپا کی طبیعت کا ہی احساس کرو۔ کیوں ہم سب کو پریشان کررہی ہو؟" وہ زچ ہوگئی۔

"ماما! بات پہلے ہی فائنل اور حتمی ہوچکی ہے۔ اب جتنا بھی کھینچیں گے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پریشان نہ ہوں۔ میں اس وقت کچھ بزی ہوں، پھر بات ہوگی...... اللہ حافظ......"

ایک ہی بات سن سن کر اب وہ بھی ہائپر ہونے لگی تھی۔ یا تو وہ سب کو سمجھ نہیں پارہی تھی یا سب اسے۔ ساری رات اس کی پریشانی میں گزری۔ اگلی صبح بغیر ناشتا کیے وہ یونیورسٹی چلی آئی۔ دوپہر میں گھر لوٹی تو سمعان احمد کو موجود پاکر جہاں خوشی کا احساس جاگا تھا، وہیں ٹھٹک بھی گئی تھی۔

"اسلام علیکم!" وہ اندر چلی آئی۔

"وعلیکم اسلام! کیسی ہو؟" سمعان نے اسے بغور دیکھا وہ پزل ہوگئی۔

سمعان کی آمد پر دل دھڑک دھڑک اٹھا۔

"ٹھیک ہوں...... آپ کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

اس سوال کے بعد وہ چند پل خاموش رہی۔ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ اب کیا پوچھے۔ جب کہ سمعان بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"ملازمہ کو میں نے کھانے کا کہا ہے۔ سخت بھوک لگی ہے۔ ابھی پانچ منٹ پہلے پہنچا ہوں۔ اگر کچھ کھانے کو ہے تو ٹھیک، ورنہ چلو کسی ہوٹل میں لنچ کرلیتے ہیں۔" سمعان احمد کے اتنے دنوں کی مسلسل لاتعلقی کے بعد یہ ایک دم کی اپنائیت...... اس نے حیران اور بے یقین نظروں سے سمعان احمد کو دیکھا۔

"کیا خیال ہے؟" سمعان کے ٹوکنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دو دن سے اس نے ملازمہ سے کچھ بھی خاص نہ پکوایا تھا۔ رات بھی ملازمین کو اپنے لیے پکانے کا کہہ کر خود کمرے میں آگئی تھی اور صبح بھی ناشتا نہیں کیا تھا۔ سارا دن یونیورسٹی میں بھی خالی پیٹ رہی تھی۔ کچن میں آئی تو دیکھا ملازمہ گوشت دھو رہی تھی۔ سادہ سا سالن بھی بناتے تو بھی کچھ دیر لگ جاتی۔ وہ اسے منع کرکے باہر نکل آئی تھی۔

"کچھ بھی تیار نہیں ہے۔" اس نے آکر مجرمانہ انداز میں اقرار کیا۔

"وہ تو میں بھی سن چکا ہوں۔ پرسوں رات سنا تھا کھانا پکا تھا اور اس کے بعد محترمہ فاقوں پر ہیں۔" یہ طنز کا کون سا انداز تھا۔ زرش نے حیران ہوکر دیکھا۔

"زرش مجھے سمجھ نہیں آرہی تم کیا چاہتی ہو؟ خود سے ہی دشمنی پر تلی ہوئی ہو تم۔ کل دوپہر کو تم نے صرف سلائس لیے تھے رات اور صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ یونیورسٹی میں بھی کچھ کھایا یا نہیں......؟" غصے سے ملامت کرتے آخر میں باز پرس ہوئی تو زرش ایک دم خفت کا شکار ہوئی۔ اگر بتاتی تو بھی ڈانٹ پڑنی تھی اور نہ بتاتی تو بھی......

سمعان احمد نے ازحد تاسف سے اسے دیکھا۔

"زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔ چینج کرنا ہے تو کرلو ورنہ اسی طرح ساتھ چلو۔ پہلے تو پیٹ پوجا کرلیں باقی باتیں بلکہ مذاکرات بعد میں کروں گا تم سے۔ وقت نہیں ہے میرے پاس۔ جلدی کرو۔ مجھے دیر بعد فلائٹ بھی ہے۔"

وہ نا سمجھی سے سمعان کو ہونق ہوکر دیکھنے لگی۔ کچھ بھی پلے نہ پڑا تھا۔

"زرش پلیز! جلدی کرو۔" اسے یوں ہونقوں کی طرح کھڑے دیکھ کر ٹوکا تو وہ اپنا بیگ لے کر کمرے میں آگئی۔

چینج کرکے اس نے ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی۔ سمعان کے ساتھ لنچ تھا یہ بات دل کی خوشی کے لیے کافی تھی۔ سمعان کا موڈ کیسا بھی ہو مگر یہ بات کتنا سرور بخش رہی تھی کہ سمعان احمد اس کے پل پل سے باخبر تھے۔ اس نے کھانا نہ کھانے پر پریشان تھا۔ باقی باتیں اسے یاد نہیں تھیں۔ باہر جاتے ہوئے وہ اسکائی فیروزی سی سوٹ کا ہم رنگ اسکارف چہرے کے گرد لپیٹ کر کندھوں پر سیٹ کرکے سینڈل کو خوب صورت سفید پاؤں میں پھنسا کر وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

وہ کمرے سے باہر آئی تو اس کا منتظر سمعان اس پر سے ایک پل کو نگاہ اٹھانا بھول گیا۔ میک اپ کے نام پر صرف لپ اسٹک تھی مگر سوٹ اور زرش کا انداز دیکھ کر ضرور چونکا تھا۔

"چلیں......" وہ سمعان کے یوں دیکھنے پر پزل سی ہوگئی۔ سمعان گہری سانس لیتے اٹھ کھڑا ہوا۔ موبائل اور پاس رکھا بریف کیس تھام لیا۔

"گھر واپس نہیں آنا، اِدھر سے ہی فلائٹ ہے۔" زرش نے سمعان کے بریف کیس تھامنے پر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے وضاحت کی۔

"تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟ صرف اتنی دیر کے لیے آئے تھے۔" وہ حیران ہوئی۔

"ہوں......" زرش کو لگا اس کے سب لطیف احساسات نوچ لیے گئے ہوں۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

ہوٹل میں سمعان اسے لے کر فیملی کیبن میں آیا۔ سارے راستے وہ خاموش ہی رہی تھی۔ کھانے

کے دوران وہ زیادہ تر خاموش ہی رہی تھی۔ ہوں ہاں سے زیادہ نہ بولی تھی۔ سمعان ہی ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد سمعان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ گم صم سی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" کھانے کے بعد سمعان نے چائے کا آرڈر کیا تھا۔ زرش نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا۔

"کچھ نہیں......"

"تم نے پوچھا نہیں میں اس قدر اچانک کیوں آیا ہوں اور اب واپس جانے کی بات کیوں کر رہا ہوں؟" سمعان احمد نے بغور اسے دیکھتے پوچھا تو بھی وہ کچھ نہ بولی۔ "اصولی طور پر تمہیں یہ بات سب سے پہلے پوچھنی چاہیے تھی خیر جب توقع ہی اٹھ گئی ہو تو کیا شکوہ کریں۔" اب اس کا انداز بڑا سنجیدہ اور طنزیہ تھا۔ زرش کو بڑی تکلیف ہوئی مگر وہ پھر بھی چپ رہی۔ ویٹر چائے کے مگ رکھ کر چلا گیا تھا۔

"میں تم سے جب سارے رابطے ختم اور تفصیلی بات کرنے کے بعد ہی میں کراچی گیا تھا۔ تم نے میرے ساتھ کراچی جانے سے انکار کیا تو مجھے لگا بات ختم ہوگئی ہے۔ مگر وہاں جا کر سب کے منہ سے ایک ہی تذکرہ اور پریشانی کا ایک ہی نام سن سن کر عاجز آ گیا تو جی چاہا کہ کوئی آخری اور حتمی فیصلہ ہو جائے۔" سمعان کا انداز، الفاظ اور لب ولہجہ اتنا سنگین اور سنجیدہ تھا کہ زرش ششدر سی دیکھتی رہی تھی۔ "تمہارا آخری فیصلہ جان کر جب میں یہاں سے گیا تو یہی نیت تھی کہ اب ادھر کا رخ نہیں کروں گا......" زرش نے ازحد خوف زدہ ہو کر سمعان کے چہرے کی سنجیدگی کو پڑھنا چاہا تھا مگر وہ ناکام رہی۔

"میں واقعی اب ادھر کا رخ نہ کرتا اگر مجھے اپنی ماں کے واسطوں اور یہاں ان کے خود آنے کی ضد کا خوف نہ ہوتا۔ جس نے بھی تمہیں کال کی تمہارا ایک ہی جواب تھا۔ ایسے میں امی خود آ کر تمہیں منا کر معافی مانگ کر لے جانا چاہتی تھیں اور یہ بات مجھے گوارا نہ تھی۔ سو مجھے ایک دفعہ پھر تمہارے سامنے آنا پڑا۔" اب سے [illegible] ضبط جواب دے گیا۔

"ان سب باتوں کا کیا مطلب؟" وہ چیخ پڑی۔

"بہت صاف اور واضح ہے میں یہاں ٹھہرنے نہیں، تمہیں لے جانے آیا ہوں۔ فرح کی شادی میں چند دن ہیں اور تمہیں میری بیوی کی حیثیت سے میری بہن کی شادی میں شمولیت کرنا ہوگی۔ میں تمہارا ٹکٹ ساتھ لے کر آیا ہوں۔ گھنٹے بعد کی فلائٹ ہے تب تک تم سوچ لو۔"

"میں انکار کر چکی ہوں، مجھے وہاں نہیں جانا۔" سمعان کے انداز اور لب ولہجے سے زیادہ اس کے الفاظ نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ ضدی لہجے میں انکار کر گئی۔

"زرش سوچ سمجھ کر انکار کرنا، یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد تمہیں کوئی بھی کہنے یا منانے نہیں آئے گا۔" سمعان کو زرش کے ضدی انداز پر غصہ تو بہت آیا مگر پھر بھی بڑے تحمل سے گویا ہوا۔

زرش سمعان کی بجائے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"زرش! میری طرف دیکھ کر مجھے جواب دو، تم میرے ساتھ کچھ دیر بعد چل رہی ہو یا نہیں؟" سمعان نے

ازحد برہمی سے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے سوال دہرایا تو زرش نے جھٹکے سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"نہیں......" پہلے سے زیادہ ضدی انداز میں کہا۔

"او کے ٹھیک ہے۔ اب تمہیں کوئی نہیں کہے گا۔" سمعان ایک دم غصے سے کہہ کر اٹھا اور ویٹر کو اشارہ کیا تو وہ جلدی آیا تھا۔ اسے بل لانے کا کہہ کر پھر زرش کو دیکھا۔

"تم دنیا کی بے وقوف ترین لڑکی ہو۔ اپنی ضد اور ذات میں جینے والی جسے دوسروں کی خوشیوں سے کوئی غرض نہیں۔ تم زرش! یہ بات ذہن میں رکھنا، میں اب کے گیا تو پلٹ کر کبھی نہیں آؤں گا۔ میں نے ہر حال میں سمجھوتا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرح میری بہن ہے۔ اس کی خوشیاں مجھے ہر حال میں عزیز ہیں۔ اس نے مجھ سے ایک فرمائش کی تھی اور اس کی یہ فرمائش پوری نہیں کر پایا، مجھے افسوس رہے گا مگر اس سے بڑھ کر اس بات پر افسوس رہے گا کہ تمہیں زندگی نے سب کچھ دیا۔ مگر تم نے اپنی ضد اور نام نہاد انا کے ہاتھوں مجھے کھو دیا۔ میں تم سے رابطہ ہی ختم نہیں کروں گا بلکہ ہر تعلق بھی توڑ دوں گا۔" زندگی میں پہلی بار سمعان کے اندر کی جذباتیت اور وحشت نے سر ابھارا تھا۔ انتہائی غصیلے اور جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

زرش ایک دم ہراساں سی ہوگئی، وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سمعان احمد کے وقتی الفاظ اور غصہ ہے مگر یہ آخری الفاظ...... وہ تڑپ اٹھی۔

اس سے پہلے کہ کچھ کہتی ویٹر بل لے آیا تھا۔ سمعان نے بل ادا کیا۔ پھر اس کی طرف رخ موڑا۔

"یہ تمہارا ٹکٹ تھا، تم نہیں جا رہیں۔ اب تم آؤ گی بھی تو مجھے کوئی خوشی یا غرض نہیں ہوگی۔" سمعان نے جیب سے ٹکٹ نکال کر دو ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ "تم اس گھر میں جانا نہیں چاہتیں، تمہیں اب کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ تمہیں امی کا سامنا عمر بھر نہیں کرنا، تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی۔ مگر یاد رکھنا، کبھی پلٹ کر اب ان دروازوں پر دستک نہ دینا جو تم اپنے ہاتھوں سے بند کر چکی ہو۔ امجد باہر گاڑی لیے منتظر ہے تمہارا۔ میں جا رہا ہوں...... اللہ حافظ۔"

وہ سمعان کو روکنا چاہتی تھی، آواز دینا چاہتی تھی مگر اسے لگا اس کی آواز حلق میں پھنس گئی ہے۔

"سمعان رکیں تو...... سمعان......" وہ سمعان کے پیچھے بھاگی۔ روکنا چاہا مگر سمعان بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوٹل کی سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے جب تک گاڑی کے قریب پہنچی تو سمعان امجد سے بات کر رہا تھا۔

"سمعان پلیز......!" سڑک پر کھڑے ہو کر بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا مگر اس نے پکارا تو سمعان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"بات ہو چکی ہے۔ حتمی اور فیصلہ کن۔ تم اپنا فیصلہ سنا چکی ہو۔ اب کچھ بھی کہنا اور کرنا فضول ہے۔" سمعان کا سرد اور برفیلا انداز اس کی ہڈیوں تک کو جما گیا۔

سمعان ٹیکسی روک کر ڈرائیور سے بات کر کے بیٹھ گیا تو زرش کی آنکھیں ایک دم برسنے لگی۔ دھندلی آنکھوں سے وہ گاڑی کو آنکھوں سے غائب ہوتے دیکھتی رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ! چلیے......" امجد مؤدب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

اس نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔ وہ کار کا دروازہ کھولے منتظر تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں مگر کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

سمعان احمد کا رویہ، لب ولہجہ اور الفاظ اس کے اندر آتش فشاں دہکا گئے تھے۔ وہ خود کو حق بجانب سمجھ رہی تھی مگر جس طرح سمعان احمد گیا تھا اس کے اندر سے ہر احساس گویا مٹ گیا تھا۔

"میں تم سے رابطہ ہی ختم نہیں کروں گا بلکہ ہر تعلق بھی توڑ دوں گا۔" کیسا سنگین انداز اور اشتعال انگیز الفاظ تھے۔ وہ سارے رابطے ختم کیے صرف اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ سمعان نے اسے تحفظ، محبت، مان، عزت سب کچھ تو دیا تھا پھر کس چیز کی آرزو تھی؟ کیا وہ صرف ایک طاہرہ بیگم کی ذات کی وجہ سے اپنی ذات کی نفی کرتے دل کی خوشی کی خاطر اس رشتے کی قربانی دے دے گی۔

اگلے دو دن وہ موبائل آف کیے سب رابطے ختم کیے صرف اپنی ذات سے لڑتی رہی تھی۔ اپنی ضدی اور انا پرست طبیعت سے الجھ رہی تھی۔ سب کے نزدیک وہ اب غلطی کر رہی تھی تو اس کا اندر اب اسے اس کے غلط ہونے کا احساس کیوں نہیں دلا رہا تھا کیوں وہ خود کو حق پر سمجھتے ہوئے یہ تعلق توڑ رہی تھی۔

دو دن بعد وہ یونیورسٹی آئی تھی۔ اس کی طبیعت سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی عذاب سے گزر رہی ہے۔ سر نوازے دو دن بعد اس قدر پژمردہ دیکھ کر حیران ضرور ہوئے تھے۔ وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے ٹال گئی۔ امجد واپسی پر لینے آیا تو اس نے اسے نوریہ کے ہاں چلنے کا کہا۔ پھر نوریہ کے گلے لگ کر وہ اس قدر شدت سے روئی کہ نوریہ کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

کچھ دیر وہ روتی رہی پھر نوریہ کے بہلانے پر سنبھل گئی تھی۔ اماں اور شاکرہ لاؤنج میں تھیں۔ نوریہ اسے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ کچھ دیر پوچھنے و کریدنے پر اس نے سب کہہ سنایا تھا اور نوریہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"او مائی گاڈ! زرش مجھے یقین نہیں آ رہا تھا تم اس قدر جذباتیت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرو گی وہ بھی سمعان احمد کے ساتھ...... او نو۔"

"پلیز میں بہت پریشان ہوں، مزید پریشان مت کریں۔"

نوریہ چپ ہو گئی تھی۔ کھانے کا وقت تھا۔ آج کل شارق دوپہر کا کھانا بھی گھر آ کر کھاتا تھا۔ وہ اسے خود سنبھالنے کا کہہ کر باہر آ گئی تھی۔ شاکرہ کو کھانا لگانے کا کہہ کر وہ لاؤنج میں آئی تو شارق آ چکا تھا۔ معصب گود میں لیے کھیل رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اماں سے بھی باتیں کر رہا تھا۔

"اماں! میری جو دوست آئی ہے ملنے وہ زرش ہے، وہی جن کے ہاں میں ٹھہری تھی، میں اسے ادھر لے آئی ہوں۔ بس طبیعت اس کی ٹھیک نہیں تو کمرے میں لے گئی تھی۔" شارق نے نوریہ کو دیکھا وہ کچھ سنجیدہ سی تھی۔

"ہاتھ منہ دھو لیں، کھانا لگ گیا ہے۔ میں زرش کو بھی لے آتی ہوں۔"

شارق کو بھی کہہ کر وہ واپس کمرے میں آئی تو تب تک زرش خود کو خاصا سنبھال چکی تھی۔ اس نے اسے

ہاتھ منہ دھو کر اپنے ساتھ ہی کھانے کی ٹیبل پر آنے پر اصرار کیا تو وہ آ گئی تھی۔ اماں سے مل کر شارق کو سلام کر کے اس نے ان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے بعد شارق تو چلا گیا تھا کچھ دیر اماں کے پاس بیٹھ کر نوریہ اسے پھر اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

"سمعان جیسا انسان مقدر سے ملا کرتا ہے زرش! میری تو شارق سے ایک رنجش تھی جب کہ سمعان کے ساتھ تم نے جو سلوک کیا۔ آخر وہ کب تک یہ سب برداشت کرتا؟ ایسے معاملات میں مرد انا کا مسئلہ ضرور بنا لیتے ہیں۔ تمہیں کم از کم یہ سب مجھے پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ تم سمعان کی خاطر اس کی ماں کو برداشت کر لیتیں یہ اتنی بڑی بات تو نہ تھی۔" وہ سمجھا رہی تھیں۔ وہ چپ سادھے صرف آنسو بہا رہی تھی۔

"ابھی تین چار دن باقی ہیں۔ بہت بڑی حماقت کی تم نے۔" نوریہ کو رہ رہ کر ملال ہو رہا تھا۔ "اب کیا سوچا ہے تم نے؟" کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کیا کروں؟ خود سے جاؤں بھی تو بھی میں جانتی ہوں سمعان احمد کس طرح کا سلوک کریں گے۔ وہ تعلق توڑنے کی بات کر کے گئے ہیں۔"

"تم نے خود ہی سمعان احمد کو اس حد تک جانے پر مجبور کیا ہے مگر...... اچھا پریشان نہیں ہونا۔ سمعان احمد کا نمبر مجھے دو، میں بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں شاید کوئی حل نکل آئے۔" زرش نے بیگ میں سے موبائل نکال کر اسے سمعان احمد کا نمبر دے دیا۔ نوریہ نے کئی بار کال کی مگر ہر بار نمبر بند ملا۔

"کیا سمعان احمد نے نمبر چینج کر لیا ہے مگر کیوں...... اگر نہیں کیا تو پھر بند کیوں ہے؟" زرش کا دماغ پھر الجھ گیا۔ وہ کچھ دیر وہاں رکی اور پھر گھر آ گئی۔

اگلے دو دن صرف یونیورسٹی جا رہی تھی باقی ہر کسی سے رابطہ ختم کیے سارا وقت گھر کی چار دیواری میں گزار رہی تھی۔ درمیان میں صرف کل کا دن تھا۔ پرسوں فرح اور سعدی کی مایوں اور اس سے اگلے دن بارات تھی۔ وہ دن بھی اختتام پذیر ہوا اور اگلے دن کی شروعات بھی وہی تھیں۔ یونیورسٹی سے واپس آئی تو نوریہ آئی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر موبائل بند رکھنے پر پہلے تو خوب سنائی پھر اس کی مسلسل چپ محسوس کر کے خاموش ہو گئی۔

"زرش تم کراچی چلی جاؤ۔ میں نے بار بار کوشش کی تو سمعان سے رابطہ ہو گیا مگر وہ میرے سے میری بات سننے پر آمادہ ہی نہیں ہے میں نے تمہاری ماما کو کال کی تھی۔ وہ بھی تمہارے نمبر بند کرنے پر پریشان ہیں۔ تمہاری ماما بتا رہی تھیں کہ تمہارے پاپا شادی میں شرکت نہیں کر رہے۔ صرف تمہاری وجہ سے کہ کہیں تم تنہا نہ رہ جاؤ۔"

زرش تب بھی چپ رہی۔

"وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں آمادہ کروں۔ کل مایوں ہے اور تم کو ہر حال میں لے کر کراچی پہنچوں۔ شارق سے میں نے بات کی تھی وہ ہمارے کراچی جانے پر راضی ہیں۔ ہم لوگ کل چلیں گے۔ کچھ منہ سے بولو، کیا سوچ رہی ہو؟" اسے گم صم دیکھ کر نوریہ نے زور سے کندھا ہلایا۔ تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ میں سمعان کو آپ سے زیادہ جانتی ہوں وہ میرے جانے کو بھی کسی قابل نہ مانیں گے۔ میں نہیں جا رہی۔" نوریہ نے بڑی کوشش کی اسے قائل کرنے کی مگر وہ کسی طرح بھی نہ مانی تو اسے اس

کے حال پر چھوڑ کر چلی گئی۔

وہ ایک بار پھر بغیر کچھ کھائے پیئے کمرے میں بند ہوگئی۔

اگلا دن اس کے لیے بڑا اذیت ناک تھا۔ پھوپو اور تایا ابو کے گھر سارا خاندان اکٹھا تھا اور وہ یہاں تنہا بیاختہ سزا جھیل رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی بھی نہیں گئی۔ ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔ ملازمہ اسے کئی بار کھانے کو پوچھ چکی تھی۔ وہ کمرے میں اندھیرا کیے نجانے کب تک اس حالت میں پڑی رہتی اگر نویرہ نہ آجاتی۔

''بہت بُرا کر رہی ہو تم اپنے ساتھ زرش! شارق کو میں نے ٹکٹس لینے بھیجا ہے وہ بس آنے والے ہوں گے۔ تم تیاری کرلو۔ اگر انکار کیا تو میں بہت بُری طرح ماروں گی۔'' آتے ہی وہ کہہ رہی تھیں۔

''کوئی فائدہ نہیں نویرہ آپی!''

''خدا کے لیے اپنی اس مایوسی کی کیفیت سے باہر نکل آؤ اور اٹھ کر نہا دھولو۔'' اس نے اسے زبردستی اٹھا کر واش روم میں دھکیلا۔ نہا کر باہر نکلی تو نویرہ کمرے میں نہ تھی۔ وہ باہر آئی تو شارق بیٹھا تھا۔ معصب ساتھ تھا۔ سلام دعا کے بعد اس نے بتایا کہ ''رات آٹھ بجے کی فلائٹ ملی ہے۔ میرا خیال ہے دس بجے تک ہم کراچی میں ہوں گے۔''

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

ابھی کافی وقت تھا۔ کھانا کھا کر وہ اپنے گھر چلے گئے تھے۔ گھر جا کر انہوں نے تیاری کرکے ادھر آنا تھا۔ وہ تیار ہو کر آئے تو وہ ان کی منتظر تھی۔ ملازمہ کو ہدایات اور امجد کو گھر کا اچھی طرح خیال رکھنے کا کہہ کر وہ نکل آئے تھے۔

فلائٹ وقت پر تھی۔ ساڑھے دس بجے وہ ہاں تھے۔ شارق نے ٹیکسی لے لی اور زرش نے مسعود احمد کو کال کی تو پتا چلا کہ سب پھوپو اور تایا کے ہاں ہیں۔ اس نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ وہ اس وقت کراچی میں ہے۔ گھر پر ہی تھے۔ اس نے شارق کو پہلے گھر جانے کو کہا تھا۔

پاپا اسے دیکھ کر نا صرف از حد حیران ہوئے بلکہ خوش بھی ہوئے تھے۔ نویرہ کے ساتھ شارق کو دیکھ کر چونکے تھے۔ نویرہ کی کہانی کچھ اور تھی اور اس کا شوہر......؟ وہ الجھے تھے۔

شارق نے ہلکے پھلکے انداز میں لڑائی کا بتا کر قصہ ختم کیا تو وہ تیار ہونے چل دیئے تھے۔

زرش بھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ کپڑوں کی کمی تو اسے نہ تھی۔ ماما نے اسے فون پر بھی بتایا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے تقریب کا علیحدہ سوٹ تیار کروایا ہے۔

مہندی کی مناسبت سے اس نے زرد اور سبز امتزاج کا سوٹ نکال کر پہنا تھا۔ نویرہ نے اسے ہلکا پھلکا میک اپ کرکے جیولری پہننے کو کہا۔

تیار ہو کر وہ پاپا کے کمرے میں آئی تو وہ لاکر میں سر دیئے کھڑے تھے اسے دیکھ کر مسکرائے۔

''تمہاری ماما اور مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔ اسی لیے تو انہوں نے سب کچھ پہلے ہی تیار کر کے رکھا تھا۔ یہ زیور وہ نکال کر دے گئی تھیں کہ تم پہنچو تو تمہیں دے دوں۔'' انہوں نے اس کا زیور نکال کر اسے تھمایا تو وہ جھینپ گئی۔

ان کے اصرار کرنے پر اس نے ہار، چوڑیاں اور انگوٹھیاں پہن لیں۔

''یہ رکھ لو تمہیں ضرورت پڑتی رہے گی اس کی۔'' باقی کا زیور پوٹلی میں رکھ کر اسے تھما دیا تو اس نے چپ چاپ لے لیا۔

پاپا کے ساتھ تایا کے ہاں جاتے ہوئے اس نے ہار، گجرے اور ایک خوب صورت سا گلدستہ بھی لیا۔ بڑے عرصے بعد وہ تایا کے گھر کی طرف سفر کر رہی تھی۔ پوری دلی آمادگی اور خوشی سے۔ نویرہ، شارق اور معصب ہمراہ ہی تھے۔ وہ اس کے محسن تھے وہ انہیں بھلا گھر کیسے چھوڑ آتی۔ جیسے ہی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی علی جو گیٹ پر تھا چچا اور زرش کو دیکھ کر حیران ہوا اور پھر ایک دم اندر دوڑ لگا دی۔

''زرش آ گئی...... زرش آ گئی......''

خبر یہاں سے وہاں تک جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ پھوپو کی فیملی اور مہمان مہندی کی رسم کرنے پہنچ گئے تھے۔ کھانے کے بعد اب رسم کا ہی شور تھا۔ طاہرہ بیگم تو سب چھوڑ چھاڑ کر دروازے تک چلی آئیں۔ زرش کی نگاہ ان پر پڑی تو قدم ساکت ہو گئے۔

''زری! رک کیوں گئی ہو؟ آؤ......'' انہوں نے بازو پھیلا کر کہا تھا۔ یہ آواز کتنی مانوس، اجنبی اور ناشناسا تھی مگر وہ تو سب کدورتیں دل سے مٹا کر آئی تھی، اب کچھ بھی سوچنا فضول تھا۔ جھجکتے ہوئے ان کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔ وہ رو رہی تھیں بڑی شدت سے۔ زرش بھی رو دی۔ کتنی نفرت تھی دونوں میں مگر اب......

''مجھے معاف کردو بیٹی! میں بہت گناہ گار اور خطا کار ہوں۔ میں خود لاہور جانا چاہتی تھی۔ تمہیں لانے کے لیے مگر سمعان نہیں مانا۔'' زرش کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ معافی مانگ رہی تھیں۔ زرش کو اپنا آپ چھوٹا لگا۔

''پلیز تائی امی! ایسی باتیں مت کریں۔ میں سب کچھ بھلا کر یہاں آئی ہوں۔ جو ہوا بھول جائیں۔'' ایک دم شرمندہ ہو کر وہ پھر ان کے کندھے سے لگ گئی۔

''اگر ساس بہو کا پیار ختم ہو گیا ہے تو ارد گرد بھی دیکھ لو اور لوگ بھی یہاں منتظر ہیں ملنے کو......'' زوبار یہ بھابی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے زرش کو گلے لگا لیا۔

''بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے۔ بہت اچھا......'' وہ کان میں بولی تھیں۔

اس کے بعد وہ تایا ابو، عثمان بھائی اور علی سے ملنے کے بعد آگے بڑھی تو پیلے سوٹ میں فرح کو دیکھ کر والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔'' وہ کہہ رہی تھی اور زرش کی آنکھوں میں نمی چھلک پڑی۔

جہاں یقین اتنا مضبوط ہو وہاں وہ کیسے نہ آتی۔

پھوپو، ماما، ہادیہ آپا، نوشین اور دیگر لوگوں سے ملنے کے بعد وہ نویرہ کو ہمراہ لیے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر میں مہندی کی رسم شروع ہوئی تو اس نے بجے فرح کو تھما کر اس کے بازوؤں میں گجرے سجا کر رسم کا آغاز کیا تھا۔ نویرہ وہاں رومیسہ اور اس کی فیملی کو دیکھ کر بڑا حیران ہوئی تھی اور پھر گفتگو کے بعد تعلق داری واضح ہوئی تو وہ بڑے مطمئن انداز میں ان سب کے ساتھ محو گفتگو ہو گئی۔ عثمان اور علی شارق کو مردانے میں

لے گئے تھے۔ رسم مہندی کے بعد ڈھولک کی باری آئی تو سب لڑکیاں ادھر متوجہ ہوگئی تھیں، وہ بھابی اور اسٹیج پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے ابھی تک سمعان کو نہیں دیکھا تھا۔ خبر تو سمعان کو مل گئی ہوگی مگر وہ ادھر آیا تھا۔

”سمعان سے ملیں.....؟“ بھابی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”بہت خفا ہیں وہ مجھ سے۔“ اور زوبار یہ جانتی تھی۔

”تم نے بھی اچھا نہ کیا۔ یہاں سب رابطہ کررہے تھے۔ خاص طور پر تمہیں لینے گیا مگر خیر.....“ وہ کسی کے بلانے پر اٹھ کر چلی گئیں تو وہ فرح کے پاس ہی بیٹھی رہی۔ فرح کو مہندی لگائی جارہی تھی، ہاتھ پاؤں پر بہت خوب صورت ڈیزائن میں۔

دو بجے کے قریب پھوپو کی فیملی اور دیگر مہمان رخصت ہونا شروع ہوئے تو آخر تک گھر کے افراد اور دور کے رشتہ دار رہ گئے تھے۔ نویرہ اس کے لاکھ روکنے پر بھی نہیں رکی۔ وہ ماما پاپا کے ہمراہ شارق کو اس دوبارہ آنے کے وعدہ پر گھر چلی گئی۔ تھکن سے برا حال ہورہا تھا۔ اسے بہت کوشش کے باوجود سمعان نظر نہیں آیا۔ وہ مردانے میں ہی مصروف رہا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ بھی بھابی کے کہنے پر سمعان احمد والے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بیگ میں صرف ایک جوڑا رکھ کر لائی تھی۔ باقی سب ماما کے ہی تھا۔ وہ بستر پر بیٹھ کر کراؤن سے ٹیک لگا کر سمعان احمد کا انتظار کرنے لگی مگر سمعان کمرے میں آ کر نہیں دے رہا تھا۔ انتظار کرتے کرتے نجانے اس کی کب آنکھ لگ گئی۔

اذان کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تو اسے اپنا جسم اکڑا اکڑا محسوس ہوا۔ گردن کو سیدھا کرتے وہ سیدھی ہوئی تو علم ہوا کہ وہ باقی ماندہ رات یونہی بیٹھے بیٹھے گزار گئی تھی۔ شاید ایک دو گھنٹے ہی سو پائی تھی۔ نائٹ بلب روشن تھا جب کہ لائٹ آف تھی اسے یاد آیا وہ تو سمعان احمد کا انتظار کرتے کرتے سوئی تھی۔ فوراً گردن گھما کر دیکھا تو کمرہ خالی تھا۔ نگاہ ادھر ادھر بھٹکتے صوفے پر پڑی تو سمعان کو وہاں محوِ خواب دیکھ کر از حد دکھی ہوئی نجانے سمعان کب آ کر لیٹا تھا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں گئی۔ وضو کر کے کمرے میں آ کر اس نے کمبل اٹھا کر بڑی آہستگی سے سمعان احمد پر ڈال دیا۔ پھر نماز پڑھ کر نکل آئی۔ لان کے چکر لگاتے وہ وہیں بیٹھ گئی۔ کافی دیر وہاں بیٹھی رہی گھر کے اندرونی حصے سے آوازیں آنا شروع ہوئیں تو وہ کچن میں آ گئی۔ ماجد جو چائے بنا رہی تھی کہ بھابی بھی آ گئیں۔

”بڑی جلدی اٹھ گئیں تم؟“

”بس جلدی آنکھ کھل گئی۔ چائے پئیں گی؟“ بھابی سے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

”بھابی ایک کپ چائے پلا دیں۔ سر میں شدید درد ہورہا ہے۔ پلیز.....“

سمعان کی آواز سن کر وہ پلٹی۔ سمعان بھی اسے وہاں دیکھ کر رکا۔ وہ جب سے آئی تھی یہ پہلا براہ راست سامنا تھا۔ سمعان نے اسے نظرانداز کیا۔

”ہاں! بھجواتی ہوں۔ صرف چائے ہی بھجواؤں یا ناشتا بھی تیار کروا کر بھجوں۔“

”صرف چائے.....“ یہ کہہ کر سمعان پلٹ گیا اور زرش کا دل بھر آیا۔

”زرش! سمعان کی بھی چائے لے جاؤ۔“ چائے مگوں میں ڈال کر اپنا کپ لے کر وہ نکلنے لگی تو بھابی کے کہنے پر رکی۔

”ماجدہ کو بھیج دیں۔ میرے ہاتھ سے تو وہ شاید چائے لینا بھی پسند نہ کریں۔“ یاسیت سے کہہ کر وہ فرح کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ زرش کو اس کی نیند پر بڑا رشک آیا۔ کچھ دیر میں وہ اٹھ گئی۔ زرش کو اپنے کمرے میں دیکھ کر مسکرائی پھر ہاتھ منہ دھو کر لوٹی تو زرش اس کی مہندی دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ فرح کو بڑا تیز رنگ آیا تھا۔ ذرا بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے فرح کو اس کے سادہ ہاتھ پیر۔ وہ کچن میں جا کر کون لے آئی تھی۔

”مجھے تمہارے یہ سادہ ہاتھ پیر بڑے برے لگ رہے ہیں۔ دیکھنا اب میں تمہیں مہندی لگاتی ہوں۔ میری مہندی تو ویسے بھی تمہیں بڑی پسند ہے۔“ اس کے منع کرنے کے باوجود فرح نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پھر اسے تب تک نہ چھوڑا تھا جب تک اس کے ہاتھ اور پاؤں پر اپنی مرضی سے مہندی نہ لگا دی۔

”میں ناشتا کرنے جارہی ہوں تم آرام سے چاہے تو سو جاؤ یا بیٹھ کر مہندی سکھاؤ۔“

زرش کے بستر پر لیٹ گئی تھی، کچھ دیر لیٹنے کے بعد اسے خود بخود نیند آ گئی۔

❀ ❀ ❀

بارات کا انتظام ہوٹل میں تھا۔ سارا دن سب کا بڑی مصروفیت میں گزرا۔ ہوٹل کی اوقات پانچ سے رات دس بجے تک تھی۔ سو مرد حضرات جلدی ہی تیار ہو کر وہاں چلے گئے تھے۔ زیادہ تر مہمانوں نے ہوٹل ہی پہنچنا تھا۔ بھابی نے اسے فرح کے ساتھ پارلر جانے کا کہا۔

”اس بیگ میں تمہارے اور فرح دونوں کے لباس زیور سب رکھا ہے۔ علی چھوڑ آئے گا جلدی تیار ہو کر نکلو۔“ بھابی کی ہدایت پر وہ واش روم میں گھس گئی۔

علی ان کو پارلر لے آیا۔ فرح کا لباس نکال کر اس نے اپنا سوٹ نکالا تو دیکھ کر حیران ہوئی۔ شلوار قمیص کی بجائے ساڑھی تھی۔

”ہائے فرح! میں یہ کیسے پہنوں گی؟ میں نے تو آج تک ساڑھی نہیں پہنی۔“ وہ پریشان ہوگئی۔

”کوئی بات نہیں، آج پہن لو۔ امی نے بھابی کو کہا تھا کہ اپنے ساتھ ساتھ تمہارے لیے بھی شاپنگ کرلیں۔ انہوں نے آج ساڑھی پہننی ہے۔ سو تمہارے لیے بھی یہی خرید لی۔“ وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

بیوٹیشن کی مدد سے اس نے ساڑھی پہن لی اور زیور اس کے بیگ میں ہی تھا۔ بیوٹیشن نے فرح کے تیار ہونے تک اسے بھی تیار کر دیا۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ فرح نے تعریف کی تو وہ جھینپ گئی۔

فرح دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ٹوٹ کر روپ آیا تھا اس پر۔ زرش گاہے بگاہے سعد کے ذکر سے اسے چھیڑتی رہی تھی۔ ہوٹل پہنچ کر فرح کو کمرے میں پہنچا کر وہ ماما اور نویرہ کے پاس چلی آئی۔

”زبردست..... بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ نویرہ نے دل کھول کر سراہا۔ وہ ہنس دی۔

”سمعان سے کوئی بات ہوئی؟ اب کیسا موڈ ہے؟ ہم لوگوں سے تو نارمل ہی ملے ہیں سمعان احمد تو.....

"کوئی بات نہیں ہوئی۔" اس نے آہستگی سے سارا ماجرا سنادیا۔ نویرہ اسے تسلیاں دیتی رہی۔

بارات آنے کے بعد نکاح اور پھر کھانے تک وہ ماما کے پاس ہی رہی۔ مرد و خواتین کا علیحدہ انتظام تھا۔ رات گئے جب سعد کو اندر لاکر بٹھایا گیا اور ساتھ میں فرح کو تو بھابی نے اسے پاس بلالیا۔

"ماما نے خاص تاکید کی ہے کہ دودھ پلائی کی رسم تم اور نوشین نے کرنی ہے۔" انہوں نے جلانے کی وجہ بیان کی اور ساتھ میں طاہرہ کی خصوصی ہدایت بھی بتادی۔

دودھ پلائی کی رسم بڑے شور ہنگامے میں ہوئی۔ تین ہزار نیگ میں ملے تھے جو طاہرہ کے کہنے پر نوشی اور اس نے آدھے آدھے رکھ لیے۔

رخصتی کے وقت فرح روئی تو باقی لوگوں کو بھی کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔ نویرہ اور شارق رومیسہ کے اصرار پر ان کے ہاں چلے گئے۔ گھر واپسی تک بارہ بج گئے۔ سب کا تھکن سے بُرا حال تھا۔ ماما اور پاپا ان کے ساتھ ہی ادھر آگئے تھے جنہیں کچھ دیر رک کر گھر چلے جانا تھا۔ جب کہ نوشی ماموں کے ہاں تھی۔ بھابی کے کہنے پر اس نے چائے بنائی تھی۔ ملازمہ سے سب کو چائے دینے کا کہہ کر وہ خود چینج کرنے کمرے میں چلی آئی۔

وہ بے دھیانی میں ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔ مگر وہاں سمعان کو الماری میں سر دیئے کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی۔ سمعان شاید چینج کرنے آیا تھا۔ شرٹ اتاری ہوئی تھی، زرش رُک گئی کہ کیا کرے واپس پلٹ جائے یا آگے بڑھ کر الماری سے اپنا بیگ نکال لے۔ سمعان اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر پھر الماری سے اپنی شرٹ ڈھونڈنے لگا۔ سمعان کے انداز پر زرش کا دل ایک دم رکا۔

اتنا لاتعلق انداز...... اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر دوسرا پٹ کھول کر اپنا بیگ نکالا تو اونچی ہیل اور ساڑھی کی وجہ سے سمعان کے سامنے وہ کافی زیادہ نروس ہوگئی۔ بیگ نکال کر پلٹی تو اونچی ہیل سے توازن نہ رکھ پائی اور اس سے پہلے کہ وہ گرتی اس نے قریب کھڑے سمعان کا کندھا تھاما۔ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" سمعان کے غصے پر وہ ششدر رہ گئی۔ سمعان نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا۔ وہ الماری سے جاٹکرائی۔

آنکھیں ایک دم دھند سے اٹی تھیں مگر وہ خود کو سنبھال گئی۔

"میں آتو گئی ہوں اب کیوں ناراض ہیں؟" اس نے بے حد بے چارگی سے کہا۔

"تم اپنی غرض کے لیے آئی ہو، میرے لیے نہیں۔ میں نے تم پر پہلے ہی واضح کردیا تھا کہ تمہارے آنے جانے سے مجھے کوئی غرض نہیں ہوگی۔" سمعان کے لب و لہجے نے اس کے اوپر بُری طرح اثر کیا۔

"اب تو میں آگئی ہوں۔ سب کچھ بھلا کر، ساری رنجشیں ختم کرکے آپ اتنے سنگ دل تو نہ تھے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کررہے ہیں؟" اگلے ہی پل وہ رودی۔

"تم اسی قابل ہو۔" وہ سمعان کے لب و لہجے پر بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔ پھر تیزی سے وہاں سے نکل کر بیڈروم میں آگئی۔

"وہ کیوں آگئی تھی۔" جذباتیت نے اس پر بڑی بُری طرح حملہ کیا۔ وہ سب بھلا کر صرف سمعان کے لیے آئی تھی اور سمعان......

پھوٹ پھوٹ کر روتے اس نے ہاتھوں کے گجرے نوچ کر پھینک دیئے۔ اسے زیور سے وحشت ہونے لگی۔ بستر پر گر کر سارا زیور نوچ کر بستر پر پھینکا۔

"تم اسی قابل ہو۔" یہ الفاظ اس کے ذہن و دل پر ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے۔ تکیے پر سر رکھے وہ شدت سے روتی رہی۔

سمعان چینج کرکے روم میں آیا تو پاؤں تلے گجرے آگئے۔ لب بھینچ کر ایک تلخ نگاہ پھوٹ پھوٹ کر روتے وجود اور اردگرد بکھرے زیور پر ڈالی۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا تو زرش کو لگا کہ اس کے وجود میں موت در آئی ہے۔ خوب رو کر دل کا غبار نکال کر منہ ہاتھ دھو کر چینج کرکے وہ کمرے سے باہر آئی تو ماما پاپا واپسی کے ارادے سے کھڑے تھے۔ سمعان بھی وہیں تھا۔

"ماما! آپ ٹھہریں میں بھی ساتھ چل رہی ہوں۔" سب نے چونک کر خاص طور پر طاہرہ بیگم نے بغور اس کے روئے چہرے کو دیکھا۔

"کیوں بیٹا؟" وہ ایک دم خوف زدہ ہوئی۔

"میں صبح پھر آجاؤں گی۔" انہیں مختصراً کہہ کر وہ کمرے میں آکر اپنا بیگ لے کر ماما پاپا کے ساتھ چلی آئی۔

شائستہ بیگم نے اس کی چپ نوٹ کی تھی مگر ٹوکا نہیں۔ اب وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنا فیصلہ خود کرے۔ اگر آئی ہے تو اگلے مرحلے کے بارے میں بھی سوچے۔

❀ ❀ ❀

خوب صورت پھولوں سے سجے کمرے میں دلہن بنی بیٹھی وہ خاصی گھبراہٹ کا شکار تھی۔ کچھ دیر پہلے بھی گھر والے اس کے گرد جمع تھے مگر اس وقت وہ تنہا تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ آنے والی گھڑیوں کا انتظار کررہی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے پر کھٹکا ہوا تو وہ اندر تک گھبرا اٹھی۔

سعد جمال نے اندر آکر ایک بھرپور نگاہ اپنے لیے پورے اہتمام سے سجی فرح پر ڈالی۔

"السلام علیکم! بڑے شرمسار لہجے میں کہتے وہ اس کے قریب بیٹھا تو فرح کو اپنا دل ہتھیلیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔

اس نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ میرے تصور سے بھی بڑھ کر۔" بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بغور دیکھا تو وہ نگاہ نہ اٹھا سکی۔ "خوش ہو؟" فرح نے صرف سر ہلایا تھا۔ وہ مسکرادیا۔ اپنی جیب سے مخملیں ڈبیا نکال کر اس نے ایک خوب صورت زنجیر نکالی۔

"اجازت ہے......" اس نے پوچھا تھا۔

اور پھر اس نے وہ زنجیر اس کی گردن میں سجادی۔

"میں اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ یقین راستہ ہو تو منزل خود قدم چومتی ہے۔ زرش سے

تم تک کا سفر دشوار اور کٹھن ضرور تھا۔ اگر تمہارا سونپا یقین شاملِ احوال نہ ہوتا تو شاید میں ہمت ہار جاتا۔ تم میرے لیے رب کا ایک عظیم تحفہ ہو۔ کچھ بولو گی نہیں؟" وہ نگاہ اٹھا کر اپنی طرف وارفتگی و جذبات کی شدت سے متوجہ وجود کو صرف ایک پل دیکھ پائی تھی۔

"چلو نہ بولو..... آج رات مجھے بولنے دو۔ بلکہ سنو پھر ساری عمر تمہاری ہی سننی ہے۔" فرح کا حیا اور شرم سے گلنار چہرہ دیکھ کر وہ ہنس دیا۔

❁ .... ❁ .... ❁

وہ سارا دن ماما کے ہی رہی۔ ولیمے کی تقریب میں وہ ادھر سے ہی شامل ہونا چاہتی تھی اور ساری تقریب میں وہ نویرہ کے ساتھ ہی بیٹھی رہی۔ نویرہ اور شارق صرف دو تین گھنٹے کے لیے تھے۔ گھر میں اماں تنہا تھیں یہ دو دن بھی وہ صرف زرش کی ضد میں رُکے تھے۔ آج بھی ولیمے میں شامل ہونے کا مقصد یہی تھا کہ زرش کو خدا حافظ کہہ کر واپس چلیں جائیں۔

فرح بہت خوش تھی اسے خوش دیکھ کر زرش نے اس کی خوشیوں کے لیے ڈھیروں دعائیں مانگیں۔

نویرہ، شارق اسے خدا حافظ کہہ کر باقی سب سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ سعود احمد کا ڈرائیور ان کو ائرپورٹ تک چھوڑنے جا رہا تھا۔

"کافی اچھے لوگ ہیں۔ ملنسار اور مخلص۔" شارق نے تبصرہ کیا۔

"ہوں....." نویرہ نے مختصراً کہا۔

ڈرائیور ائرپورٹ پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ لاہور میں تھے۔ گھر آ کر اماں سے مل کر کچھ باتیں کرنے کے بعد وہ کمرے میں چلی آئی۔ شارق چینج کر کے بستر پر دراز تھا اسے آتے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ اپنے آپ کو سمجھنے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کے بعد اس نے نویرہ کو بالکل اسی روپ میں دیکھا تھا۔ جس کی اسے آرزو تھی مگر اس کے باوجود اک خلش سی تھی کہ نویرہ کے دل میں نجانے اس کا مقام کیا تھا۔ وہ ابھی تک نہ جان پایا تھا۔

"کہاں چلی ہو؟" الماری سے کپڑے نکال کر وہ پلٹی تو شارق بستر سے اتر کر سامنے آ گیا۔

"چینج کرنے۔" حیران ہو کر شارق کو دیکھا۔

"ابھی رہنے دو..... اچھی لگ رہی ہو..... کچھ دیر تو دیکھنے دو۔" شارق اس کا بازو پکڑ کر بستر پر لے آیا۔ دوسری طرف مصعب سو رہا تھا۔ کندھوں پر دباؤ ڈال کر بستر پر بٹھا دیا۔

"تم نے سنبھلنے اور سب بھول جانے کے لیے کچھ وقت مانگا تھا۔ میں انتظار کرتے کرتے تھکنے لگا ہوں۔ نجانے کب تم عام معافی کا اعلان سناؤ گی۔" اس کے لہجے میں بڑا محبت بھرا شکوہ تھا۔

نویرہ کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

شارق نے اس کے کان میں جھولتے آویزے کو انگلی سے چھوا تو وہ بزل سی ہو گئی۔

"مجھے ابھی عشاء کی نماز پڑھنی ہے۔" شارق زمان کی دست و نگاہ کی شوخیوں کو روکنے کا اسے یہی طریقہ سمجھ میں آیا۔

"شوہر کو نظر انداز کرنے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ یاد رکھو....." نویرہ ہنس دی۔

"تو شوہر کو خود ہی چاہیے کہ بیوی کو تنگ نہ کرے۔" اس نے شارق کی گرفت سے بازو نکالنا چاہا تھا مگر گرفت بلا کی مضبوط تھی۔

"تم میری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔" انداز دھمکانے والا تھا مگر وہ بھی نویرہ تھی۔

"میں نے تو کبھی جائز فائدہ نہیں اٹھایا آپ ناجائز کی بات کرتے ہیں۔" اس نے اس غلط بیانی پر گھورا۔

"ہاں تو کون منع کرتا ہے، میں تو خود منتظر ہوں کہ تم فائدہ اٹھاؤ۔"

"مجھے زیادہ چڑھائیں نا۔ میں نے فائدہ اٹھایا تو سر پر ہاتھ رکھ کر آپ کو ہی رونا پڑے گا۔" اس نے چڑانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ "میں نماز پڑھ کر آتی ہوں پھر بات کریں گے سب جائز اور ناجائز کی۔"

شارق زمان کی آنکھوں سے مچلتے جذبوں سے گھبرا کر اس نے فوراً بات بدلی۔

"اچھا ایک شرط پر....."

"کیا.....؟"

"تم ابھی یہ لباس نہیں بدلو گی۔ بہت پیاری لگ رہی ہو تم ان کپڑوں میں۔ یوں سمجھو غضب ڈھا رہی ہو۔"

نویرہ ایک دم سرخ ہوئی۔ دل کی دھڑکن کا اور ہی عالم تھا۔

"بولو منظور ہے؟"

"اچھا....." اسے ناچار ماننا ہی پڑا۔

"جاؤ..... کیا یاد کرو گی مگر وعدہ خلافی کی تو یاد رکھنا بہت بُرا کروں گا میں۔"

نویرہ گلنار چہرہ لیے اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی فوراً اٹھ گئی۔

.... ☆ ....

ولیمے کی تقریب بخیریت و عافیت انجام پزیر ہوئی۔ واپسی پر فرح اور سعد رسم کے طور پر ان کے ساتھ آئے۔ طاہرہ بیگم نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اب شائستہ کے ساتھ نہیں جائے گی بلکہ ان لوگوں کو بھی ضروری کام کہہ کر اپنے ساتھ ادھر ہی بلوا لیا۔ تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا اس نے آتے ہی کپڑے بدلے۔ کچن میں آئی تو بھابی اسے یوں صاف چہرہ لیے دیکھ کر چونکی۔

"تم نے کپڑے کیوں بدل لیے؟ کچھ دیر تو رک جاتیں۔"

"الجھن ہو رہی تھی ساتھ میں تھکن بھی۔" انہوں نے چائے بنوائی تھی ٹرے تیار کر کے اسے تھما دی۔

"سب کو دے دو۔ میں یہ لے آتی ہوں۔" انہوں نے دوسری ٹرے تیار کرتے ہوئے کہا تو وہ باہر نکل آئی۔ لاؤنج میں بھی بڑا سماں تھا باتیں زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر وہاں سے نکل آئی۔ کچھ دیر اس کا فرح کے ساتھ باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ فرح کو لیے اس کے کمرے میں آ گئی۔ جب کہ سعد لاؤنج میں ہی تھا۔ تھوڑی دیر میں بھابی اور تائی بیگم بھی چلی آئی۔

"میں نے اپنی نفرت میں ہمیشہ غلط ہی سوچا اور سمجھا۔ جب تک نفرت کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہی میں

یہی سمجھتی رہی کہ تم نے سمعان کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ تم سمعان کے ساتھ آباد ہو چکی ہو مگر نفرت کی پٹی آنکھوں سے اتری تو سارے منظر صاف اور واضح دکھائی دینے لگے۔ بچے دکھی اور رنجیدہ ہوں تو ماں باپ سکھی رہ سکتی ہے؟ اللہ تمہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ سمعان کو صحت و سلامتی دے۔ سمعان میری ضد پر تمہیں لینے گیا تھا، واپس آ کر اس نے صرف یہی کہا تھا کہ تم نہیں آؤ گی اور تمہیں اس گھر سے کوئی لینے گیا تو وہ یہ گھر چھوڑ دے گا۔ میں چپ ہو گئی۔ تم آ گئی ہو۔ بڑے ظرف والی ہو مگر تمہیں اور سمعان کو اس طرح دیکھ کر مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ تم ہماری بچی ہو۔ جانتی ہو۔ کب سے سمعان کے ساتھ ہو کم از کم خوشی کی طرح کوئی خوش خبری تو ضرور ہوتی نا۔" پاس بیٹھ کر وہ جس طرح بات کر رہی تھیں۔ شرم و حیا سے زرش کا سر جھکتا چلا گیا۔

"شائستہ کو بھی میں نے اسی لیے روک لیا ہے۔ سمعان کو وقتی غصہ ہے۔ سب سمجھا رہے ہیں، پریشان نہیں ہونا۔ زوباریہ! بہن کو تیار کر کے باہر لے آؤ۔ اپنی نفرت کے ہاتھوں بڑے حسین اور انمول پل ضائع کیے ہیں۔ آج میں زرش کو دلہن بنا دیکھنا چاہوں گی۔ ساری غلطیوں کا ازالہ کروں گی۔" وہ محبت سے کہہ کر بہت پیار سے اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی تھیں اور زرش ہکا بکا رہ گئی۔

"چلو جی دلہن صاحبہ! جلدی سے اٹھ کر یہ کپڑے چینج کر لیں، خصوصی لباس ہے آج رات کے لیے۔ زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔" بھابی اس کے انداز پر ہنس رہی تھیں۔

"مگر بھابی......!"

"فرح! اسے واش روم میں دھکیلو۔ یہ فٹافٹ کپڑے بدل کر آئے۔ اگر مگر بعد میں کر لینا۔"

ناچار اسے بھابی اور فرح کے سامنے ہار ماننا پڑی۔

بڑا خوب صورت کڑھائی والا سوٹ تھا۔ بھابی نے جلدی سے تیار کیا اور زیور اس کا سارا کمرے میں تھا جو فرح نے لا دیا تھا۔ فرح نے بڑی محبت سے اس کے ماتھے پر بندیا سجائی ایک ایک زیور پہنایا۔

"پلیز یہ رہنے دو......" اسے بہت حیا آ رہی تھی۔ اتنے عرصے بعد اب دوبارہ سے یہ سب ہنگامہ اسے بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

فرح نے اپنے ہاتھوں میں سجے گجرے اتار کر اسے پہنا دیئے۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ سمعان کی آج خیر نہیں۔" بھابی کی چھیڑ چھاڑ پر اسے اپنا دل کنٹرول کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

"میں امی کو بلا کر لاتی ہوں۔" فرح محبت سے اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی۔ زرش کو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے محسوس ہوئے۔

طاہرہ بیگم کے ہمراہ شائستہ بیگم بھی تھیں۔ ماما کو دیکھ کر اس کا سر جھکتا چلا گیا۔ ٹوٹ کر حیا آئی۔ وہ لوگ اسے لاؤنج میں لے آئیں، سمعان کے ساتھ بٹھانے پر وہ گھبرا گئی۔ اتنے لوگوں کے سامنے اور اوپر سے سمعان کی قربت۔ سمعان اتنا سخت ناراض تھا۔ نجانے کیا ردعمل ہو گا۔ وہ اندر ہی اندر خوف زدہ ہو رہی تھی۔ علی تصویریں لینے لگا۔

"تمہاری تائی بیگم کو تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھنے کا بڑا ارمان ہو رہا تھا۔ چلو ان کی خواہش بھی پوری ہوئی۔ خوش رہو...... آباد رہو۔" تایا ابو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے پیار دے کر کہہ رہے تھے۔

"میں تو سارے ارمان پورے کروں گی اب۔" انہوں نے مخملی کیس سے نہایت قیمتی کنگن نکال کر اس کے ہاتھ میں پہنا دیئے۔ "تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔ زوباریہ کو بھی دیا تھا۔ یہ تمہارا حصہ ہے۔ دینے میں دیر ہو گئی۔" کنگن پہنا کر بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا دیا۔ پھر پیشانی چوم لی۔ مسعود احمد اور شائستہ دونوں بڑے مطمئن سے تھے۔

"ماشاء اللہ...... اپنی کم فہمی کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھایا۔ خدا تم دونوں کو سدا سلامت رکھے۔" وہ آبدیدہ ہو گئی۔ مگر اگلے ہی پل خود کو سنبھال بھی لیا کہ اعتماد اور خوشی کے پل بڑی مشکل سے خوش قسمتی سے ملتے ہیں۔

سمعان سارا وقت خاموش رہا۔ اس کے سیل پر کال آنے لگی تو وہ معذرت کرتا اٹھ کر چلا گیا۔

"زوباریہ! بہن کو کمرے میں چھوڑ آؤ۔"

پانچ منٹ بعد طاہرہ بیگم کے کہنے پر بھابی نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔

"ارے تمہیں کیا ہو رہا ہے۔ اتنی سرد ہو رہی ہو۔" بھابی ہنس دی تھیں۔

"بھابی! سمعان بہت سخت ناراض ہیں، دیکھیے گا۔ وہ اس سارے واقعے پر بھی بہت خفا ہوں گے۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا، ہمت کرو...... ایک غلطی کر چکی ہو۔ اب سلیقے سے سنبھالو۔ ہم تمہاری مدد یہاں تک ہی کر سکتے تھے۔ وہ تمہارا شوہر ہے۔ شدید محبت کرتا ہے تم سے۔ اب اسے کیسے منانا ہے، یہ تم پر منحصر ہے۔ پریشان نہیں ہوتے۔" کمرے کی طرف آتے وہ مسلسل ہمت بندھا رہی تھیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو سمعان احمد کو فون پر مصروف پایا۔ ان دونوں کو دیکھ کر سمعان نے کال ڈراپ کی۔

"لو بھئی! سنبھالو اپنی دلہن کو......" بھابی کا انداز بڑا شرارتی ہوا تھا۔

سمعان احمد نے بڑی سنجیدگی سے بھابی اور سجی سنوری زرش کی طرف دیکھا۔

"اس سارے ڈرامے کا مقصد؟" لب و لہجے میں کوئی رعایت نہ تھی، زرش کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"سمعان! صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ بلکہ خوش دلی سے اور بڑے ظرف سے دل میں جگہ دیتے ہیں۔"

"زرش ادھر بیٹھو......" انہوں نے گھبرائی پریشان زرش کو بستر پر بٹھا دیا اور پلٹ کر سمعان کو دیکھا۔

"جو بھی گلے شکوے ہیں ختم کرو اور کھلے دل سے مسکرا کر نئی خوشیوں کو آگے بڑھ کر خوش آمدید کہو۔ اس کے ساتھ جو بھی ہوا اس کے بعد اس نے جو بھی کیا وہ ردعمل تھا۔ ہاں ایک غلطی کر چکی ہے یہ۔ مگر تمہیں بھی اس بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ لوٹ آئی ہے، اس گھر میں ہے۔ تمہارے حوالے سے ہے تو تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم اسے اہمیت دو۔ ورنہ ہم بدھو نہیں جو معاملہ سمجھیں! کوئی زیادتی کی تو تمہاری کھنچائی کرنے میں سب کا ساتھ دیں گے کہ وہ آخری وقت میں لوٹ تو آئی نا......" سمعان نے صرف سنجیدگی سے انہیں دیکھا اور وہ مسکرا کر کمرے سے نکل گئی۔

سمعان نے زرش کو دیکھا، خوب صورت لباس اور جیولری کے ہمراہ اس روپ میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔ سمعان ڈریسنگ روم میں چلا گیا اور کچھ دیر بعد چینج کرکے لوٹا تو انداز کچھ پُرسوچ تھا۔

”غصہ تو مجھے تم پر بہت ہے اتنا زیادہ کہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ میں تمہیں لینے گیا۔ ایک مان اور یقین کے ساتھ کہ اگر واقعی تمہارے نزدیک میری کوئی حیثیت یا اہمیت ہوئی تو تم میرے ساتھ ضرور آؤ گی۔ مگر تمہارے انکار نے بہت تکلیف دی۔ اتنی تکلیف کہ مجھے اپنے جذبات بس سے باہر ہوتے محسوس ہوئے۔ بہت بُرا کیا تم نے میرے ساتھ۔“ واپس کمرے میں آ کر سمعان احمد نے کہا بھی تو لبوں سے شکوہ برآمد ہوا تھا اور زرش کو اپنا وجود ندامت سے جھکتا محسوس ہوا۔ وہ اتنے اچھے انسان کا دل دکھانے کا سبب بنی تھی محض اپنی ضد اور جھوٹی انا کے سبب۔

”آئی ایم سوری......“ بستر سے اُٹھ کر وہ سمعان احمد کے سامنے کھڑی ہوئی۔ دونوں ہاتھ ندامت سے جوڑتے وہ سخت پشیمان اور شرمندہ لگ رہی تھی۔ ”رئیلی سوری!“ خوب صورت لباس و زیور سے سجی سنوری وہ اپنی ساری ضد اور انا کو فراموش کیے کھڑی تھی۔ اپنی غلطیوں کو قبول کرنے اور سمعان احمد کی ناراضگی ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔

سمعان احمد نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کرتے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ نرم و گداز ہاتھوں کا لمس بڑا دلفریب سا تھا۔ مہندی سے سجے ہاتھ بڑے پر بہار لگ رہے تھے۔ دل میں لاکھ غصہ تھا۔ بے پناہ بدظنی سہی مگر اس طرح معافی مانگنے کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

”آپ مجھے لاکھ بُرا بھلا کہہ لیں۔ غصہ کرلیں مگر ناراض نہ ہوں۔ آپ کا یہ انداز مجھے مار ڈالے گا۔“ اگلے ہی پل وہ سسک اٹھی اور سمعان کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رو دی۔ بھیگے لہجے میں یہ کیسا دلنشیں اقرار ہوا تھا۔ سمعان احمد کو لگا دل میں موجود ساری کثافت دھل گئی ہے۔ گویا برسوں کا انتظار ختم ہوا تھا۔ بس ایک پل لگا تھا حقیقتاً غصہ ختم کرتے جس قدر ناراضگی تھی پل میں دل صاف ہوگیا۔

”میں غلط تھی، اس معاملے میں...... مگر خدا گواہ ہے آپ کو تکلیف دینا مقصد نہ تھا اور جب آپ ناراض ہو کر آئے تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اگر احساس نہ ہوتا تو میں بھلا کیوں آتی؟“ وہ شدت سے روئی۔ سمعان کے اندر اس کے شدت سے رونے سے بڑی ہلچل سی ہوئی۔ بڑا انوکھا سا احساس جاگا تھا۔

”زرش...... زری......!“ سمعان احمد نے اسے مضبوط بازو کے حصار میں سمیٹ لیا۔

”ارے...... بس کرو...... ناراض تو میں تھا۔ نازنخرے تو تمہیں میرے اٹھانے چاہیں تھے۔ مگر دیکھو تمہیں چپ میں کروا رہا ہوں۔“ سمعان نے بڑے دھیمے ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے اس کے تمام دُرِ خوش آب اپنے پوروں سے چُن لیے اور زرش وہ تو رونا دھونا بھول کر ساکت و صامت سی کھڑی رہ گئی۔ اتنی محبت...... ایسی وارفتگی......

سمعان احمد کی دلگیری اسے گنگ کرگئی۔ کیا وہ واقعی اس قدر خوش قسمت تھی۔

”دل تو چاہ رہا تھا کہ تمہیں اتنا ضرور ستاؤں کہ کم از کم تم آئندہ کبھی تم اپنی ضد پر اڑنے سے پہلے ہزار بار تو ضرور سوچو۔ مگر دیکھو تو تمہارے معاملے میں اللہ نے کتنا گداز و مہربان دل دیا ہے۔ اُدھر تمہاری آنکھ سے آنسو

نکلا نہیں اِدھر میں ساری ناراضگی بھولا نہیں۔“ سمعان احمد کے والہانہ پن لیے انداز، بے شدتوں و بے قراریوں سے گھبرا کر اس نے ایک دم سمعان احمد کے حصار کو توڑتے پیچھے ہٹنا چاہا تھا مگر گرفت میں بلا کی سختی تھی۔

”اوں...... ہوں...... اب نہیں...... بہت صبر کرلیا میں نے اور بہت ستالیا تم نے مجھے۔ بڑا امتحان لیا تم نے میری محبت، میرے خوابوں کا۔ آج میری محبت کی فتح کا دن ہے۔ پہلی بار باضابطہ طور پر تم اس گھر میں، میری والدہ اور اپنی ساس صاحبہ کے راضی نامے سے اور بہت سے لوگوں کی موجودگی میں خود چل کر میرے کمرے میں آئی ہو۔ یہی تمہاری ڈیمانڈ تھیں جو آج تکمیل پاگئی ہیں۔ مجھے روکنا فضول ہے۔“ بے پناہ والہانہ پن سمیٹے، محبت و شدت کا مظاہرہ کرتے سمعان نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا تھا اور زرش سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گئی۔

”سمعان...... پلیز......“ وہ لرز کر پیچھے ہٹی اور سمعان کھل کر ہنسا۔ اس کے لبوں سے اپنا نام سُن کر دل میں جلترنگ سے بجے تھے۔ گویا اطراف میں ساز گونج اٹھے ہوں۔

”میں نے تمہیں ایک بار کہا تھا کہ تم اگر میری محبت کی انتہاء دیکھو تو اپنے ہونے پر فخر کرو گی۔ یہ تو اک جھلک ہے۔ ابھی تو پوری فلم باقی ہے، اپنی محبتوں کی۔ اپنے سچے کھرے جذبوں کی بار آوری کی۔“ نہایت شرارت سے کہتے اس کی طرف پیش قدمی کی۔

”جذبے سچے ہوں اور مستقل مزاجی فطرت کا حصہ ہو تو منزل کا حصول قطعی مشکل نہیں رہتا۔ یہ میری محبتوں کی جیت ہے پھر ماتی ہونا۔“ وہ اس طرح کھڑی تھی کہ رُخ آئینے کی طرف تھا، سمعان احمد نے آگے جھک کر پوچھا۔

”سنا تھا کہ اگر محبت ہو اور شدتیں حد سے بڑھ جائیں تو بعض اوقات ان کو زوال آنے لگتا ہے مگر میرا یقین ہے کہ اگر انسان توازن کی راہ پر قائم رہے تو اک دن ضرور محبتوں کی جیت ہوتی ہے۔“ زرش نے صرف ایک پل کو نگاہ اٹھا کر آئینے میں دکھائی دیتے سمعان احمد کے بھرپور عکس کو دیکھا۔ جگر جگر کرتی آنکھیں اور محبت سے گندھا لہجہ۔ اس نے گھبرا کر پلکوں کی چلمن گرالی۔ سمعان نے ہنس کر اس کا رُخ اپنی طرف کرلیا۔

”کچھ نہیں ہوگی۔ آج کے لیے، کوئی لفظ، کوئی جگنو، کوئی اشعار؟“ سمعان چھیڑ رہا تھا اور زرش کوئی جائے فرار نہ پاتے سمعان احمد کے کشادہ سینے میں منہ چھپا گئی اور یہ واقعی سمعان احمد کے سچے جذبوں اور والہانہ محبتوں کی جیت تھی کہ آج سب حالات سازگار تھے۔ یوں کہ وہ سر اٹھا کر پوری دنیا کے سامنے فخر سے جی سکتی تھی۔ محبت اعتدال کے ترازو میں ہی برقرار رہتی ہے ورنہ زندگی بے توازن ہوجائے تو جذبوں کا بے توازن پن ساری زندگی کی خوشیوں کو کھا جاتا ہے اور جذباتیت عمر بھر کا خسارہ جھولی میں ڈال دیتی ہے اگر توازن کا دامن ایک بار ہاتھ سے چھوٹ جائے تو......

(ختم شد)

اُم اقصیٰ

وہ ایک شخص کہ جس سے محبتیں تھیں بہت
خفا ہوئے تو اسی سے شکائتیں تھیں بہت
بہت عزیز تھے اپنے اصول اس کو بھی
ہمیں بھی اپنی انا کی ضرورتیں تھیں بہت

وہ جذبوں کی تجارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

''کسی بھی ماں کو نوکری نہیں کرنی چاہیے اور ڈاکٹری کی تو بالکل بھی نہیں۔'' صفائی کرتے ہوئے شمائل نے یہ بات بلا مبالغہ ستر دفعہ سوچی تھی۔

''مائیں تو بس گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ مزے مزے کے کھانے پکائی، بچوں کی دیکھ بھال کرتی اور ان کے چھوٹے چھوٹے مسائل حل کرتی۔'' یہ بھی شمائل کا ہی خیال تھا، وہ بے چاری بھی کیا کرتی، آج آخری پیپر تھا۔ سوچا تھا گھر آ کر سکون سے سوئے گی لیکن گھر میں ایک حشر برپا تھا۔ مما ڈاکٹر تھیں اور صبح سے اسپتال میں تھیں۔ اکلوتے بھائی شیرل کی اسلام آباد روانگی ہوئی تھی اور وہ پورے گھر کو تلپٹ کر گیا تھا۔ شمائل کی صفائی پسند طبیعت کو یہ گند ایک آنکھ نہ بھایا۔ سو آتے ہی صفائی میں جت گئی۔ گھر صاف اور اپنا حلیہ بے حد خراب، بھوک بھی بے تحاشا لگ رہی تھی لیکن شاور کے بعد اس کا کچھ کھانے کا ارادہ تھا، ابھی وارڈروب سے کپڑے نکالے ہی تھے کہ اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔ زور و شور سے بجتی گھنٹی نے بغیر چپل پہنے اسے دروازہ کھولنے کے لیے جانے پہ مجبور کردیا۔ ''صفائی والی ہوئی تو حشر کردوں گی میں اس کا۔'' سوچتے ہوئے دروازہ کھولا۔ اجنبی بڑے سے بیگ کے ساتھ موجود تھا۔

''جی......؟'' شمائل سوالیہ انداز سے دیکھنے لگی۔

''راستہ دیں......'' اجنبی رکھائی سے بولا۔

''کاف! کیا کام ہے؟'' شمائل کا لہجہ اس سے بھی زیادہ روکھا تھا۔

''دیکھیں، میرا نام کاف نہیں اور مجھے اندر تو آنے دیں۔''

''کاف! کیوں؟''

''مالک گھر کے اندر ہی جاتے ہیں محترمہ کاف صاحبہ!'' بے حد چڑچڑے انداز میں کہا۔

''میم مالک؟'' وہ حد درجہ حیران ہوئی۔

''دیکھیں میں میم نہیں ہوں؟ عجیب جاہل نوکرانی رکھی ہے چاچو نے......''

''نون نوکرانی؟'' شمائل آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔ ٹھیک ہے اس کا حلیہ اس وقت مناسب نہ تھا تو کیا شکل سے ظاہر نہیں ہو رہا۔ اس اجنبی نے موبائل نکالا نمبر پریس کیا۔

''چاچو! آپ کی نوکرانی اندر نہیں جانے دے

رہی۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا فون پر۔ "جی! ہاؤس نمبر گیارہ؟" وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر نیم پلیٹ دیکھ کر بولا۔ "اوہ! اوکے......"

"سوری محترمہ! مجھے برابر والے گھر میں جانا تھا۔" وہ معذرت خواہانہ اور کچھ کھسیائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا تو شمائل نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔

"شمائل!" مما کی دوسری آواز پر وہ ٹاک شو دیکھتی اٹھ کر کچن کی جانب آ گئی۔

"یہ بریانی تو احسن کو دے آؤ، آج اس کا بھتیجا بھی آیا ہوا ہے، جانے کیا الم غلم بنایا ہوگا۔" مما نے ڈش پکڑائی تو متذبذب ہو کر تھام لی۔ لان میں باڑھ پھلانگ کر اس نے لاؤنج کا دروازہ بجایا۔

"انکل! یہ میم مما نے دی ہے۔" شمائل نے ڈش بڑھائی تو انہوں نے شکریہ کے ساتھ تھامتے ہوئے اندر آنے کو کہا۔ وہ لاؤنج میں آ گئی۔

"تم وہی نوکرانی ہونا......؟" سامنے بیٹھا وہی اجنبی ساتھ والے شمائل کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"یہ شمائل ہے۔ شہباز صاحب کی بیٹی۔" کچن کی طرف جاتے احسن صاحب نے تنبیہ کی۔

"اچھا......!" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں اچھا کو کھینچ کر بولا۔

"پاپا آ گئے تمہارے؟" احسن صاحب نے واپس ڈش پکڑاتے پوچھا۔ شمائل نے نفی میں سر ہلایا۔

"کتنے بجے آئیں گے......؟"

"سیون سات بجے۔" وہ وال کلاک کو دیکھتے ہوئے بولی۔ جہاں چھ بجے تھے۔

"اوکے! مجھے کام تھا تھوڑا ان سے۔" وہ خود کلامی میں بولے۔

"سنو......!" وہ اس کی پکار پر مڑ کے دیکھنے لگی۔

"میرا نام عین عمیر ہے۔" متبسم لب اور شرارتی آنکھیں۔ تیز قدموں سے وہ اپنے گھر آ گئی۔ کچن کی سلیب پہ ڈش پٹختے بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"چاچو! یہ بولتی کیسے ہے؟" عمیر حیرت سے احسن صاحب سے استفسار کر رہا تھا۔

"ہاں! یہ ایسے ہی حروف تہجی سے بولتی ہے۔" احسن صاحب عادی تھے شمائل کے ایسا بولنے کے۔ شروع شروع میں وہ بھی بہت حیران ہوتے تھے۔

شمائل کے والد صاحب شہباز تین بھائی اور ان کی ایک بہن تھی ثمینہ۔ شہباز اور شعیب جڑواں تھے اور ان کی آپس میں بے پناہ محبت تھی۔ دونوں کی اکٹھے ہی شادی ہوئی تھی۔ شمائل کی والدہ فائزہ اور ماریا شعیب کی بیوی، دونوں بہنیں تھیں۔ دونوں نے ایک جیسے گھر بنائے، درمیان میں چھوٹی سی باڑھ تھی۔ دو سال تک شعیب اور ماریا کی کوئی اولاد نہ ہوئی جب کہ شہباز اور فائزہ کا ایک بیٹا ہو شیرل۔ شعیب کا اچانک ایک ٹریفک حادثے میں انتقال ہوگیا۔ سو ماریہ کی شادی ان کے چھوٹے بھائی سرفراز سے کر دی گئی۔ وہ پنڈی چلے گئے۔ ثمینہ بھی شادی کے بعد کراچی چلی گئی۔ شہباز نے شعیب کا گھر حفاظت سے پہلے خود رکھا پھر کرائے دار بٹھا دیے اور کرائے کی مد میں آنے والی رقم وہ چیرٹی میں دے دیا کرتے۔ پچھلے دو سالوں سے

احسن صاحب رہ رہے تھے، وہ سائیکالوجسٹ تھے ان کے ایک ہی بھائی تھے محسن۔ جو انگلینڈ میں بسے تھے، انہی کا بیٹا عمیر ان دنوں احسن صاحب کے پاس رہنے آیا ہوا تھا۔ دونوں کے مزاج ملتے تھے سو عمر کے تفاوت کے باوجود بہت دوستی تھی دونوں میں۔ بہت خوش مزاج اور لمحوں سے خوشی کشید کر کے یادگار بنانے والے تھے، یہ اور بات تھی کہ بڑھتی عمر نے احسن کو ذرا بردبار اور متحمل مزاج بنا دیا تھا جب کہ عمیر بہت بے پروا اور کھلنڈری طبیعت کا مالک تھا۔

ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دھنک سے رنگ ہوتے تھے
یہ اس کی عام حالت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا......

"شین شمائل! عین عمیر حاضر خدمت ہے۔" وہ لان میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ جب وہ سامنے آ کر بولا۔ گزشتہ تین چار دنوں میں آپس کے میل جول نے ان دونوں کے بیچ بے تکلفی پیدا کر دی تھی۔

"تے تم کاف کیا پے پڑھ رہی ہو؟" شرارتی آنکھوں سے کتاب کی جانب اشارہ کر کے پوچھ رہا تھا۔

"کتاب......" بغیر اس کی طرف دیکھے اس نے یک لفظی جواب دیا۔

"ہاؤ بورنگ......!" عمیر کے تبصرے پر وہ خاموش رہی۔

"شین شمائل! تے تم بہت بے بور لڑکی ہو۔" شمائل نے کتاب سے نظریں اٹھا کے اس کی جانب دیکھا۔

"تم ہر وقت میرا مذاق مت اڑایا کرو۔" انگلش میں بے لیے شمائل کے تبصرے پر اس نے غور سے اس کی جانب دیکھا وہ سنجیدہ تھی۔

"میں مذاق نہیں کرتا، مجھے تمہارا یہ انداز گفتگو پسند ہے شین شمائل!" اگرچہ اس نے سنجیدگی سے کہا مگر نگاہوں سے شرارت ٹپک رہی تھی۔ شمائل چپ رہی، وہ سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ "نو لفٹ!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"تم بہت اچھی لگ رہی ہو شمائل!" وہ خاموش رہی۔ "کوئی تعریف کرے تو تھینک یو بولتے ہیں ان مینرز لڑکی۔" اس کی کافی دیر کی خاموشی سے وہ اکتا کر بولا۔

"تمہاری قمیص بہت اچھی ہے پیلے رنگ کی۔" اس نے ایک اور پتا پھینکا۔ اس کی خاموشی توڑنے کے لیے۔

"یہ سیکن سرخ ہے۔" شمائل بے ساختہ بولی اور عمیر کے قہقہے پہ بہت پچھتائی۔

"اوکے مذاق برطرف۔" کافی دیر ہنسنے کے بعد وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم بھی کتاب رکھو۔" عمیر نے اس کے ہاتھ سے کتاب پکڑ کے میز پر رکھی۔ "اب مجھے بتاؤ کہ تم ایسے کیوں بولتی ہو حالانکہ ہکلاتی بھی نہیں ہو۔" عمیر اب پوری سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ شمائل کچھ دیر اس کے چہرے کو بغور دیکھتی اور سوچتی رہی کہ آیا اعتبار کرے بتائے یا نہ بتائے۔

"پلیز......!" عمیر کے اصرار پر اس نے بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں نے بچپن میں بہت دیر سے بولنا شروع کیا تھا۔ تقریباً تین سال کی عمر سے حالانکہ آج کل اس عمر کا بچہ اسکول جانے لگتا ہے۔ مما خود ڈاکٹر تھی، پھر بھی انہوں نے مجھے بے شمار ڈاکٹرز کو دکھایا سب

بھی کہتے کہ زبان میں کوئی مسئلہ نہیں۔ کچھ بچے ویسے ہی دیر سے بولنا شروع کرتے ہیں۔ خیر مما پاپا مایوس ہوگئے کہ یہ اب کبھی نہیں بولے گی۔ تین سال کی عمر سے آہستہ آہستہ میں نے بولنا شروع کردیا۔ پانچ سال کی عمر میں جب روانی سے بولنے لگی اور مجھے اسکول داخل کروانے کی باری آئی تو مما نے مجھے ڈائریکٹ اول جماعت میں داخل کروادیا کیونکہ نرسری، پریپ کی کتابیں وہ مجھے گھر میں پڑھا چکی تھیں۔ اسکول میں میرا ٹیسٹ ہوا۔ بس مجھے حروف تہجی نہیں آتے تھے۔ انہوں نے ون کلاس میں داخل کرلیا۔ مجھے حروف تہجی بے حد مشکل لگتے۔ سو اردو کی کتاب بھی مجھے نہ آئی، میری ٹیچر نے بہت سر کھپایا پھر آخر کار ایک دن انہوں نے مما کو اسکول بلوایا اور کہا کہ کسی بھی طریقے سے مجھے حروف تہجی یاد کروائیں اور لکھنا سکھائیں، ایک ہفتہ تھا میرے ایگزام میں۔ انہوں نے کہا کہ ورنہ اردو کے پرچے میں فیل ہونے کے باعث مجھے ون کلاس میں ہی رکھا جائے گا۔ مما نے بہت کوشش کی۔ آخر انہوں نے کسی طریقے سے مجھے حروف تہجی رٹوا دیئے اور مجھے تنبیہ کی کہ پورا ہفتہ مجھے حروف تہجی سے بولنا ہے۔ ہر چیز، نام، جگہ میں حروف تہجی سے کہنا ہے اس سلسلے میں انہوں نے پاپا اور شیرل بھیا کو کہہ دیا کہ میرا خیال رکھیں اور غلط بولنے پہ ٹوکیں۔ وہ پورا ہفتہ میں حروف تہجی سے بولی پھر حروف تہجی ایسے آئے کہ گئے ہی نہیں۔ اس ہفتے کے بعد بھی میں حروف تہجی سے ہی بولتی رہی، پہلے پہل تو مما نے مجھے نہ ٹوکا پھر جب چار پانچ ماہ گزر گئے اور میری عادت پختہ ہوتی چلی گئی تو وہ فکر مند ہوئیں، بہت ڈانٹا۔ شیرل بھیا نے بہت مذاق اڑایا، دوستوں کی ہنسی، لیکن یہ عادت نہیں چھوٹی۔"

"تو تم نے کوشش نہیں کی اس عادت کو چھوڑنے کی؟" عمیر نے پوچھا۔

"بہت، کئی بار...... لیکن نہیں چھوٹتی یہ عادت۔ بہت شرمندگی ہوتی ہے، میں نے اردو بولنا ہی ترک کردیا، ضرورتاً بات کرتی تو انگلش میں کرتی۔ اب بہت کوشش کے بعد تھوڑی سی عادت بدلی ہے، پورے فقرے میں ایک دو لفظ حروف تہجی سے بولتی ہوں۔"

"خیر یہ کوئی ایسی بھی بڑی بات نہیں کہ تم ہتی پھرو، چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔" "میں ہوں نا، ایسے چٹکیوں میں یہ عادت چھڑوا دوں گا۔" لہجے کے برعکس اس کی آنکھوں میں حسب عادت شرارت تھی۔

شمائل اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔ اس کی آنکھیں...... ایسی تھیں جیسے۔ مناسب لفظ نہ ملا اس کی آنکھوں کی تعریف کا۔

"سب سے پہلے تمہیں کرنا یہ ہے شمائل کہ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے تم ذہن میں اسے بغیر حروف کے چار پانچ مرتبہ دہرایا کرو۔ جیسے ہمارے گھر آرہی ہو۔ جو بھی بات کرنی ہے بغیر حروف کے تین چار مرتبہ ذہن میں دہراؤ پھر ان متوقع جوابات کو دہراؤ جو چاچو تم سے سوال کرتے ہیں۔ وہ یہی پوچھتے ہیں نا۔ پاپا گھر پر ہیں، مما آگئیں، شیرل کا فون آیا۔ رائٹ؟ پہلے اس ہدایت پر عمل کرو۔ باقی دوسرے سیشن میں بتاؤں گا۔" وہ ماہر سائیکالوجسٹ کی طرح لگ رہا تھا۔

"عمیر!" چاچو نے لاؤنج کی طرف جاتے اسے پکارا تھا۔

"آرہا ہوں چاچو۔" وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے

بانگ لگائی۔

"اوکے بھئی چاچو آ گئے۔ چلتا ہوں میں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"مما کہاں ہیں تمہاری؟"

"اسپتال۔" شمائل دھیرے سے بولی۔

"وہ تو 'وُ' سے نہیں ہوتا؟" عمیر کے کہنے پر وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی۔ وہ بھی مسکراتا ہوا گھر کی جانب بڑھ گیا۔ شمائل دیر تک اسے دیکھے گئی، اسے ایسے ہی لوگ پسند تھے۔ خوش مزاج، ہمہ وقت ہنسنے والے اور ہمدرد۔

مجھے اس نے کہا آؤ نئی دنیا بساتے ہیں
اسے سوجھی شرارت یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

"ہمسایو! کمپنی دے دو۔" شمائل لاؤنج میں بیٹھی تھی جب عمیر باڑھ پھلانگتا ہوا آیا۔

"ایک ہی تو کمپنی ہے ہماری، وہ بھی آپ کو دے دیں۔" شمائل کے والد کی ادویات سازی کی کمپنی تھی۔

"واہ! جیوندی رہ کڑیے۔ میری محبت رنگ لائی۔ تمہارا سینس آف ہیومر اچھا ہوا۔"

"اب میری ہر اچھی بات کا کریڈٹ آپ ہی کو جائے گا صرف؟" وہ کچھ بُرا مانتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں تو میری بھی ایک بات کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔"

"وہ کیا؟" شمائل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"رات میں چاچو سے کہہ رہا تھا، چاچو جاتے ہوئے لام لائٹ بند کر دینا۔" عمیر کے شرارتی انداز پہ وہ بھی ہنس دی۔

"کیا خیال ہے، پانچواں سیشن شروع کریں؟"

"میرا خیال ہے اب ضرورت نہیں۔ بس کبھی کبھی جلدی میں یا بدحواسی کے عالم میں حروف سے بول جاتی ہوں۔ آہستہ آہستہ عادت جائے گی نا۔ باقی تو ٹھیک بولتی ہوں۔"

"چار سیشن کیے ہیں محترمہ آہستہ آہستہ

اوکے، کیا کریں پھر، میں بور ہو رہا ہوں؟"

"چلیں! میں آپ کو لائبریری دکھاتی ہوں اپنی۔" شمائل نے تجویز پیش کی۔

"معاف کرو محترمہ! ایسی چیزیں مجھے اپیل نہیں کرتیں۔" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر اس نے باریک سی آواز نکال کر بلی کو اپنی جانب بلایا۔ "میاؤں!"

"چلو آج اسے تمہاری گود میں بٹھا کر تمہارا ڈر دور کرتے ہیں بلیوں سے۔" وہ کیٹی کو گود میں اٹھا کے اس کی جانب آیا۔

"نہیں نہیں پلیز!" شمائل اٹھ کھڑی ہوئی اسے بلیوں سے بے تحاشا ڈر لگتا تھا۔

"کچھ نہیں کہے گی یار!" مگر وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"آؤ اس کا گھر بناتے ہیں۔" بے حد پُرجوش انداز میں کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیسے.....؟"

"تمہارے گھر میں پھلوں کے خالی کریٹ ہوں گے؟"

"ہاں شاید..... میں دیکھتی ہوں اسٹور میں۔"

تین چار گھنٹوں کی تگ و دو کے بعد دونوں نے ایک کمرے پہ مشتمل کیٹی کا گھر بنا ہی لیا۔

"کتنا خوب صورت لگ رہا ہے نا۔"

"ہوں..... وہاں انگلینڈ میں ممی مجھے بنا کے دیا کرتی تھیں ایسے بلکہ وہ تو بہت ہی خوب صورت ہوتے تھے، تین چار بیڈ رومز پر مشتمل۔ کیٹی تمہارا

گھر بن گیا۔" عمیر بلی کو بلانے لگا۔ "گھر..... کتنا پیارا لفظ ہے نا شمائل۔"

"ہوں....."

"میں اپنا گھر بہت خوب صورت بنواؤں گا۔ مجھے کریز ہے خوب صورت گھر کا..... پھر میں اور میری بیوی اس میں رہیں گے۔" آنکھیں بند کیے بلی کے بال سہلاتا وہ منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

"آپ کی بیوی ہے؟" کانپتے لرزتے دل سے شمائل نے پوچھا۔

"بیوی ہے نہیں۔ آئے گی تو نا، خوب صورت چال والی۔"

"چال.....؟ لوگ پہلے آنکھ، ہونٹ پسند کرتے ہیں۔" شمائل ہلکی پھلکی ہوگئی۔

"مجھے چال متاثر کرتی ہے۔ چال سے بندے کی شخصیت کا پتا چلتا ہے۔" وہ جیسے بہت پتے کی بات بتا رہا تھا۔ "تمہیں رائٹ مین ملا؟" عمیر نے آنکھیں سکیڑ کر بغور اس کی جانب دیکھتے پوچھا۔

"نہیں....." دل کی آواز دبا کر وہ ہولے سے بولی۔

"ملے تو سب سے پہلے مجھے بتانا بلکہ دکھانا۔" عمیر جیسے وعدہ لے رہا تھا۔

"اوکے....."

"چائے پلاتی ہو یا جاؤں؟"

"بناتی ہوں ابھی۔" شمائل بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چاچو کی طرف لے آنا۔" وہ باڑھ کی جانب بڑھ گیا۔

ٹی وی دیکھتے ہوئے شمائل کو کچھ خیال آیا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ نگاہیں ادھر اُدھر دوڑائیں اور بائیں طرف ریک پر رکھی دو کتابیں اٹھا لیں اور انہیں اپنے سر پر رکھ کر چلنے لگی۔ دو تین اُفقی چکر لگانے کے بعد خوشی سے نعرہ لگاتی کتابیں واپس رکھ دیں، اس نے کہیں پڑھا تھا کہ چال چیک کرنے کے لیے وزن سر پر رکھ کے چلیں، اگر وزن نہ گرے اور بندہ وزن کے ساتھ بآسانی چل لے تو اس کا مطلب آپ کی چال ٹھیک ہے اور چال ٹھیک کرنے کا طریقہ بھی یہی ہوتا ہے۔ عمیر کہتا ہے اسے اچھی چال.....

"شمائل....." مما کی آواز پہ وہ سوچوں کے گرداب سے نکلی۔

"بیٹا آج رات کھانے پر ڈاکٹر شگفتہ آ رہی ہیں۔" مما نے اپنی کولیگ کا نام لیا۔

"تو یہ کون سی نئی بات ہے مما! وہ تو اکثر آتی ہی رہتی ہیں، کیا اس بار نئے انداز سے آ رہی ہیں۔" شمائل نے مذاق سے کہا۔

"اس بار وہ کسی خاص حوالے سے آ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا دانیال امریکا سے اسپیشلائزیشن کر کے آ گیا ہے۔ وہ بھی ساتھ آئے گا۔" مما نے تفصیل سے بتایا۔

"اُف! ایک اور ڈاکٹر۔" وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "میرے لیے کیا حکم ہے مما!"

"تم ڈھنگ سے تیار ہو جانا اور انہیں اچھی سی کمپنی دینا۔ فی الحال تو میرے ساتھ کچن میں آؤ۔" شمائل خاموشی سے اٹھ گئی۔

"شمین شمائل! آئسکریم کھانے چلیں....." وہ کچن میں مصروف تھی جب عمیر دروازے کے پاس آ کر بولا۔

"ارے نہیں! میں چائنیز بنا رہی ہوں، پھر بھی چلیں گے۔" وہ مصروف انداز میں بولی۔

"اوکے، اس چائنیز میں میرا بھی حصہ ہے کیا؟" عمیر ندیدے پن سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں، بالکل۔"

"میں چاچو کے لاؤنج میں انتظار کررہا ہوں۔" وہ واپس مڑ گیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کروں کیا؟ اتنی مشکل سے میں اسے زندگی کی جانب لایا ہوں۔ سرتوڑ کوشش کے بعد میں نے زندگی کی کرن اس کے اندر جلائی ہے، کیا پتا تھا یہ مجھے ہی بھسم کرنے کے درپے ہوگی۔"

لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہوتے قدرے جھلائے لہجے میں اس نے احسن صاحب کو بولتے سنا تھا۔ ناسمجھی سے عمیر کی جانب دیکھتے اس نے ڈش بڑھائی۔

"محترمہ! اپنی یہ عنایات ختم کریں آپ۔ مہمان ہیں ہم، نہ ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہیں ہمارے کہ کھانے نہ بنا سکیں۔ جب دیکھو ادھر موجود ہوتی ہیں۔"

احسن صاحب کے الفاظ نے اس کے اندر آگ لگادی۔ صدمے کی شدت سے اس سے بولا نہ گیا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"چاچو پلیز! آپ کسی اور کا غصہ شمائل پہ مت اتاریں۔ شمائل! پلیز تم چلو میں آتا ہوں۔" عمیر کے کہنے پر وہ باہر نکل آئی۔ آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ اسے حیرت تھی کہ اتنا نرم مزاج بندہ جو ہمیشہ شمائل سے بہت پیار سے احترام سے پیش آتا تھا۔ آج اتنے گھٹیا لفظ بولے تھے۔ لان کی کرسی پہ بیٹھی آنسو بہاتے اسے نجانے کتنی دیر ہوگئی تھی، جب عمیر آیا۔

"شمائل پلیز! دیکھو چاچو بہت ڈسٹرب تھے انہوں نے غصے میں کہا یہ سب۔ تمہیں پتا ہے نا، کتنے اچھے ہیں۔ سوری کرتا ہوں میں ان کی طرف سے۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ آنسو صاف کرکے بولی۔

پھر وہ دیر تک اس کے پاس بیٹھا لطیفے سناتا، ادھر ادھر کی باتوں سے جی بہلاتا رہا۔ مما کے آنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے بھئی! میں چلتا ہوں۔ اب چاند کو سوا ہوگا۔" وہ وصی شاہ کی نظم شرارت کا حوالہ دیتے ہوئے شرارت سے کہہ رہا تھا۔ شمائل بھی مسکراتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"شمائل تم نے کیا سوچا پھر......" اسی رات وہ سونے کے لیے لیٹی ہی تھی، جب مما نے آکر پوچھا۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے مما! اور ویسے بھی شیراز بھیا مجھ سے بڑے ہیں۔"

"یہ بودی سی دلیل تو تم رہنے ہی دو۔ شگفتہ ہر روز پوچھتی ہے مجھ سے، اگلے اتوار کو وہ کوئی تقریب رکھنے کو کہہ رہی ہے۔"

"مما! اگلے اتوار میں پورے نو دن باقی ہیں۔ میں چار پانچ روز میں بتادوں گی، نا۔" وہ کچھ اکتائے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اوکے......" مما واپس چلی گئیں۔

شمائل اٹھ کر الماری کی جانب آئی۔ البم سے دانیال کی تصویر نکالی اور بغور دیکھنے لگی۔ بچپن سے دونوں ساتھ کھیلتے آئے تھے۔ دوسرے بچوں کے برعکس وہ بھی اس کے بولنے کا مذاق نہیں اڑاتا تھا۔

سنجیدہ مزاج تھا۔ ہینڈسم تھا اور...... اور شمائل کا انتخاب ہوتا اگر جو...... اگر جو عمیر نہ ہوتا، کچھ جھجکتے ہوئے بالآخر شمائل نے اعتراف کر ہی لیا۔

***

میرے کندھے پہ سر رکھ کر کہیں کھو گیا تھا وہ
ایک وقتی عنایت تھی یہ دل پگلا اور سمجھا تھا......

"ہاؤ......!" وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی، جب عمیر نے چھت سے اس کے قریب چھلانگ لگائی۔ "کیا سوچا جارہا ہے......؟"

"کچھ نہیں......"

"شمائل! تم چاچو سے ابھی تک ناراض ہو؟ حالانکہ انہوں نے معذرت بھی کی ہے۔"

"نہیں! میں تو ناراض نہیں۔"

"تو پھر آئی کیوں نہیں ہماری طرف...... نہ ہی کچھ کھانے کو بھجوایا ہو، آنے والے ہفتے کو میری فلائٹ ہے۔ میں واپس جارہا ہوں اور ابھی تک ممی نے پوچھا ہی نہیں کہ پاکستانی کھانے کیسے ہوتے ہیں۔" وہ مبالغہ آمیزی سے کہہ رہا تھا۔ جب کہ شمائل اس کے جانے کا سن کر پریشان ہوگئی تھی۔

"اتنی جلدی کیوں جارہے ہو؟"

"جانا تو ہے نا! جس کام کے لیے آیا تھا وہ ہوگیا۔ سو اب گھر کو سدھارنا ہے۔"

"کس کام کے لیے آئے تھے؟"

"چاچو کو منانے...... چاچو کی تین سال قبل شادی ہوئی تھی پسند کی۔ دو سال گزرنے کے بعد سمیعہ چاچی اور چاچو میں جھگڑے چلنے لگے، دونوں نے علیحدگی کا فیصلہ کیا۔ پاپا مما نے بہت سمجھایا لیکن دونوں بضد تھے۔ پھر ایک دن لڑ جھگڑ کر چاچو یہاں آگئے اور سمیعہ چاچی اپنے میکے۔ اب دونوں کو ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ گزرتے وقت نے دونوں کے مابین تلخیاں تقریباً ختم کردی ہیں۔ سمیعہ چاچی آگئی ہیں گھر۔ میں چاچو کو منانے اور لینے آیا تھا۔ اب جب سب کچھ ٹھیک ہونے جارہا تھا تو ایک نیا ڈرامہ شروع ہوگیا ہے، چاچو کے پاس ایک نوعمر نفسیاتی مریضہ آئی تھی۔ بڑی مشکل سے پوری توجہ سے چاچو نے اس زندگی سے مایوس لڑکی کا علاج کیا، اب مکمل صحت یاب ہونے کے بعد وہ کمپلیکس ہوتی جارہی ہے، چاچو کو چھوڑنے کو ہی تیار نہیں۔ اب یہی حل نکالا ہے کہ چاچی کو یہاں لے آئیں یا چاچو کو واپس لے جائیں۔ چاچو بہت ڈسٹرب ہیں، تمہیں بھی اس دن اسی لیے ڈانٹا۔ خیر چھوڑو، یہ چاچو کی پرانی عادت ہے، بہت جلد بدگمان ہوجاتے ہیں۔ یار! تم کچھ اچھا سا بنا کے کھلاؤ نا! ایک وہ مما بنا کے کھلایا کرتی تھیں۔ مجھے نام یاد نہیں، پر وہ کچھ ایسی ہوتی تھی جیسے رس گلے ڈوبے ہوں۔"

"رس گلے ڈوبے ہوں؟" شمائل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ایسے ہی جیسے فیرنی میں رس گلے...... نہیں...... نہیں جیسے قلفی آدھی ہو آدھی پگھلی جیسے......"

"پلیز...... پلیز ایسی فضول سی مثالیں مت دیں، نام بتائیں......" شمائل نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کہہ تو رہا ہوں رس گلے، فیرنی۔"

"کہیں وہ رس ملائی تو نہیں۔" شمائل کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"ہاں ہاں یہی...... مما بھی بناتی تھیں۔ مما کے ہاتھ میں بھی بہت ذائقہ ہے۔ میں بہت مس کررہا ہوں مما کو...... کبھی ان کے بغیر نہیں رہا۔" وہ اداسی

سے کرسی کی بیک سے سر ٹکتے ہوئے بولا۔
"عمیر آپ نے کبھی نہیں بتایا کہ آپ کے گھر میں کون کون ہوتا ہے؟"
"میں، مما پاپا، بس......" وہ ابھی بھی اداس تھا۔
"میں وہاں جا کر تمہیں بہت یاد کروں گا۔ تمہاری طرح بولا کروں گا۔ میم مما، پے پاپا، عین عروج۔"
"عروج کون؟" شمائل نے اچنبھے سے پوچھا۔
"عروج و زوال......" وہ آنکھیں بند کیے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"آپ نے کبھی اپنی لائف پارٹنر کے متعلق بات نہیں کی۔" شمائل جھجکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"طے شدہ باتوں کے متعلق کیا بات کرنا۔" وہ بے پروائی سے بولا۔
"طے شدہ؟" شمائل کا دل پوری شدت سے کانپا۔
"اور سب طے شدہ ہے۔" وہ انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ "اور ہاں، تم نے وعدہ کر رکھا ہے اپنے 'رائٹ مین' کو سب سے پہلے مجھے دکھانے کا، شین شمائل۔"
"مجھے یاد ہے۔" سامنے شیشے میں نظر آتے عمیر کے عکس سے نظریں چراتے، اپنے دل پہ سختی سے وزن رکھتے اس نے کہا۔

وہ مجھے دیکھ کر اکثر نگاہیں پھیر لیتا تھا
یہ در پردہ حقارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

شمائل نے رس ملائی بنائی تھی۔ عمیر کو بلانے کے لیے وہ اس کی طرف چلی آئی وہ فون پر مصروف تھا۔
"عروج پلیز......" شمائل کے قریب آنے پہ وہ اٹھ کر غیر محسوس طریقے سے دور چلا گیا۔
شمائل واپس آگئی۔ "ادھر ہی دے آتی، ادھر کیا بلانا۔ چاچو بھی آگئے ہیں اب تو۔"
کانچ کا پیالہ اٹھائے وہ اسٹور میں آگئی۔ اسٹور کا ایک دروازہ دوسرے گھر جہاں احسن صاحب رہائش پذیر تھے، کچن میں کھلتا تھا۔
"دھمکی دی ہے اس نے مجھے خودکشی کی، زہر ہاتھ میں لیے پھر رہی ہے۔"
چاچو کی دہاڑ نما آواز پر وہ ان کے کچن میں ٹھٹھک کر کھڑی ہوگئی۔ وہ لاؤنج میں دیکھ نہیں سکتی لیکن اس منظر کو محسوس کر سکتی تھی۔
"زندگی اجیرن کردی ہے میری، کیا خبر تھی مسیحائی مجھے مہنگی پڑے گی۔ اس کے وجود سے کانچ نکالتے آپ ہی لہولہان ہو جاؤں گا۔ یہ لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ بے وقوف اور احمق۔ آج علی صاحب آئے تھے میرے پاس۔ ان کی ایک شاگرد، اخلاق کی تھوڑی توجہ دی انہوں نے۔ اخلاق تو بولو بات ہوئی، تو لمبا خط لکھ دیا۔ عجیب عجیب حرکتیں کرتی ہے۔ کیا انسانیت کچھ نہیں ہوتی؟ یہ فضول بکواس محبت ہی سب کچھ ہے۔ کسی ڈاکٹر نے اچھے سے ٹریٹ کیا، اس کے پیچھے پڑ گئیں، کسی استاد نے پیار سے سمجھایا، اس کی جان کو آگئیں۔ کسی نے تعریف کردی اس کے پلے پڑ گئیں۔ کوئی پینٹنگ اچھی لگی اس کی تعریف کردی، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ پینٹنگ ہمیں اپنا مالک سمجھ لے، بیڈروم کی زینت بننے کی ضد کرے۔ بکھرے کانچ کو سمیٹنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اپنے گھر میں لا سجائیں۔"
اور کچن میں کھڑی شمائل کو کتنی ہی وہ لڑکیاں یاد آئیں جو فخریہ بتلاتیں ہم ڈاکٹر کے پاس گئے سب کو چھوڑ چھاڑ ہمیں پہلے اٹینڈ کیا انہوں نے۔ بچی اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا، بار بار کلینک جانے کو دل چاہتا ہے، اور اس فوٹو گرافر نے تصویر بناتے ہوئے کہا......
کتنی ہی آوازوں کی بازگشت تھی۔
"اور یہ محترمہ شمائل! مجھے اس کے بھی تیور ٹھیک نہیں لگتے۔" شمائل نے بے ساختہ دیوار کا سہارا لیا۔ "دیکھ لینا یہ بھی پیچھے پڑے گی۔ اسے بولنے کا طریقہ سکھلایا تم نے...... یہ احسان بھی بھول جائے گی۔ تمہاری منگیتر عروج کی بھی پروا نہ کرے گی۔ مجھے اپنی فکر نہیں میں تو صرف تمہارے لیے تیار نئے پھندے کا منتظر ہوں، کیسے یہ گلے میں پڑے گا اور کیا تدارک......"
شمائل کچن سے باہر چلی آئی۔ اسٹور میں پیالہ پٹخ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔
"واقعی اسے کوئی وعدہ، نہ وعید، نہ اظہار، نہ تمنا پھر اس نے کیوں...... کیوں کچھ اور سمجھ لیا تھا۔ وہ بھی باہر کیوں جیسی نکلی، جن کے خلاف احسن صاحب کے دل میں زہر بھرا تھا اور عمیر...... وہ کیا سوچتا ہوگا۔ پھندا...... اوہ مائی گاڈ......!" آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ اٹھ کر الماری کی جانب گئی۔ ایک عزم سے پیالہ اٹھا کے لان کی جانب بڑھنے کی ہمت آئی۔ لاؤنج میں آتے ہی پہلی نگاہ عمیر پر پڑی۔
"ہمت اے دل ہمت......" درد کی ٹیسوں کو دباتے ہوئے اندر آکر عمیر کی جانب بڑھایا۔ اس نے پیالہ تھاما تو دوسرے ہاتھ میں پکڑی تصویر عمیر کی جانب بڑھائی۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"مائی رائٹ مین......" نظریں جھکا کر کہا۔
ایک پرسکون سانس عمیر کے سینے سے خارج ہوا، جتلاتی نگاہوں سے احسن صاحب کی طرف دیکھا۔
"دانیال! ڈاکٹر ہیں۔ اتوار کو منگنی ہے۔ میں آپ کو اور چاچو کو مدعو کرنے آئی ہوں۔" وہ جیسے سب کچھ طے کیے بیٹھی تھی۔
"مبارک ہو اور میری تو فلائٹ ہے ہفتے کی۔ خیر میں تو ایک دن پہلے ہی انجوائے کرلوں گا۔ چاچو ضرور آئیں گے شین شمائل۔" وہ شرارت سے بولا۔ شمائل دقت سے مسکرائی۔
"بہت مبارک ہو شمائل!" وہ مڑی تھی جب احسن صاحب بولے۔ وہ دھیرے سے مسکراتی باہر نکل آئی۔
اس شخص کی نگاہوں سے اپنی صنف کے متعلق بدگمانی کو دور کرنے کے لیے ہی تو اس نے یہ تکلیف دہ فیصلہ کیا تھا۔ دل کو قربان کیا تھا۔
"رونا نہیں شمائل اچھے کام پر رویا نہیں جاتا۔ اس شخص کی آنکھوں سے بدگمانی کے بادل چھٹنے کا نظارہ دیکھو کہ جب وہ تمہیں مبارک دے رہا تھا۔" واپسی کا راستہ تکلیف دہ تھا اور وہ دل کی آواز دبانے کو خود کو سمجھا رہی تھی۔
رہ گیا عمیر تو...... وہ سب خواب تھا، حقیقت تو نہیں تھا نا...... میرا ہی دل "کچھ اور" سمجھا تھا اور وہ تو مسیحا ہے، محسن ہے۔ احسان کیا اس نے مجھ پر اور احسان یاد رکھا جاتا ہے، مسیحا کو ساتھ تو نہیں رکھا جاتا نا!

نازیہ کنول نازی

دن رات محبت کی تمناؤں میں رہنا
پھیلے ہوئے خوابوں کی گھنی چھاؤں میں رہنا
نازک سے میرے دل کے لیئے دھوپ کی رت میں
مشکل ہے تیرے ہجر کے صحراؤں میں رہنا

وصال شامیں گلاب لمحے، بھلا نہ دینا خیال رکھنا
یہ کاغذوں پہ بکھرتے جذبے، بھلا نہ دینا خیال رکھنا
خود اعتمادی کے جو ستارے چمک رہے ہیں میری جبیں پر
تم ان ستاروں کو بے رخی سے ہوا نہ دینا خیال رکھنا
وفا کی مٹی سے میں نے ان کو کیا ہے تعمیر یاد رکھنا
محل بھروسے کا میرے ہمدم گرا نہ دینا خیال رکھنا

''تم بہت خوب صورت ہو، بہت شاندار ہو، مگر میرے دل کے مکین نہیں ہو۔ تم اپنی اس سحر انگیز شخصیت کے ساتھ کسی بھی اچھی سے اچھی لڑکی کا خواب اور تمنا ہو سکتے ہو، کوئی بھی لڑکی تمہیں پا کر سب کچھ بھلا سکتی ہے، مگر امامہ حسن نہیں کیونکہ تم اس کا خواب اور تمنا نہیں ہو، تمہاری اس سحر انگیز شخصیت کے ساتھ میرا تعلق، دل کا نہیں، مجبوری کا ہے۔ میں محبتوں کے معاملے میں ایمان دار لڑکی ہوں شجاع حسن اور میں اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ تم جو بھی ہو، جیسے بھی ہو، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے شجاع حسن۔ محبت نہیں ہے۔ محبت مجھے صرف اسی شخص سے ہے جس کے پاس میرے لیے سوائے دکھوں اور آزمائشوں کے اور کچھ بھی نہیں۔ میں چاہ کر بھی اس کی تمنا کو دل سے نہیں نکال سکتی، کیونکہ وہ شخص میری آنکھوں کا پہلا خواب ہے اور میرے جیسے محبت میں ایمان دار لوگوں کے لیے ہر نئے موڑ پر ایک نئے کردار کے ساتھ چلنا بہت مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کر رہی شجاع حسن، کیونکہ جس رشتے میں تم نے اور تمہارے گھر والوں نے آنا فانا مجھے باندھ دیا ہے وہ کسی بھی طور سے میری خواہش نہیں تھا۔ میں تو بے بس ہوں، کبھی خدا کے سامنے اور کبھی تقدیر اور کبھی حالات کے سامنے۔ کوئی مجھے بدکردار کہتا ہے تو کہے۔ کوئی میری ذات، میری خودی پر سوال اٹھاتا ہے تو اٹھائے۔ مجھے کسی کی

پروانہیں، وہ شخص جو میرے دل کا مکین ہے، چاہے وہ تمہارے قدموں کی دُھول کے برابر نہ سہی، مگر کوئی میری نگاہ سے دیکھے تو مجھے تم اس کے پاؤں کی دُھول کے برابر نہیں لگتے۔ وہ جو ہے، جیسا ہے میری خواہش، میرا خواب ہے اور سچی محبت کرنے والے اپنے خوابوں کا سودا کبھی نہیں کرتے، یہاں تک کے ٹوٹ کہ بکھر جائیں۔'' کمرے کی کھڑکی سے چھن چھن کر ہُوا اندر آ رہی تھی اور وہ ہر بات سے بے خوف و خطر لبوں پر خوش کن مسکراہٹ سجائے اپنی ڈائری کے کچھ اور صفحات کے سپردانی سوچ کر رہی تھی۔

شجاع اس کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے سُو چکا تھا۔ تاہم امامہ اتنی خوش تھی کہ اسے شجاع حسن کو پہنچنے والی دلی تکلیف کا ذرا سا احساس بھی نہ ہوسکا۔ ارسلان حیدر نے اسے خوش خبری سنائی تھی کہ وہ بہت جلد پاکستان واپس آ رہا ہے، صرف اور صرف اس کے لیے اور وہ جو اسے کھو دینے پر ملول تھی، اس خبر کے بعد جیسے پھر سے جی اُٹھی۔ شجاع حسن کا شان دار محل، بینک بیلنس، پُرکشش ملازمت اور اس کی شان دار شخصیت کچھ بھی تو اس کے لیے اہم نہیں تھا۔ صرف ایک پل میں وہ ہر چیز کو ٹھوکر مار سکتی تھی۔

اس روز دیر تک ارسلان حیدر سے بات کرنے کے بعد اس نے یہی سوچا تھا۔

❁.......❁.......❁

عباد کی معرفت بُریرہ کو انوشہ کے ساتھ پیش آنے والے حادثات کی خبر ملی تھی اور وہ جو شدید غم و غصے میں مبتلا، اس سے علیحدگی کا فیصلہ کیے ہوئے تھی، دل سے ساری رنجشیں بھلا کر، سائلہ بیگم کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر پہلی فلائٹ سے شاہ زر کے پاس پاکستان پہنچ گئی۔

آئی سی یو میں زندگی اور موت کی جنگ لڑتی انوشہ رحمٰن اپنے سارے رشتے گنوا کر بالآخر زندگی جیت گئی تھی۔ اِدھر اس کی حالت خطرے سے باہر ہوئی اور اُدھر شاہ زر نے اس کے پیاروں کی لاشوں کے ٹکڑے وصول کیے تھے۔ عباد اس کے ساتھ تھا اور ہر کام میں وہی اس کی مدد کر رہا تھا۔ شاہ زر کی تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

رات گئے زاور حسین، صدف بیگم اور اپنی جان سے پیاری لاڈلی بہن شافیہ کا مُردہ وجود لے کر گھر پہنچا تو بُریرہ کو اپنا منتظر پایا۔ وہ پہلے سے بے حد کمزور دکھائی دے رہی تھی۔ شاہ زر کی آنکھوں کے گوشوں میں اسے دیکھ کر سرخی اُتر آئی۔ تاہم عباد نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اسے شاہ زر کے بیڈ روم میں لے آیا۔

''بھابی! ابھی شاہ سے کسی قسم کی بات مت کیجیے۔ وہ ذہنی طور پر بہت پریشان ہے۔ اس وقت کسی بھی قسم کا تناؤ اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ابھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں تو بہتر ہے۔''

''لیکن عباد میں......''

''میں آپ کی کیفیت سمجھتا ہوں مگر فی الحال آپ کو دانش مندی سے کام لینے کی ضرورت ہے پلیز۔'' تھکا تھکا سا وہ خود بھی بے حد پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ بُریرہ نے دونوں ہاتھوں میں سر چھپا کر خود کو بیڈ کی طرف دھکیل دیا۔

وہ ابھی کمرے سے نکلا تھا کہ اس کے موبائل پر صاعقہ کی کال آ گئی۔ ایک لمحے کے لیے اس کے دل

نے ایک دھڑکن مِس کی، تاہم وہ اس وقت اس سے بات نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا سیل آف کر کے دوبارہ جیب میں ڈالنے کے بعد، شاہ زر کے پاس چلا آیا۔

وہ رات بُریرہ کے ساتھ ان دونوں نے بھی آنکھوں میں ہی کاٹی تھی۔ اگلی صبح نزہت بیگم اور جمال صاحب کے ساتھ ساتھ صدف بیگم کے بچے اور شوہر بھی پاکستان پہنچ گئے تھے۔ ایک کہرام تھا جو شاہ ہاؤس کے در و دیوار کے اندر بپا تھا، کتنی بہت سی زندگیاں ان تین بے جان نفوس سے جڑی تھیں۔

بُریرہ کی اپنی آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی تھیں، جب کہ شاہ زر یوں پتھر بنا ساکت نظروں سے سب کو دیکھ رہا تھا، جیسے اس کے حواس کام کرنا ہی چھوڑ گئے ہوں۔

اتنی سخت آزمائش زندگی کی؟ ایسا کڑا امتحان؟

اسے لگا وہ اب زندگی میں کبھی مسکرا نہیں سکے گا۔ اس روز کا ڈھلتا سورج، صدف بیگم، زاور حسین اور شافیہ کے مُردہ جسموں کو مٹی کا پردہ دیتا، بے حد اداس ڈوبا تھا۔

عبدالصمد کی تدفین اس سے ایک روز پہلے ہی ہوگئی تھی۔ سب کا اپنا غم تھا، اپنے جذبات تھے۔ مگر وہ ننھا سا ایک وجود جس کا جنم انوشہ رحمٰن کے بطن سے ہوا تھا۔ اس کے لیے وہ تمام صورت حال سخت تکلیف کا باعث بنی تھی۔

کسی کو بھی اس ننھے سے وجود کا خیال نہیں رہا تھا، جو بھوک سے روتے روتے، جانے کب کس لمحے آنکھ بچا کر بیرونی گیٹ پار کر گیا تھا۔

❁.......❁.......❁

''تم نے کسی انسان کو وحشی ہوتے دیکھا ہے؟''

اسے چھنو کی معرفت میران شاہ کے گھر والوں کی گاؤں شاہ والا سے عدم موجودگی کی خبر ملی تھی اور وہ اس پر بے حد مشتعل ہو کر سانول شاہ کی حویلی کی طرف آ گئی تھی۔ جب حویلی کے کشادہ صحن میں ہی اس کا سامنا سانول شاہ سے ہوگیا اور وہ اس سے اُلجھ پڑی۔

''تم وحشی درندے ہو سانول شاہ، انتہائی غلیظ انسان۔''

شاہ والا میں وہ پہلی لڑکی تھی جس نے حویلی کے اندر کھڑے ہو کر، سانول شاہ کے سامنے یہ بات کہی تھی اور اس نے بہت ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے رخ پھیر کر، اپنے ملازمین کے سامنے اس تذلیل کو برداشت کیا تھا۔

''افضل......'' اگلے ہی پل دہاڑ کر اس نے اپنے ڈرائیور کو آواز دی، مگر بدقسمتی سے وہ اس وقت بیت الخلاء میں تھا اور اس کے حکم کی فوری تعمیل میں آناً فاناً حاضر نہیں ہوسکتا تھا۔ پانچ جوان بیٹیوں کے اس ہارے ہوئے ادھیڑ عمر شخص کو اپنی غیر متوقع طلبی پر بیت الخلاء سے حویلی کے کشادہ سرخ اینٹوں کے شفاف صحن تک پہنچنے میں نا چاہتے ہوئے بھی پانچ سے دس منٹ لگ گئے اور یہ اس کا ایسا ناقابل معافی جرم تھا کہ جس کی فوری سزا جیسے حویلی کے چوہدری پر فرض ہوگئی تھی۔

''جی سرکار...... آپ نے یاد فرمایا......؟'' کندھے پر پڑے صافے سے گیلے ہاتھ خشک کرتا وہ بھاگ

کر وہاں تک پہنچا تھا مگر شاید اسے تاخیر ہو چکی تھی۔ سانول شاہ نے اسے دیکھ کر منہ سے ایک بھی لفظ نکالے بغیر اپنا پسٹل نکالا اور یکے بعد دیگرے تین فائر کر دیے۔

ایک لمحے میں وہاں جیسے ہر چیز ساکت ہو گئی۔ انزلہ کی آنکھیں خوف سے اُبل آئیں۔ پانچ جوان بیٹیوں کا باپ، پچھلے سات سال سے بے دام غلام کی طرح حویلی والوں کی خدمت کرنے والا یہ ادھیڑ عمر شخص اپنی تمام تر جاں نثاری، وفاداری کا صلہ ان گولیوں کی صورت پا چکا تھا۔ سرخ اینٹوں کے فرش پر اس کی تڑپتی ہوئی لاش کو، سانول شاہ نے پاؤں رکھ کر دباتے ہوئے سرد کیا تھا۔

انزلہ کو لگا جیسے وہ مٹی کی دیوار کی مانند پل میں ڈھے جائے گی۔

افضل ڈرائیور کا بیٹا جو ان دنوں شہر سے چھٹیوں پر گاؤں آیا ہوا تھا۔ فوراً اطلاع پر حویلی پہنچا اور یہی وہ وقت تھا جب سانول شاہ نے بُت بنی انزلہ سے پوچھا۔ ”کیا تم نے کسی انسان کو وحشی ہوتے دیکھا ہے؟“

وہ دم سادھے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ جب وہ پھر سے رُخ پھیر کر افضل ڈرائیور کے جواں سال بیٹے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”لے جاؤ اپنے باپ کی لاش اٹھا کر اور کہہ دینا گھر والوں سے کسی نامعلوم شخص کی گولیوں کا شکار ہو گیا ہے......“

تنی رعونت تھی اس کے لہجے میں۔ افضل ڈرائیور کا بیٹا چیخ اٹھا۔

”نامعلوم شخص کیوں، تمہارا نام لوں گا۔ تم نے مارا ہے میرے باپ کو۔“

”ٹھیک ہے میرا نام لے دینا۔ پھر اس کے بعد اپنی دونوں جوان بہنوں کو یہاں میرے پاس حویلی بھیج کر خود اپنے باپ کے قتل کے الزام میں ذرا حوالات کی سیر بھی کر آنا۔ تم گندی نالی کے کیڑے لوگ ترس کے قابل نہیں ہو۔“

وہ تناؤ کا شکار اب بھی غصے کی زد میں تھا۔ تبھی وہاں موجود ملازمین میں افضل ڈرائیور کا چھوٹا بھائی اور اس جواں سال لڑکے کا چاچا فضل نامی وہ شخص ہاتھ جوڑ کر سانول شاہ کے سامنے آ کھڑا ہوا، جو اسی حویلی میں چوکیداری کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

”نہیں سرکار! یہ بچہ ہے اسے کیا پتا۔ معاف کر دیں اسے۔ مم...... میں خود بتا دوں گا سب کو کہ اسے باہر سے (دوسرے گاؤں سے) گولی لگی ہے۔“ وہ رو رہا تھا۔ سانول کی آنکھوں کی سرخی میں کوئی سی واقع نہیں ہوئی۔

”بچا کر رکھنا اسے مجھ سے۔ یہ نہ ہو باپ کی طرح یہ بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔“ اس نے ایک تیکھی نظر افضل ڈرائیور کے نوعمر بیٹے پر ڈالی تھی اور پھر پلٹ گیا۔

حویلی کے شان دار در و دیوار اور اس کے بے زبان، بے بس ملازمین کے لیے وہ حادثہ وہ ناگہانی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر طاقت کے نشے میں چُور اس حویلی کے مکین آئے روز ”ایسے کھیل تماشے کرتے رہتے تھے مگر انزلہ شاہ کے لیے وہ سانحہ کسی شاک سے کم نہیں تھا۔ وہ حویلی والوں کی بربریت سے بے خبر نہیں تھی، وہ جانتی تھی کہ سانول شاہ اور اس کے بھائی کتنے ظالم ہیں مگر یوں بے قصور

بے جرم کوئی کسی کی جان کیسے لے سکتا تھا؟

وہ جو بازی میں اُڑنے والے کبوتروں کی بے بسی اور موت پر گھنٹوں ملول رہتی تھی۔ اسی کی آنکھوں کے سامنے کیسے محض چند لمحوں میں ایک چلتے پھرتے صحت مند انسان کو مار کر سلا دیا گیا اور کیسی قیامت تھی کہ اس ظلم پر اس بدنصیب شخص کے گھر والوں کو رونے کی اجازت بھی نہ تھی۔

سرخ اینٹوں کے اس صاف ستھرے کشادہ فرش سے اب اس شخص کی لاش اٹھائی جا چکی تھی، جس کے بڑھے لکھے جواں سال بیٹے کو اس کا چاچا روتے ہوئے منت کر کے چپ چاپ واپس لے گیا تھا۔ انزلہ شاہ کی ساکت نگاہوں نے دور تک ان کی برستی آنکھوں کو دیکھا اور پھر اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ اٹھی۔

”اللہ...... اتُو نے دیکھا تیرے فرشتوں سے برتر مٹی کے انسانوں کے ساتھ، یہاں اس دھرتی پر کیا ہو رہا ہے۔ تُو نے تو موت کے بعد جنت دوزخ کے جزا و سزا رکھی تھی، یہاں دیکھ تیری خدائی میں یہ بدبودار مٹی سے بنے بے ایمان، بے ضمیر، سرکش انسان کیسی کیسی دوزخ کھودے بیٹھے ہیں۔ یہاں ایک نظر ادھر ڈال میرے مالک اور دیکھ یہ کیسے اپنے دونوں جہاں داؤ پر لگائے ہوئے ہیں، یوم حساب سے پہلے ہی محشر بپا کر رکھی ہے انہوں نے۔ اب ان فرعونوں کو غرق کرنے کے لیے کون سا موسیٰ آئے گا؟ کون سبق سکھائے گا انہیں، تیری ذات کے سوا۔“ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اس لمحے وہ خود کو قطعی بے بس محسوس کر رہی تھی۔

اگلے روز گاؤں مراد شاہ میں، بہزاد علی مراد کے سامنے بیٹھی ہوئی وہ پھر رو پڑی۔

”حوصلہ رکھیں انزلہ! اللہ کی عدالت میں ظالم اور سرکش انسانوں کے لیے بڑا سخت عذاب اور سزا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو، یہ وڈیرے، چوہدری، یہ اعلیٰ عہدوں پر بیٹھے مست ہاتھی، یہ سب اس واحد و لاشریک کی گرفت سے بچ جائیں گے؟ نہیں، ایسے ہر عمل، ہر گناہ، ہر ظلم کے جواب دہ ہوں گے۔ یہ اس پاک و بے نیاز ذات کے سامنے کہ جس کے ہاں نہ کسی کی سفارش چلتی ہے، نہ پاور کام آتی ہے۔ یہ ظلم جو یہ دوسرے بے بس لوگوں پر ڈھاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ انہی کی جانوں پر آ پڑے گا۔“ وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

انزلہ کے دکھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ بہزاد ایک نظر اس کے زرد و نم چہرے پر ڈالنے کے بعد اُٹھ کھڑا ہوا۔ قریبی درخت پر اس وقت چہکتے پرندوں کی چہکار اسے بے حد بھلی لگ رہی تھی۔

”بہت غم ہیں اس دنیا میں انزلہ۔ کس کس پر روئیں گی آپ؟ آپ تو ملک سے باہر تھیں، آپ کو کیا خبر کہ ابھی کچھ ماہ قبل یونہی طاقت کے نشے میں چُور ایک بے ضمیر، بے ایمان مست ہاتھی نے یہاں اس سر زمین پر کیسا قہر بپا کیا تھا۔“ وہ رخ پھیرے کھڑا تھا۔ انزلہ جان ہی نہ سکی کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔

”قہر......؟“

”ہوں...... معصوم، بے قصور جانوں پر قہر۔“

”کیسے......؟“ وہ اب الجھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”بالکل ویسے ہی، جیسے کل سانول شاہ نے برپا کیا۔“

"میں بھی نہیں؟"

"آپ سمجھ بھی نہیں سکیں گی انزلہ۔ بہت سے لوگ نہیں سمجھ سکے۔ ہر کسی کے لیے سب کچھ سمجھنا اتنا آسان کہاں ہوتا ہے۔ خاص کران حالات میں، جب آپ کو روشن خیالی کی زہرآلود ہوا چھو رہی ہو۔"

"آپ کس کی بات کررہے ہیں؟"

"اس قوم کی، اس قوم کے روشن خیال لوگوں کی۔ جن کے لیے وہ قہر ایک تماشا تھا۔ سیکڑوں جانوں کی وہ بے حرمتی وقربانی، جن کے لیے محض ایک سزا تھی، کوئی نہیں جانتا وہاں اس چاردیواری کے اندر کیسا قہر برپا ہوا۔ کیسے مقدس کتاب کے اوراق جو خوش بُو بن کر سینوں میں اُترنے کے لیے تھے، انہیں قدموں تلے روند دیا گیا۔ کیسے ساری قوم کو گمراہ کرکے اپنے ایمان اور ضمیر کی قیمت چکاتے ہوئے صرف ایک مست ہاتھی نے اپنے اس قہر کو جائز منوالیا۔ یہاں اس ملک میں کتنے ہی روشن خیال ملیں گے تمہیں۔ جو اس قیامت اس درد پر تمہارے دکھ کو تمہارا پاگل پن کہیں گے۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا ملک ہے انزلہ۔ یہاں درد صرف اسی کی میراث ہے کہ جس کے سینے پر گھاؤ لگے، آپ کے اور میرے جیسے لوگوں کا گزارا نہیں ہے یہاں۔" رُخ پھیرے کھڑا وہ اب جیسے کچھ ضبط کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ انزلہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کس کی بات کررہے ہیں آپ؟ لال مسجد کی؟"

"ہوں......"

"آپ کو پتا ہے وہاں کیا ہوا تھا؟ قرآن ودین کی آڑ میں وہ لوگ کیا کررہے تھے؟" اس بار اس کی آواز بلند تھی۔ شہزاد شاہ نے گردن موڑ کر سرد آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ لوگ غلط تھے، دہشت گرد تھے، آپ نے سنا نہیں وہاں اس مسجد میں کتنا اسلحہ چھپا رکھا تھا انہوں نے۔" یکسر بدلی ٹون کے ساتھ اس نے شہزاد علی مراد کی شہ رگ پر پاؤں رکھا تھا۔

"چپ کرجاؤ انزلہ۔ بالکل چپ۔ مت کرو وہ بات جس کا علم تمہارے پاس نہیں، مت آواز دو خدا کے قہر کو۔ کہا تھا ناں میں نے یہ ایسے ہی لوگوں کا ملک ہے۔ گونگے، اندھے، بہروں کا۔ اسی لیے تو یہ سب ہورہا ہے ہمارے ساتھ۔ کیا جانتی ہو تم ان لوگوں کے بارے میں؟ صرف وہی، جو ناعاقبت اندیش لوگوں نے تمہیں بتایا اور دکھایا، صرف وہی جو تمہاری ظاہری آنکھوں نے دیکھا۔ کانوں نے سنا؟" وہ دہاڑ رہا تھا۔ انزلہ خاموشی سے اس کے سرخ چہرے پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔

"بہت دعوے کرتی ہو تم انسانی حقوق کے، لوگوں سے بھلائی کے، اپنے دین سے لگاؤ کے، مگر بہت کھوکھلے دعوے ہیں یہ۔ بہت سے لوگ آج تک جناح کو غاصب کہتے ہیں، غلط کہتے ہیں، کیا وہ غلط تھے؟ کیا ان کے نظریات، ان کی سوچ، ان کے اندیشے غلط تھے؟ نہیں، انہیں جو نظر آرہا تھا وہ بہت خوف زدہ کردینے والا تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے اس چھوٹی سی جنت کے مکینوں کو نظر آرہا تھا۔ اندر کی کہانی کا تمہیں کیا پتا انزلہ۔ وہ گولیوں سے چھلنی محراب ومنبر، وہ بارود میں رچی دیواریں ان احوال کو بیان نہیں کرسکتیں، جو اس چاردیواری کے مکینوں نے اپنی جانوں پر جھیلے ہیں۔ جاؤ کہہ دو جاکر اپنے اعلیٰ عہدے داروں سے، میں

تنہا ڈرتا ان سے، ان کے ڈر سے سچ کہنے سے، کیونکہ میں نے بہت کچھ کھویا ہے وہاں۔" صرف ایک لمحے کے لیے اس نے رک کر اپنا سانس ہموار کیا تھا۔ "تم کہتی ہو وہ دہشت گرد تھے، وہ کیسے دہشت گرد تھے انزلہ، جو آخری لمحے تک امن کا پرچم بلند کرتے رہے، نفاذ اسلام کے لیے اپنی رگوں میں جوش رکھتے قوتِ ایمانی کے سبب، سب کی بچت، سب کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے، ظلم اور بدکرداری کے خلاف ڈٹ گئے۔ کیسے دہشت گرد تھے وہ جو اپنے ہی اسلامی بھائیوں کی گولیوں سے خوف زدہ ٹوٹے کواڑوں والے دروازوں پر بیٹھ کر صرف اپنی عصمت اور ایمان کی حفاظت کے لیے رات رات بھر مصلے پر بیٹھ کر روتے رہے اور فتح کی دعائیں کرتے رہے، بھوکے، پیاسے، بارش کے پانی اور درختوں کے پتوں کو نگلتے رہے، کیا سمجھتی ہو تم فتح صرف مخالفین کو پچھاڑنے کے نام ہے۔ نہیں...... کبھی کبھی جانیں لٹا کر ظلم اور بے عدل حکمران کے سامنے کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے قربان ہوجانے کا نام بھی فتح ہے۔ کوئی کچھ بھی سمجھے، کچھ بھی کہے، جنہیں اپنے رب کے حضور سرخرو ہونا تھا وہ تو ہوگئے مگر وہ لوگ جنہوں نے وقت کے یزید کا ساتھ دیا۔ میں نے ان لوگوں میں سے ایک شخص کو ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر بہت عبرت ناک حال میں مرتے دیکھا ہے انزلہ۔ جاننا چاہو گی وہ شخص کون تھا؟" انزلہ سانس روکے اسے سن رہی تھی جب اس نے اچانک پوچھ لیا۔

"ہوں......"

"دوست تھا میرا، بہت عزیز، بچپن کا، بہت مجبور تھا۔ بہت سے افسروں کی طرح ریزائن دے کر گھر نہیں آسکتا تھا، کیونکہ باپ بستر پر پڑا تھا اس کا اور بہنیں ابھی بیاہی تھیں پھر کچھ روشن خیال بھی تھا وہ اسے بھی بہت سے شکوے تھے ان سیاہ برقعوں میں سرتاپا لپٹی جنتی شہزادیوں سے، کیونکہ جس مساج سینٹر کی چینی عورت کو وہ پردے دار لڑکیاں بے عزت کرکے لے گئی تھیں، اس سینٹر میں وہ بھی باقاعدگی سے مالش کروانے جاتا تھا۔ منہ کو لگی شراب بھی چھین لے تو غصہ آہی جاتا ہے۔ جیسے جاؤ تو آ گیا تھا میرے دوست کو۔ شہزاد علی مراد کی نگاہیں اب دور کہیں چند لمحوں پر جیسے کچھ تلاش کررہی تھیں۔ "اپنی موت سے پہلے بہت سے راز منکشف کیے تھے اس نے۔ وہاں اس چاردیواری کے اندر کیا ہوا، کیسے ہوا، سب جانتا تھا وہ۔ تم اسے سمجھتی ہو ناں انزلہ تو ساری عمر اپنے انسان کہلائے جانے پر شرمسار رہتیں، جیسے میں رہتا ہوں۔" چند لمحوں کے لیے گہری سانس بھر کر وہ پھر خاموش ہوا تھا۔ جب اس نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے بھی اور اپنے رب سے بھی کہ مجھے اصل حقیقت کا پتا نہیں تھا۔ میں نے جو سُنا، جو پڑھا اسی کے مطابق بات کی۔ وگرنہ وہ واحد ولاشریک جانتا ہے انزلہ شاہ مر سکتی ہے مگر ظالم لوگوں کا ساتھ کبھی نہیں دے سکتی۔" شہزاد نے اس کی معذرت پر سرسری سی نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی پھر نگاہ پھیر لی۔

"اماں جی انتظار کررہی ہوں گی۔ میرا خیال ہے حویلی چلتے ہیں۔"

"جی!" اثبات میں سر ہلا کر وہ اس کے ساتھ زیرِتعمیر اسکول کی عمارت سے نکل آئی۔ نیچے کچے فرش پر بیٹھے چھوٹے چھوٹے ننھے فرشتے گویا بے سر اٹھا کر اسے دیکھتے اور مسکراتے وہ

ان سے نگاہ چرا کر کچی پگڈنڈی پر چڑھ آئی جو سیدھی گاؤں مراد شاہ کی حویلی کو جاتی تھی۔

"برا نہ مانیں تو ایک سوال پوچھوں آپ سے؟" کچھ دیر سے خاموشی سے قدم اٹھانے کے بعد وہ بولی۔ بہزاد نے اس کی طرف دیکھے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ نے کہا، آپ نے وہاں اس چھوٹی سی خوب صورت دنیا میں بہت کچھ کھویا ہے، کیا کھویا ہے؟"

بہزاد کو گمان نہیں تھا کہ وہ اس سے یہ سوال پوچھے گی تبھی وہ رکا تھا۔

"بہت کچھ، صرف ایک زندگی بچ گئی، باقی سب کچھ کھو گیا، سب کچھ......" وہ تحمل و برداشت والا شخص تھا مگر اس لمحے اس کی آنکھوں میں ایسی ویرانی تھی کہ انزلہ چاہنے کے باوجود دوبارہ سر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ سکی۔ کچھ دور کا سفر مزید خاموشی کی نذر ہو گیا تھا جب وہ بولا۔

"آپ چاہیں تو میں اس ڈرائیور کے قتل کی ایف آئی آر درج کروا دیتا ہوں۔"

"نہیں...... جب اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں تو کیوں زحمت میں پڑیں آپ۔"

"فائدہ تو ہو سکتا ہے، اگر کوئی اس چوہدری کے خلاف گواہی دے دے تو۔"

"اور یہ گواہی دے گا کون؟"

"کوئی بھی دے سکتا ہے، چاہیں تو آپ بھی دے سکتی ہیں۔"

"میری گواہی سے کیا ہوگا، کون سنے گا میری۔ آپ ہی کا تو کہنا ہے کہ یہ ملک اندھے، گونگے اور بہروں کا ہے۔ پھر صرف ایک میری گواہی سے کیا ہوگا......" وہ افسردہ تھی بے حد افسردہ۔ بہزاد شاہ نے اس کی مایوسی پر گہری سانس بھر کر اپنے قدموں کی رفتار مزید بڑھا دی کہ ابھی کھانا کھا کر اسے انزلہ شاہ کو واپس گاؤں شاہ والا بھی چھوڑنے جانا تھا۔

کشادہ آنگن میں ڈھیر ساری چڑیاں چوں چوں کرتی آنگن کے کونے کھدروں سے اپنے حصے کا رزق تلاش کر رہی تھیں۔ جب اس کی آنکھ ایک عجیب سی چنگھاڑتی آواز کے شور سے کھلی۔

"میرے میاں کی کمائی درختوں سے نہیں لگی کہ توڑ توڑ کر آپ کو کھلاتی رہوں۔ سارے دن سوائے مصلے پر بیٹھ کر دانے گھمانے کے اور کوئی کام ہے آپ کو۔ جو آئے روز کبھی بازو تڑوا لیتی ہیں تو کبھی ٹانگ......"

وہ غور نہ بھی کرتی تب بھی جان لیتی کہ یہ آواز کس کی ہے، مگر اس وقت وہ کیوں چنگھاڑ رہی تھی، گوری کی سمجھ سے باہر تھا۔ تبھی بی اماں کی اکلوتی بہو پھر چلائی تھی۔

"اتنی مہنگائی میں، اتنا بھی مل جاتا ہے، بہت ہے۔ ان لوگوں کی طرف دیکھیں جن کے نہ گھر بار ہیں نہ ایک وقت کھا کر دوسرے وقت ملنے کی امید۔ آپ تو پھر بھی نوابوں کی طرح رہ رہی ہیں بیٹے کے گھر میں اور نہ صرف خود عیش سے رہ رہی ہیں بلکہ ادھر ادھر کے لوگوں کو بھی لا کر میرے سر پر مسلط کر رکھا ہے۔"

گوری کو اس گھر میں دوسرا ہفتہ تھا اور اتنے سے دنوں میں وہ ایک بار بھی نہ تو سکون سے سو پائی تھی نہ ٹھیک سے کھا پائی تھی، پھر بھی طعنے تھے کہ کم نہ ہوتے تھے۔ پچھلے دو روز سے وہ بخار کی لپیٹ میں تھی۔ سارا دن درد سے چور تھی، مگر وہاں سوائے بی اماں کے دوسرا کوئی ہمدرد نہیں تھا اس کا۔ جان لٹانے والے رشتے تو کب کے خاک اوڑھ کے سو چکے تھے۔

تیز بخار سے جلتی آنکھیں تھوڑی ہی دیر میں تھک کر اس نے پھر بند کر لی تھیں مگر آنکھیں بند کر لینے سے دل کو چیرتی آواز نہیں رکی تھی۔

"میر امنہ کیا دیکھ رہی ہیں اب۔ کھانا ہے تو کھائیں نہیں تو بے شک چھوڑ کر اٹھ جائیں۔ دیکھتی ہوں کون سا پردیس میں بیٹھا بیٹا جب آ کر اپنے ہاتھوں سے کھلائے گا، ہونہہ......"

بند آنکھوں کے باوجود وہ اس لمحے بی اماں کی بھیگی آنکھوں کے کناروں کو دیکھ رہی تھی اس عورت کی بھیگی آنکھوں کے کناروں کو کہ جس نے اجنبی سرزمین پر ایک ننھے بچے دین کی خوشبو کو سینے میں چھپائے اپنے چھوٹے سے اکلوتے بیٹے پر اپنی ساری جوانی نچھاور کر دی تھی اور اب جب اس شجر کے پھل دینے کا وقت آیا تھا تو انہیں کا نٹے کھانے کو مل رہے تھے۔ اگلے دس منٹ بعد وہ کمرے میں آئی تھیں۔

"اماں......" گوری نے ان کی آہٹ محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں۔

"جی بیٹے......" وہ اس کے پاس ہی چارپائی پر آ بیٹھیں۔

"کتنا صبر کریں گی اور پچھلے دو ہفتے سے میں آپ کو رات بھر جائے نماز پر بیٹھی عاجزی سے روتے دعائیں مانگتے دیکھتی رہی ہوں۔ اس عمر میں بھی کتنا خیال رکھتی ہیں آپ پردے کا، نہ کسی کا برا سوچتی ہیں نہ کرتی ہیں، پھر بھی اللہ آپ سے راضی نہیں۔ پھر بھی اس نے آپ کو اتنی کڑی آزمائش میں ڈال رکھا ہے، کیوں اماں؟"

"کیسی آزمائش بیٹی؟ یہ تو کرم ہے میرے مالک کا۔ اس نے مجھے صبر کی دولت دی، اچھائی اور برائی میں تمیز کا شعور دیا، کیسے شکر ادا کروں اس کی رحمتوں کا کہ جس نے مجھ حقیر و فقیر کو کسی بھی مشکل اور امتحان میں ڈوبنے نہیں دیا۔ وہ اللہ ہے بیٹی، کائنات کی ہر چیز کا مالک، اس نے جنت کے بدلے مومن مردوں اور عورتوں کے نفس خرید لیے ہیں۔ اس کا حق ہے اپنے بندوں پر کہ وہ جسے چاہے اتنی بڑی قیمت کے عوض انہیں آزمائے، پرکھے۔ ان کی خودی، محبت اور صبر کا امتحان لے۔ کسی انسان کی کیا مجال کہ وہ اس رحیم و رحمن، قہار و جبار، زبردست پکڑ والے اپنے معبود حقیقی سے ذرا سا شکوہ کرنے کی گستاخی کر سکے۔ وہ بے شک بے نیاز ہے مگر اپنے بندے کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اسی کا کرم ہے بیٹی کہ میں نے ذرا صعوبتیں اٹھا کر بھی عزت کے ساتھ جوانی بسر کر لی۔ ورنہ شیر محمد کے بعد تو لگتا تھا میں کھلے آسمان تلے ننگی برہنہ ہو گئی ہوں۔ اس وقت اگر میرا خدا میرا ہاتھ نہ تھامتا تو میں کہاں جاتی، کیا کرتی؟" وہ اپنے رب کی شکر گزار تھیں۔ گوری نے بیزاری سے رخ پھیر لیا۔

"کیا ملا آپ کو اماں؟ کچھ بھی نہیں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ آپ اپنے ملک......"

"توبہ استغفار! ایسی بات بھول کر بھی منہ سے نہ نکالنا بیٹی۔ تجھے کیا پتا میرے پاس کیسی دولت ہے؟ جنہیں وہ اپنا کر لیتا ہے وہ دنیا کی معمولی معمولی چیزوں کے لیے نہیں جیتے، تجھے کیا پتا یہ آگاہی کیا ہے؟ یہ سرور، یہ سکون کیا ہے؟ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے "تماشا" نہیں بنایا۔ ورنہ یہ بے خبری کا

عذاب جانے کہاں لے جا کر ڈبوتا مجھے۔" بی اماں کی باتیں، ہر بار اس کے سر کے اوپر سے ہی گزر جاتی تھیں، اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

"تو نہیں جانتی، یہ مختصر لباس، بناوٹ، یہ زیادہ سے زیادہ دلوں کو لبھانے کی خواہش، مردوں کی نگاہ میں جچنے کا جنون، یہ کیسا عذاب ہے عورت کے لیے کتنا گرا دیا ہے اس جنون نے عورت کو۔ تو نہیں جانتی بچی کہ اللہ نے عورت کا وقار پردے میں رکھا ہے، جو اس کا خیال نہیں رکھتی۔ وہ پھسل جاتی ہے، بہت سی نگاہوں کے لیے تماشا بن جاتی ہے، وقت گزر جاتا ہے مگر اس کی زندگی کے دامن پر لگا ذرا سی بھول اور غلطی کا داغ کبھی نہیں دھلتا، دھل بھی جائے تو اس کا نشان ہمیشہ باقی رہتا ہے اور داغ لگی کوئی بھی چیز کبھی اجلے داموں نہیں بکتی۔" اپنے ہی آپ میں مگن وہ اسے کتنی گہری بات کہہ گئی تھیں۔

"مم...... میں نے زندگی میں کبھی ایمان کا سودا نہیں کیا اماں۔" اسے لگا وہ جیسے اسے سمجھا رہی تھیں۔ تبھی فوراً وضاحت دی تو بی اماں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

"اللہ رب العزت تجھے اپنی پناہ میں رکھے بچی، سدا خوش رہ۔" دعائیں دیتی وہ اٹھ گئیں تو گوری کے ذہن میں ان کا ایک ہی جملہ اٹک گیا۔

"جنہیں وہ (اللہ) اپنا بنا لیتا ہے وہ دنیا کی معمولی معمولی چیزوں کے لیے نہیں جیتے۔"

"پھر وہ کس کے لیے جیتے ہیں؟ کیا وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں؟ کیا بے نیاز ہو کر جینا آسان ہوتا ہے؟ اللہ صبر کیسے دیتا ہے؟ کیا ہر نقصان پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے؟ بی اماں نے کیوں کہا کہ وہ بہت سکون میں ہیں؟ کیا جنہیں اللہ اپنا لیتا ہے انہیں کوئی غم نہیں ملتا؟ ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہیں آتا؟ کیسے لوگوں کو اپناتا ہے اللہ؟ وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو اس کی نگاہ میں جچتے ہیں؟ وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جن کے دل اور نفس وہ جنت کے بدلے خرید لیتا ہے؟ عورت تو فتنہ ہے، شر ہے، وہ کیسے کیچڑ میں رہ کر دامن بے داغ رکھ سکتی ہے؟" کتنے سوال تھے جو اس وقت اس کے اندر سے اٹھ رہے تھے۔ ابھی چند دن پہلے اس نے بی اماں کو کہتے سنا تھا۔

"پاکیزگی صرف عمدہ لباس اور پاک جسم کا نام ہی نہیں ہے، بلکہ ہر انسان کی سوچ، اس کا ہر خیال، زبان سے نکلی ہر بات کا پاکیزہ ہونا بھی لازم ہے، روز محشر ہر انسان اپنے اچھے برے اعمال کا حساب دیتے وقت اپنی ہر سوچ، خیال اور زبان سے نکلی ہر بات کا جواب دہ بھی ہوگا۔" اور وہ تو جانے کیا کیا سوچتی رہ گئی۔

ایک لمحے کے لیے اس کا پورا جسم پسینے میں نہا گیا، زندگی کی شاہراہ پر سنبھل سنبھل کر چلنے کے لیے ایک اچھے رہنما کا ہونا کتنا ضروری تھا اس روز اس نے جانا تھا۔

......

"ہیلو......" وہ بے حد اداس، باورچی خانے میں بیٹھی چائے بنا رہی تھی جب سامنے الماری میں رکھا اس کا سیل فون بج اٹھا۔

صاعقہ نے چائے چھوڑ کر لپک کر موبائل اٹھایا تو سامنے اسکرین پر "زین" کا خوب صورت نام چمک رہا تھا۔ اس نے فوراً سے پیشتر دھڑکتے دل کے ساتھ بٹن پریس کر دیا۔

"السلام علیکم!" اس کی ہیلو کے جواب میں عباد نے سلام کیا تھا۔ جب وہ شرمندہ سی بولی۔

"وعلیکم السلام...... میں ابھی آپ کو ہی یاد کر رہی تھی۔"

"خیریت؟"

"ہوں، آپ کا فون دو دن سے بند تھا۔ مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔"

"وہ تو ہونی تھی، ادھر میں جو پریشان تھا۔"

"کیوں! اللہ خیر کرے، کیا ہوا؟"

"بہت کچھ، بہت عزیز دوست کے ساتھ حادثہ پیش آ گیا۔ خیر کیا کر رہی تھیں آپ؟"

"کچھ نہیں، بس فارغ ہی بیٹھی تھی۔"

"آپ کی والدہ کے علاج کا کیا ہوا؟"

"اب تو بہتر ہیں، میرا خیال ہے ڈاکٹر عارف نے صرف مجھے حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔"

"آپ کو اب لگا ہے، مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا ہے، بہرحال جان بچی سو لاکھوں پائے۔"

"اس کا کریڈٹ تو اللہ کے بعد آپ کو جاتا ہے۔"

"وہ تو ہے۔"

"اب کہاں ہیں آپ اور آپ کے دوست کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہے، میں تو ابھی پنڈی میں ہی ہوں، کیوں خیریت؟"

"ہوں خیریت ہی ہے، بس کچھ بات کرنی تھی آپ سے۔"

"تو کرو ناں یار، میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"ایسے فون پر نہیں، آپ جب کراچی آئیں تو بتایئے گا۔"
"آپ کہیں تو ابھی آجاؤں؟"
"جی نہیں! اتنے اچھے نہیں ہیں آپ۔" وہ ہنسی۔
عباد جیسے بے اختیار سا ہو گیا۔
"آپ کہہ کر تو دیکھیں، دو گھنٹے کے اندر اندر کراچی نہ پہنچ جاؤں تو کہنا۔"
"چلو ٹھیک ہے پھر، میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"
"او کے! میں آرہا ہوں۔" صرف ایک لمحے میں فیصلہ کیا اس نے۔
حاعقہ سرشاری سے موبائل بند کرگئی۔
وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے ہال میں آیا تھا جب شاہ زر نے اسے پکارا۔
"کہاں جارہے ہو؟"
"کراچی واپس جانا ہے یار، بہت ارجنٹ کام آپڑا ہے۔"
"ٹھیک ہے، مجھے اسپتال چھوڑتے جاؤ۔"
"لیکن شاہ......"
"بحث کرنے کے لیے نہیں کہا ہے عباد۔ چھوڑ سکتے ہو تو بتادو۔ نہیں چھوڑ سکتے تو میں خود چلا جاؤں گا۔"
"او کے چلو۔"
ایک لمحے میں ہتھیار پھینکے تھے اس نے، اوپر سیڑھیوں کے دہانے پر کھڑی بُریرہ انہیں جاتے دیکھ کر محض لب کاٹ کر رہ گئی۔

انوشہ کی آنکھیں کھلی تھیں اور بہت بے تاثر نگاہوں سے کمرے کی چھت کو گھور رہی تھی۔ کتنے دن ہوگئے تھے اسے دنیا سے کنارہ کیے، آنکھ کھلتے ہی جو پہلی چیز اسے یاد آئی، وہ اس کا بچہ تھا۔ وہ کہاں ہوگا؟ کتنا رویا ہوگا میرے لیے؟ میں تو بدنصیب ہوں مگر اسے کس بات کی سزا مل رہی ہے؟ جو کچھ بھی زندگی نے میرے ساتھ کیا اس میں اس بے شعور، معصوم بچے کا کیا قصور؟
شاہ زر جس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوا وہ اپنے بچے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کا سر سفید پٹیوں میں جکڑا تھا۔ بایاں بازو اور پسلیاں بھی حادثے میں شدید متاثر ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔
"اب کیسی ہو انوشہ؟" بہت سنجیدگی سے مگر اپنائیت بھرے لہجے میں اس نے پوچھا تو انوشہ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔
"میرا بیٹا کہاں ہے؟" ہوش میں آنے کے بعد پہلا جملہ یہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ شاہ زر اس کے سوال پر چونک اٹھا۔
"بیٹا......" اس کے دماغ میں اچانک جیسے دھماکا ہوا تھا۔ پچھلے تین روز سے اس نے اپنے بچے کو نہیں دیکھا

وہ کہاں تھا؟
"میں! میں آتا ہوں ابھی۔" فوراً واپس پلٹتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا۔
اسپتال سے گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ تین بار ایکسیڈنٹ سے بچا، گیٹ پر کھڑے چوکیدار نے اسے خاصی حیرانی سے گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔
"بنی...... کہاں ہے؟" پہلا سوال چوکیدار سے ہی ہوا تھا۔
"پتا نہیں صاب...... میں نے نہیں دیکھا۔"
"کیوں نہیں دیکھا، یہاں کھڑے ہو کر پیسے کس چیز کے لیتے ہو۔" وہ دہاڑا تھا۔ چوکیدار سر جھکا کر رہ گیا۔
گیٹ سے ہال اور اوپر بیڈ روم تک، کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی اس نے، بُریرہ چپ اور حیرانی سے اسے دیکھتی رہی۔
"کیا ڈھونڈ رہے ہو؟"
"میرا بیٹا کہاں ہے؟" وہ اسے مخاطب کرنا نہیں چاہتا تھا مگر کر بیٹھا تھا۔
"مجھے کیا پتہ" اسے برا لگا تھا۔ شاہ زر نے پروا نہیں کی۔ اس کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا۔
"میرا بیٹا چاہیے ابھی۔" تین دن سے خود پر چڑھایا سختی کا خول اس لمحے وہ توڑ بیٹھا تھا۔ بُریرہ کو لگا جیسے وہ ابھی رو پڑے گا۔
"تمہارا کوئی بیٹا نہیں ہے۔"
"تمہارا نہیں ہے، میرا ہے۔" چلا کر کہتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بُریرہ اسے دیکھتی رہ گئی۔
وہ گھر اور ارد گرد سے اچھی طرح پوچھ تاچھ کے بعد سیدھا پولیس اسٹیشن گیا تھا، بُریرہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پاکستان واپسی پر اس کے ساتھ کچھ ایسا بھی ہوگا۔

اسے کہنا قسم لے لو
تمہارے بعد جو ہم نے کسی کا خواب دیکھا ہو
کسی کو ہم نے چاہا ہو، کسی کو ہم نے سوچا ہو
کسی کی آرزو کی ہو، کسی کی جستجو کی ہو
کسی کی راہ دیکھی ہو، کسی کا قرب مانگا ہو
کسی سے آس رکھی ہو، کوئی امید باندھی ہو
کوئی دل میں اتارا ہو، کوئی تم سے جو پیارا ہو
کوئی دل میں بسایا ہو، کوئی اپنا بنایا ہو
کوئی روٹھا ہو تو ہم نے اسے رو رو منایا ہو

دسمبر کی حسیں رت میں کسی کا ہجر جھیلا ہو
کسی کی یاد کا موسم، میرے آنگن میں کھیلا ہو
کسی سے بات کرلی ہو، کبھی یہ ہونٹ ترسے ہوں
کسی کی بے وفائی پر، کبھی یہ نین برسے ہوں
کبھی راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیرے دکھ میں نہ روئے ہوں
اسے کہنا قسم لے لو!
تمہارے بعد جو اکثر کبھی اک پل بھی سوئے ہوں
اسے کہنا قسم لے لو
کبھی جگنو، کبھی تارا، کبھی ماہتاب دیکھا ہو
اسے کہنا قسم لے تمہارے بعد جو ہم نے
"کسی کا خواب دیکھا ہو......"

"علیزہ......!" گاڑی گاؤں کی حدود سے نکل کر شہر والی سڑک پر گامزن ہوئی تھی، جب خاموشی سے ڈرائیو کرتے ایان نے اسے پکارلیا۔ وہ رخ موڑے مکمل بے نیازی سے کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی۔

"مجھے معاف کردو علیزہ! اس روز عورت ذات کے حوالے سے جو کچھ میں نے تم سے کہا، شاید مجھے وہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

وہ اب بھی چپ تھی، ایان نے گاڑی روک دی۔

"کیا تم اب بھی مجھے معاف نہیں کرو گی۔"

"کیا مجھے تمہیں معاف کرنا چاہیے؟"

"ہاں۔"

"تو ٹھیک ہے، جاؤ معاف کیا۔"

"شکریہ! تم بہت اچھی ہو علیزہ، بہت اچھی، میں اصل میں عورت ذات سے بہت متنفر ہوں۔ کیونکہ اس صنف نے کبھی میرے ساتھ ہی کیا، کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا، اسی لیے میں خود کو تم سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ میری اماں کہتی ہیں عورت فتنہ ہے، شر ہے۔ اگر اس سے جائز تعلق نہ ہو تو وہ مرد کی زندگی تباہ کردیتی ہے اور میں تو تباہ ہو چکا ہوں، اسی لیے غلطی دہرانے سے ڈرتا ہوں، کیونکہ کہا جاتا ہے مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔"

"پھر؟"

"پھر...... پھر کچھ نہیں۔ بس تم اچھی ہو، میرے دل کو اچھی لگی ہو، سو اب کچھ بھی ہو، میں تمہارا دل کبھی نہیں توڑوں گا۔"

"وعدہ!"

"جی ہاں، پکا وعدہ۔"

"شکریہ ایان! تم خود بھی بہت اچھے ہو، دنیا کے سارے لڑکوں سے مختلف ہو، سب سے الگ، اسی لیے تو میری رال ٹپک پڑی تم پر۔" وہ اب مسکرا رہی تھی۔

ایان کو لگا جیسے اس کا دل ایک دم سے ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔

اس روز اس نے علیزہ کو خوب گھمایا پھرایا، جیب میں جتنے پیسے تھے سب خرچ کرڈالے۔ ایک مدت کے بعد وہ خوش تھا بے حد خوش۔

بالکل اسی طرح جیسے اندھی محبت کی تاریک نگری میں ٹھوکر کھا کر گرنے سے پہلے سب خوش ہوتے ہیں۔ دن ابھی ڈھلنے ہی والا تھا۔ جب ایان نے واپسی کا قصد کیا مگر علیزہ نے انکار کردیا۔

"ابھی نہیں ایان، ابھی تو میں نے تمہیں اپنا شہر والا بنگلہ بھی نہیں دکھایا۔"

"گولی مارو شہر والے بنگلے کو۔ ملک صاحب پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"ہونے دو، ساری دنیا کی فکر سر پر سوار رہتی ہے تمہیں، ایک میرے سوا۔"

"اب بھی یہی لگ رہا ہے تمہیں؟" وہ مسکرایا تھا علیزہ نے ناک چڑھا کر مصنوعی خفگی سے منہ پھیر لیا۔

"ٹھیک ہے، دیکھ لیتے ہیں تمہارا شہر والا بنگلہ، پھر واپس چلتے ہیں، تمہیں تو ملک صاحب کچھ نہیں کہیں گے، مجھے گولی سے اڑا دیں گے۔"

"نہیں اڑنے دوں گی تمہیں گولی سے۔" وہ مسکرائی اور ایان نے جیسے بے بسی سے گاڑی اسٹارٹ کرلی۔

شام کے دھندلکے اب اردگرد پھیلنے لگے تو علیزہ نے ایک سنسان سے علاقے میں شان دار گھر کے سامنے گاڑی رکوائی۔

"یہ دیکھو یہ ہمارا بنگلہ ہے، جب میں اپنی اماں کی بیماری کے دنوں میں ان کے ساتھ رہا کرتی تھی تو یہیں ہمارا قیام ہوتا تھا۔"

"ماشاء اللہ! شان دار گھر ہے۔"

"اندر سے اور زیادہ شان دار ہے۔ یہ گھر خالصتاً میری پسند سے بنایا گیا ہے، بابا کہتے ہیں شادی کے بعد وہ یہ گھر مجھے گفٹ کردیں گے۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ ابھی تو گیٹ پر تالا پڑا ہے۔ پھر کبھی آئیں گے تو اندر سے بھی دیکھیں گے۔"

"پھر کبھی کیوں، آج ہی دیکھیں گے۔ تالے کی چابی ہے میرے پاس۔"

سفر کے آغاز میں وہ جتنی اداس تھی، اب اتنی ہی چہک رہی تھی۔ ایان کا دل کسی انہونی کے خدشے کو محسوس کر رہا تھا مگر عجیب سی بے بسی تھی کہ وہ چاہنے کے باوجود خود کو علیزہ کی کسی بات سے انحراف کرنے کے لیے تیار نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اب لاک کھول رہی تھی۔

"علیزہ! دیر ہو جائے گی۔"

"ہو جانے دو، میں نے بابا کو کہہ دیا تھا اگر دیر ہو گئی اور مجھے اپنی دوست کے گھر رکنا پڑا تو پھر صبح ہی آؤں گی۔"

"وہ اعتراض کریں گے۔"

"نہیں کریں گے، میں تو شہر آتی جاتی رہتی ہوں اور دو، دو دن ٹھہر بھی جاتی ہوں۔ اصل میں بابا کی خواہش پر، میں یہاں پرائیویٹ پڑھ رہی ہوں۔ بھائی اسکول کالج وغیرہ کے خلاف ہیں، اس لیے بابا نے گھر بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت دے دی، کبھی بھی کچھ مشکل ہو یا سمجھ میں نہ آئے تو میں بابا کو بتا کر اپنی دوست کے پاس شہر چلی آتی ہوں۔ وہ یہاں کالج میں پڑھتی ہے، بہت اچھی دوست ہے میری اور بابا کو اس پر اعتبار بھی بہت ہے۔ اس لیے میرے یہاں رُکنے پر اعتراض نہیں کرتے، آج بھی میں انہیں یہی کہہ کر آئی ہوں۔" اس کے تفکر پر کھل کر وضاحت دیتی وہ اسے بے حد اچھی لگی۔

لاک کھل چکا تھا۔ ایان اس کی ہمراہی میں ادھر اُدھر احتیاط سے دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔

"یہ دیکھو، یہ جو باغیچہ ہے ناں۔ یہاں اکثر پھول اور پودے میں نے اپنے ہاتھوں سے لگائے ہیں اور وہ، وہ ہال ہے۔ یہیں میری اماں جی کی موت ہوئی تھی۔ میری جو شہر والی دوست ہے ناں وہ اماں کی بیماری کے دنوں میں اسپتال میں میری دوست بنی تھی۔ اس کا وہاں اسپتال میں بھائی داخل تھا۔ یہ دیکھو یہ ادھر شہری کچن اور وہ اوپری منزل کو جاتی سیڑھیاں، تم ذرا سکون سے بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں۔"

پٹر پٹر بولتی اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر، اسے ہال میں رکھے صوفے پر دھکیلنے کے بعد وہ خود واپس پلٹ گئی۔ ایان دلچسپ نگاہوں سے ہال کی بیش قیمت چیزوں کا جائزہ لیتا رہا، جب کہ وہ گاڑی سے سارا سامان، ایان کی کروائی گئی شاپنگ کی تمام اشیاء ایک محفوظ کمرے میں منتقل کرنے کے بعد دوبارہ پھر اس کے پاس چلی آئی۔

"ایان! موبائل ہوگا تمہارے پاس۔"

"ہاں ہے، کیوں؟"

"مجھے چاہیے۔ اپنی فرینڈ کو کال کر کے بلوانا ہے، تم سے ملوانا ہے اور بابا کو بھی بتانا ہے کہ ہمیں تھوڑی دیر ہو جائے گی، وہ پریشان نہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے، بابا کو کال کرلو، مگر فرینڈ کو یہاں بلوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں ابھی نکلنا ہے یہاں سے۔ میں زیادہ دیر تمہارے ساتھ نہیں ٹھہر سکتا۔"

"پتا ہے مجھے، بہت شریف ہو۔ پوری دنیا میں ایک تمہیں ہی تو پتا ہے کردار کی حفاظت کا۔ باقی سب تو جیسے ہاتھ پر ایمان لیے پھرتے ہیں۔"

"نہ پھرتے ہوں، میرا کوئی واسطہ نہیں ہے کسی کے ساتھ۔ تمہیں نہیں پتا حالات کیسے جا رہے ہیں، دنیا کو تو موقع چاہیے کسی کی زندگی جہنم بنانے کا۔"

"اچھا بابا موبائل تو دو، ہر وقت مولانا بنے رہتے ہو۔" وہ جھنجلائی۔ ایان نے خاموشی سے اسے اپنا موبائل نکال کر دے دیا۔

"شکریہ، میں چائے لاتی ہوں، تب تک تم ذرا گھوم پھر کر دیکھ لو، پھر واپس چلتے ہیں، ٹھیک۔"

"ہوں!" گہری سانس بھر کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دوبارہ وہیں بیٹھ گیا۔

علیزہ اس کا موبائل لے کر وہاں سے ایک کمرے میں چلی آئی، جہاں اسے یقین تھا کہ اس کی آواز کسی بھی طور سے ایان تک نہیں پہنچ سکے گی۔

مکمل اطمینان کے ساتھ اس نے اپنے بابا کا نمبر ملایا تھا اور دوسری جانب کال وصول ہوتے ہی وہ رو پڑی۔

"بابا......"

"علیزہ...... کہاں ہو تم؟ کیا ہوا؟"

بڑے ملک صاحب اس کی تاخیر پر پہلے ہی پریشان تھے کہ وہ صرف ایک گھنٹے کی بمشکل اجازت لے کر نکلی تھی کجا اب اسے روتے ہوئے بھی سن رہے تھے۔ وہ ان کی پریشانی پر مزید چہکی۔

"بابا...... بابا وہ کمینہ ایان...... نمک حرام نکلا بابا۔ اس کی نیت خراب ہوگئی ہے مجھ پر، زبردستی شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں بہت مشکل میں ہوں بابا۔ اس نے مجھے یہاں اس کمرے میں لا کر قید کر رکھا ہے۔ میں مر جاؤں گی بابا، مگر آپ کا اٹھا ہوا سر کبھی جھکنے نہیں دوں گی۔"

بڑے ملک صاحب کے لیے اس کے الفاظ کسی شاک سے کم ہرگز نہیں تھے۔ ایک طرف اگر عزیز از جان بیٹی تھی تو دوسری طرف وہ شخص تھا جسے ان کی زیرک نگاہ نے اندر تک جانچ لیا تھا۔ وہ پھسلنے، بہکنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کے باوجود اگر اس نے ان کی عزت کوٹھی میں ملانے کا ارادہ کیا تھا تو بہت غلط کیا تھا۔ اس وقت ان کا خون جیسے سارے کا سارا ان کی شریانوں میں جمع ہو گیا تھا۔

"خود کہاں ہے وہ اس وقت؟" وہ گرجے تھے۔ علیزہ کی مصنوعی سسکیوں میں شدت آگئی۔

"وہ مووی لینے گیا ہے بابا۔ کہتا ہے بچھلوں گا تمہارا باپ میرا کیا بگاڑ لیتا ہے۔ اسی کا موبائل ہے بابا، بے خبری میں رہ گیا اس سے۔ شاید اللہ نے میری مدد کرنے کے لیے یہ ایک وسیلہ بنا دیا۔"

"اس وقت کہاں ہو، جگہ کا کچھ پتا ہے کہ نہیں؟"

"جو پتا ہے وہ بتاتی ہوں بابا، آپ فوراً پہنچ جائیں، فوراً......" مکمل پلان کے تحت اس نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے بڑے ملک کو قہر کی دعوت دے دی تھی۔ اپنے منصوبے پر سرشار وہ فون بند ہونے پر مسرور سی، واپس پلٹی تو دہلیز کے اس پار ایان کو بت بنے کھڑے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

اس کا یقین غلط تھا کہ ہال تک اس کی آواز نہیں پہنچ سکے گی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

سندس جبیں

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سبز جنگل میں پرندوں کے ٹھکانوں میں کہیں
وقت لے آیا ہمیں گزرے زمانوں میں کہیں
گم بھی ہو سکتے ہیں تاریخ کے اوراق میں ہم
مل بھی سکتے ہیں مگر تازہ فسانوں میں کہیں

عمر کا رزلٹ کارڈ میرے سامنے تھا اور اس بار پھر بی گریڈ، میرا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔ میں نے خود پہ قابو پانے کی قطعی کوشش نہ کی بلکہ اس پہ برس پڑا۔

''حد ہوگئی عمر! اتنا بُرا رزلٹ؟ میرے پورے خاندان میں بھی کسی کا نہیں آیا۔ ناک کٹوا کے رکھ دی میری۔ چاہتے کیا ہو آخر؟'' میں نے اسے اور بھی بہت کچھ کہا۔ جب خوب دل کی بھڑاس نکال چکا تو اس سے پوچھا۔

اس نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا۔

''آپ کو صرف یہ ٹینشن ہے کہ اس بار بھی رزلٹ آپ کے معیار کے مطابق نہیں؟ صرف یہ ٹینشن ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ آپ کی عزت پہ حرف آئے گا۔ آپ جیسے ہائی کوالیفائڈ شخص کا بیٹا بی گریڈ لیتا ہے۔ بہت انسلٹنگ ہے نا آپ کے لیے؟ آپ مجھے اپنے لیے پڑھا رہے ہیں نا؟ تو سُن لیں مجھے پڑھنا ہی نہیں......'' وہ روہانسا سا ہو کر کہتا تیزی سے باہر نکل گیا۔

میں ساکت سا کھڑا اس کے الفاظ پر غور کرتا رہ گیا۔ کیا کہہ گیا تھا وہ۔ کیا والدین بچوں کو اپنے لیے پڑھاتے ہیں؟ میں نے ایسا کیا کہا تھا؟ کب چاہا تھا؟ وہ بے وقوف جانتا ہی نہیں کہ میں تو خود ان کے لیے...... امیر ادل دُکھ سے بھر گیا تھا۔

مجھے اسے بتانا چاہیے آخر جب تک میں اسے بتاؤں گا نہیں وہ کیسے جان پائے گا۔ ایک فیصلہ کر کے میں مطمئن ہوگیا۔

شام میں، میں اکیڈمی سے پڑھا کر واپس آیا تو عمر حسب معمول کمرے میں بند تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو کمبل میں منہ چھپائے وہ بیڈ پہ دراز تھا۔ میں نے لائٹ جلائی تو وہ ہلکے سے کسمسایا۔

''عمر! بیٹا جاگ رہے ہو؟'' میں نے قصداً بلند آواز میں پوچھا۔

وہ کمبل چہرے سے ہٹاتا اُٹھ گیا۔ ''جگا کر پوچھ رہے ہیں کہ جاگ رہا ہوں؟'' وہ خفا خفا سا بولا۔

میں اس کے نزدیک بیڈ پر بیٹھ گیا، اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلایا اور اسے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

''پاپا! سوری...... سوری میں آئندہ پوری کوشش

کروں گا کہ آپ کی اُمیدوں پہ پورا اُتر سکوں۔'' وہ شرمندہ ہوا تھا۔

''اب جانے بھی دو میرے بچے۔'' میں نے اسے تھپکا۔ ''تمہارے ذہن میں جو اُلجھن اور بدگمانی ہے میں چاہتا ہوں وہ دور ہوجائے۔ آؤ میں تمہیں ایک کہانی سُناؤں...... بلکہ نہیں، تمہیں ایک سچی کہانی سُناؤں۔ میری اپنی کہانی......'' عمر چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ مگر میں کہانی شروع کرچکا تھا۔

☆......☆......☆

''میرا تعلق بنیادی طور پر غریب گھرانے سے تھا۔ ہم دو بھائی تھے، دونوں نے میٹرک کے بعد فوج میں کمیشن لے لیا۔ ماں نے کہا دونوں اتنی دور مت جاؤ۔ فوج میں ایک چلا جائے چنانچہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب 71ء کی جنگ کے اثرات سے ہمارا ملک نبرد آزما تھا۔ میں نے ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کے محکمہ میں جاب کرلی۔ ایک معمولی جاب...... اس وقت...... تم سمجھ سکتے ہو کہ میٹرک پاس کی کتنی اہمیت تھی۔ چنانچہ میں نے یہ نوکری کرلی۔ وقت گزرنے لگا۔ مجھ میں تعلیم کا اتنا جنون نہیں تھا ورنہ شاید میں آگے پڑھنے کی کوشش ضرور کرتا۔ میں اپنی زندگی سے...... جو اچھی تھی یا بُری بہر حال مطمئن تھا۔ چند سال گزرے تو ماں نے شادی کردی۔ تمہاری ماں کو ناول پڑھنے کا شوق تھا۔ اس کے اس شوق کی بدولت گھر میں کتابوں کی رونق نظر آنے لگی۔ وہ کتابوں کے معاملے میں جنونی تھی، نئی کتاب شروع کرتی تو چاہے ساری رات بیت جائے ختم کرکے اُٹھتی...... میں اس سارے سیٹ اپ سے اچھا خاصا اُکتانے لگا۔ وہ کسی کو اپنی کتابوں کو ہاتھ نہ لگانے دیتی، ایک بار عائشہ نے کتاب کے چند صفحے پھاڑ ڈالے۔ مجھے آج بھی یاد ہے اس نے بُری طرح عائشہ کو مارا تھا۔ وقت مزید گزرا۔ بچے بڑے ہورہے تھے، میں نے اپنی جاب میں کافی ترقی کی۔ آہستہ آہستہ ٹائپ رائٹر پُرانے ہوتے گئے اور ان کی جگہ کمپیوٹرز نے لے لی۔''

''دور بدل گیا تھا، میرا کام ایسا تھا کہ دن رات میرا واسطہ ٹائپنگ سے پڑتا تھا۔ چند دوستوں نے مشورہ دیا کہ میں کمپیوٹر کورس کرلوں۔ میں تو خود خاصا پریشان تھا۔ چند دن سوچتا رہا۔ تمہاری ماں سے مشورہ کیا اور بالآخر کمپیوٹر کورسز کے لیے ایک ادارے میں داخلہ لے لیا۔ کلاس میں سب مجھ سے بہت چھوٹے تھے۔ میں ان سے خاصا بڑا تھا۔ مجھے پہلے دن ہی خاصا عجیب سا لگ رہا تھا مگر ضبط کرکے بیٹھا رہا اور پھر میری زندگی کا سب سے حیرت انگیز لمحہ آیا...... میں آج تک...... آج تک بھول نہیں سکا۔ وہ ایک لمحہ میری سوچ اور میری زندگی میں انقلاب لے آیا اور اس کا کریڈٹ میں اس کو دوں گا وہ جو ہماری ٹیچر تھی۔ ہاہا...... ہاں ہماری ٹیچر...... جو بی ایس سی کرکے آئی تھی۔ مجھے اس لمحے وہ بالکل عائشہ لگی۔ میری بیٹی عائشہ جیسی اتنی کم عمر...... اتنی نازک چھوٹی سی...... وہ ہماری ٹیچر تھی۔ مجھے بے انتہا شرم آئی۔ میں نے سوچا ''اگر اس کی جگہ عائشہ ہوتی تو؟'' اور وہ لمحہ میری سوچ کو ایک حیرت انگیز تبدیلی سے روشناس کراگیا۔

''میں نے سوچا اگر کل کو عائشہ اس جگہ ہوتی تو وہ کیا کہہ کر مجھے مخاطب کرتی؟ کیا بتاتی لوگوں کو کہ اس کا باپ زیادہ پڑھا لکھا نہیں لیکن اسے اپنے بچوں کو پڑھانے کا بے حد شوق ہے؟ یا شاید وہ کہتی کہ ہاں اس کے پاپا صرف میٹرک پاس ہیں؟ پتا نہیں وہ کیا کہتی؟ میں نہیں جانتا مگر وہ لمحہ بہت بھاری تھا۔ اتنا

بھاری کہ مجھ سے ایک فیصلہ کرواگیا۔ وہیں کھڑے کھڑے میں نے سوچا کہ مجھے ایسی زندگی نہیں گزارنی، جس میں میری بچی کے پاس یہ فخر بھی نہ ہو کہ وہ ایک پڑھے لکھے باپ کی بیٹی ہے؟''

''میں نے ایک فیصلہ کرلیا۔ میں نے سوچ لیا کہ مجھے پڑھنا ہے ہاں...... میں نے یہی سوچا۔ ذرا دیکھو...... اپنی زندگی کے 35 ویں سال میں نے سوچا کہ مجھے آگے پڑھنا ہے۔ مجھے کچھ بننا ہے۔ مجھے اپنے بچوں کے لیے ایک مثال بننا ہے۔ میں نے جیسے تیسے کرکے وہ کورس مکمل کیا اور اس کے بعد ایف اے کی تیاری شروع کردی......''

''اتنا حیران مت ہو میرے بچے!'' میں نے عمر کی پھیلی آنکھیں دیکھیں تو ہنس دیا۔ ''یہی سچ ہے۔ میں نے پیپرز دیئے، اس وقت عائشہ دسویں میں تھی۔ کتنی عجیب سی بات ہے۔ شاید کسی حد تک ناقابل یقین بھی۔ میں اپنی بیٹی سے صرف دو سال سینئر تھا پڑھائی میں۔ کتنا مضحکہ خیز لگتا ہے ناں مگر یہی سچ ہے۔ عائشہ نے فرسٹ ایئر میں داخلہ لیا اور میں نے بی اے کی تیاری شروع کردی اور اگرچہ نوکری اور تین بچوں کے ساتھ یہ آسان نہیں تھا۔ مجھ پر بہت بھاری ذمہ داریاں تھیں۔ میں اپنے گھر کا واحد کفیل تھا اور میرا بیٹا، میرا اکلوتا بیٹا ابھی بہت چھوٹا تھا۔'' میں نے بات کرتے ہوئے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

''مگر مجھے جنون تھا آگے بڑھنے کا۔ میں رات گیارہ بارہ بجے آنے کے بعد دیر تک پڑھتا رہتا۔ بی اے کلیئر ہوا تو میرے پاس انگلش پڑھنے کے لیے بچے آنے لگے۔ چند ماہ یہ سب اسی طرح چلتا رہا۔ مگر میری پھر سے وہی حالت ہونے لگی جیسے ایک نشے باز کو نشہ نہ ملنے پر ہوجاتی ہے۔ کتابیں مجھے اپنی طرف بلانے لگیں۔ میں نے چند دن سوچا اور اپنی زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ کیا۔'' میں سانس لینے کو رُکا۔

عمر پلکیں جھپکائے بغیر مجھے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے اکنامکس میں ماسٹرز کرنے کے لیے ریگولر ایڈمیشن لے لیا...... یونیورسٹی میں میرا پہلا دن بہت عجیب تھا۔ میں بہت اعتماد سے اپنی کلاس کی طرف گیا تھا اور اپنا وہ شاندار استقبال مجھے آج تک نہیں بھولا۔ ساری کلاس مجھے دیکھ کر کھڑی ہوگئی...... جانتے ہو کیوں؟'' میں نے حظ لیتے ہوئے پوچھا۔

عمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ مجھے اپنا پروفیسر سمجھے تھے۔'' میں کہتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس دیا اور اس ہنسی میں عمر بھی شریک ہوگیا تھا۔

''وہ دن بڑے سہانے تھے، بڑے عجیب...... میں شروع سے ہی طبعاً سنجیدہ مزاج تھا اور اس عمر میں تو یہ سنجیدگی میرے مزاج اور میری شخصیت کا لازمی حصہ بن گئی مگر میرے کلاس فیلوز تو ابھی بالکل کم عمر تھے وہ نارمل سی عمروں والے بیس بائیس سالہ نوجوان، کھلنڈرے، اُدھم مچاتے، بلند قہقہے لگاتے، وہ سب مجھے بہت عجیب سے لگتے...... مگر رفتہ رفتہ میں اس روٹین میں سیٹ ہوتا گیا۔ اگرچہ یہ کچھ آسان نہ تھا۔ میں ان جیسا نہیں تھا، مجھ پر گھریلو ذمہ داریاں تھیں جب کہ وہ سب ابھی ان کے بوجھ سے آزاد تھے۔ مجھ میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق تھا، نہ میں ان جیسا ہوسکتا تھا اور نہ وہ اتنی سی عمر میں میرے جیسی سنجیدگی اختیار کرسکتے تھے چنانچہ میں نے ان سے سمجھوتا کرلیا۔ آخر مجھے ان کے ساتھ دو سال گزارنے تھے، مگر میں بھی ان کی

محفلوں میں نہ بیٹھا، کبھی ان کے ساتھ آؤٹنگ کے پروگرامز نہیں بنائے، نہ کہیں ٹور پر گیا۔ میرے پاس ان چیزوں کا وقت نہیں تھا۔ مجھے وہاں سے ڈگری لینی تھی۔ وہ دو سال بڑے قیمتی تھے بڑے محنت طلب اور حیرت انگیز تھے...... ''میں ایک بار پھر چند لمحے کے لیے ٹھہرا۔

''اور جب دو سال بعد رزلٹ آیا تو جانتے ہو کیا ہوا؟'' میں نے اسے دیکھا، عمر کے چہرے پر دبے دبے جوش کے آثار ابھرے۔

''آپ نے گوجرانوالہ میں ٹاپ کیا تھا۔'' وہ بے ساختہ بول پڑا۔

''ہاں...... پنجاب یونیورسٹی سے مجھے کافی فون آئے، لیکچرر شپ کے لیے، مگر میں نہ جاسکا۔ ان دنوں میں اپنے گھر کے معاملات میں بری طرح الجھا ہوا تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ مجھ میں اپنے بچوں سے دور رہنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میں نے مقامی کالج میں لیکچرر کی حیثیت سے جاب شروع کردی۔ اگرچہ معاوضہ بہت کم تھا مگر میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہتا تھا۔ اور...... اور میں تمہیں کیسے بتاؤں عمر! وہ کتنا خوب صورت احساس تھا، وہ میری زندگی کا دوسرا بہترین دن بن گیا۔ پتا ہے میری زندگی کا پہلا خوب صورت دن کون سا تھا؟'' میں نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

''جب اللہ پاک نے مجھے تم جیسے پیارے بیٹے سے نوازا تھا۔'' میں نے بے اختیار ہوکر اس کی پیشانی کو چوما اور مجھے اس کے چہرے پر زندگی دوڑتی نظر آنے لگی۔

''دوسرا دن...... وہ جب میں کلاس میں گیا، وہ سب بچے مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے احتراماً تو میں بتا نہیں سکتا اس لمحے میرے اندر کتنی خوشی پھیلی ہوئی تھی، کیونکہ یہ سب غلط فہمی نہیں بلکہ میں واقعی ان کا پروفیسر تھا۔''

''پھر میرے پاؤں میں جیسے چکر سا بندھ گیا۔ مجھے اپنے لیے مشکل ٹارگٹ چننے کا مزا آنے لگا۔ اکنامکس کے بعد میں نے فلسفہ میں ایم اے کا امتحان دیا۔ بہت خشک مضمون تھا، حقیقتاً اس نے میری بہت محنت اور ڈھیر سارا وقت لیا مگر اس کا رزلٹ بھی میری توقع کے مطابق نکلا۔ گوجرانوالہ سے بس کچھ ہی لوگوں نے فلسفے کا امتحان دیا تھا۔ خوش قسمتی سے میں بہت اعلیٰ طریقے سے کامیاب ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایم اے انگلش کا سوچا۔ مگر وقت ہی نہیں ملتا تھا، سنا تھا یہ بڑا ہی مشکل مرحلہ ہوگا مگر اب میرے بچے بڑے ہورہے تھے، وہ مجھ سے زیادہ وقت طلب کرتے تھے اور میری صابر بیوی کو بھی یہ شکوہ تھا کہ اگر میں نے بچوں کو وقت نہ دیا تو وہ میرے کنٹرول سے نکل جائیں گے۔ میں نے زیادہ وقت گھر کو دینا شروع کردیا اور مجھے بڑا عجیب سا احساس ہونے لگا، میرے بچے مجھ سے بہت دور ہوچکے تھے۔ میرے بچے! وہ بچے جن کے لیے میں سب کررہا تھا، وہ بچے جو میرے اس مقام، اس عہدے کی وجہ تھے جو مجھے یہاں تک لانے کا محرک بنے تھے...... بہت دور ہوچکے تھے، بہت دن میں نے عجیب سی اذیت اور پریشانی میں گزارے، پھر میں نے ان کو دھیرے دھیرے اپنے قریب کرنا شروع کیا، انہیں اپنا عادی بنایا، ان سے دوستانہ تعلق استوار کیا۔ میرے حق میں سب سے روشن پہلو یہ تھا کہ میں نے کبھی اپنے بچوں سے سخت لہجے میں بات نہیں کی، کبھی انہیں نہیں ڈانٹا، ہمیشہ دوستانہ روابط استوار رکھے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب پھر سے میرے ہوگئے۔ پھر میں نے ایم اے انگلش کی تیاری شروع کی اور اسے پاس بھی کرلیا۔''

''مجھے بارہا احساس ہوا کہ مجھ پر اللہ کا خصوصی کرم رہا۔ میں نے اتنی محنت نہیں کی مگر اس کے باوجود مجھے میرے رب نے میری ہمت اور محنت سے بڑھ کر نوازا۔ اگر کوئی اچھائی تھی تو میرے رب کی جانب سے تھی اور اگر کوئی کمی تھی تو یقیناً میری جانب سے تھی۔ میں نے تین ماسٹرز کرلیے۔ بہت اچھی جاب مل گئی۔ اپنی ایک کمپیوٹر اکیڈمی بنائی اور اب اپنی ویژن ویلفیئر سوسائٹی قائم کررہا ہوں مگر...... مجھے کیا فائدہ اس سب کا؟ سب بے کار ہے۔ میں سب اس لیے کرتا رہا تاکہ میرے بچوں کو زندگی کے کسی مقام پر پچھتانا نہ پڑے۔ وہ کمزور نہ پڑیں، ان کے لہجے میں کبھی شرمندگی نہ آجائے، وہ نا صرف اپنے باپ پر فخر کریں بلکہ خود بھی اعلیٰ مقام پہ کھڑے ہوں۔ میں نے ہر باپ کی طرح نہیں سوچا کہ میرے بچے میرے لیے باعث فخر ہیں۔ نہیں عمر! میں نے ہمیشہ یہ سوچا کہ میں کچھ ایسا کروں کہ وہ مجھ پر ناز کریں، مجھ جیسا بنیں بلکہ مجھ سے بھی آگے جائیں، مگر...... ایسا نہیں ہوسکا؟'' میرے لہجے میں افسوس در آیا۔

''میرا بیٹا یہ سوچتا ہے کہ میں اس سے اس لیے اچھے رزلٹ کی ڈیمانڈ کرتا ہوں کہ کہیں میری پوزیشن، میرے وقار میں کوئی کمی نہ آجائے؟ اتنی غلط سوچ بیٹا! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کل کو جب تم باپ بنو تو تمہارے بچے بھی تم پر فخر کرسکیں۔ تمہیں آئیڈیلائز کرسکیں۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں ڈانٹا کہ اس سے میرے غرور اور انا پر کوئی چوٹ پڑی ہے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بھی میری طرح بنو عمر! دوسروں کو مثال بنانے کی بجائے خود مثال بنو۔ خود کو آئیڈیل بناؤ تاکہ لوگ تم جیسا بننے کی آرزو کریں۔ اگر میں آج کچھ ہوں تو صرف اپنے بچوں کی وجہ سے ہوں۔ شاید یہ پہلا بیان ہے جو اس دنیا میں کوئی باپ دے رہا ہے ورنہ ہمیشہ انتساب والدین کے نام ہی جاتا ہے، مگر سچ یہی ہے۔''

''مجھے اس مقام پر لانے والا محرک میرے بچے ہی تھے۔ وعدہ کرو عمر! تم خود کو بہتر کروگے؟'' میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلکے سے جھنجوڑا۔

''پاپا! مجھے آپ پر فخر ہے۔ آئی لو یو پاپا...... آئی ایم سوری...... پلیز۔'' وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا، ایک ہی سانس میں تین مختلف بیان دیتے ہوئے وہ مجھے بے حد پیارا لگا۔ میں نے اسے گرمجوشی سے خود میں سمولیا۔

''وعدہ کرتے ہو پھر؟''

''جی پاپا! میں...... میں بھی آپ جیسا بنوں گا۔'' اس کے لہجے میں فخر تھا، میرا سیروں خون بڑھ گیا۔ اور میرا دل اپنے رب کے آگے مزید شکر بجا لایا۔ بے شک یہ اس پاک ذات کا کرم ہی تو تھا جس نے مجھے میری اوقات سے بڑھ کر نوازا تھا اور میری زبان میں اتنا اثر رکھا تھا۔ ورنہ تو...... میں نے ہمیشہ باپ کو بیٹے کے پیچھے چیختے چلاتے اور خون جلاتے ہی دیکھا تھا۔

عمر کی پیشانی چومتے ہوئے میری آنکھوں سے تشکر کے دو موتی بہہ گئے تھے۔

تجھ بن اُو سیا

رابعہ اکرم

"السلام علیکم! آنچل کی سالگرہ اس دفعہ میں نے کچھ منفرد طریقے سے منانے کا سوچا تو سب سے پہلے فرحت آنٹی کا خیال آیا جو اب اس فانی دنیا میں نہیں ہیں۔ جس کا بہت دکھ ہے مگر وہ پاس نہ ہوکر بھی ہمارے پاس ہیں۔ خدائے پاک ان کی مغفرت فرمائے (آمین)۔"

آئیے اب شروع کرتے ہیں آنچل کی سالگرہ کی تقریب، جس میں آنچل سے منسلک اپنی سب دوستوں کو مدعو کیا ہے جو اپنے خیالات کا اظہار کریں گی۔ ہم مل کر آنچل کی سالگرہ کا کیک کاٹیں گی اور آنچل کی آب و تاب ہمیشہ برقرار رکھنے کے لیے مل کر دعا کریں گی۔ میں نے بڑے شوق اور دل سے اپنے گھر کو سجا کر سب کو مدعو کیا ہے۔ سو کسی کے نا آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور لیں جی، شروع ہوئی تقریب تو سب سے پہلے میں دعوت دیتی ہوں اپنی ان دوستوں کو جو اس پر وقار تقریب میں شرکت کے لیے اتنی دور سے آئی ہیں۔

"جی ہاں! سب سے پہلے انجم بلال فرام راجن پور اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گی۔"

انجم بلال، راجن پور۔

"آنچل بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس کے جو سلسلے ہیں وہ تو بہت ہی اچھے ہیں۔ میری دعا ہے آنچل اسی طرح کامیابی حاصل کرتا رہے، (آمین) اور اس تقریب میں مدعو کرنے اور اظہار خیال کی دعوت پر میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

عائشہ ملک، وہاڑی۔

"آنچل بہت پیارا اور اچھا رسالہ ہے، میں اس کی کیا تعریف کروں کہ اس نے اتنی پیاری سہیلیاں دی ہیں مجھے۔ آنچل میں کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ خاص کر سلسلے وار کہانیاں اور میں آنچل کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں اور رابی کا شکریہ ادا کرتی ہوں نہیں شکریہ نہیں۔ وہ ناراض ہوجائے گی کیونکہ دوستی میں شکریہ کا لفظ بے معنی ہوتا ہے۔"

سوئی اور دیا، میرپور آزاد کشمیر۔

"لو رابی کی بچی، دیکھو کشمیر سے تیرے لیے آئی ہوں، خوش ہوجا اب۔ آنچل کی تقریب ہو اور میں نہ آؤں۔ ہو ہی نہیں سکتا۔ آنچل بہت اچھا رسالہ ہے۔ جتنی تعریف کروں کم ہے اور میں دعا گو ہوں، اپنے ملک کے لیے اور آنچل کے لیے کہ رب اپنی امان میں رکھے آمین۔"

سائرہ مشتاق، لنگڑیال۔

"ہیلو ہاہ رابی! اتنی دور سے آئی ہوں، دیکھو سارے کپڑے، جوتے اس بارش کے پانی سے خراب ہوگئے۔ ہائے اتنا مہنگا میرا سوٹ پہلی بار پہن کے آئی تھی۔ اف...... چلو آنچل کی خاطر معاف کیا۔ ہاں جی تو آنچل میرا پیارا بہت پیارا رسالہ ہے۔ اس کی تو کیا ہی بات ہے۔ بیوٹی پارلر، کچن، ڈاکٹر کا کلینک یہ سب سلسلے میرے پسندیدہ ہیں۔ اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ آخر میں کپڑے دھو کے دینا رابی میرے ہاں......"

سحر، گوجرانوالہ۔

"میں پڑھائی میں اتنی مصروف ہوتی ہوں کہ دوستوں کو ٹائم نہیں دے پاتی مگر رابی نے آنچل کی سالگرہ کا نام لیا تو ساری مصروفیت اک جانب اٹھا کر رکھ دی۔ بہت اچھا ڈائجسٹ ہے۔ میں اسے بہت پسند کرتی ہوں، اللہ اسے بہت ترقی دے آمین۔"

نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدر مرجان۔

"یہ گاؤں میری جان ہے، ہائے کتنا پیارا نام ہے بدر مرجان۔ جی تو میں رابعہ کے بلانے پر آنچل کی سالگرہ میں بدر مرجان سے آئی ہوں۔ میری ساری

نیک تمنائیں اور دعائیں آنچل کے ساتھ ہیں۔"

نادیہ جہانگیر، آزاد کشمیر۔

"رابعہ میری بڑی پیاری سی دوست اور بہن ہے۔ سو میں بھی سوئی کے ساتھ ہی کشمیر سے آگئی۔ میری دعا ہے رب سے آنچل کو ہمیشہ سلامت رکھے، آمین۔ شکریہ۔"

ثانیہ، ننکانہ صاحب۔

"آنچل بہت پیارا رسالہ ہے۔ گلاب کی خوشبو کی طرح دل میں بس جانے والا...... دعا ہے یہ ہمیشہ یونہی اپنے منفرد انداز کے ساتھ ہمارا ساتھی رہے اور سنو رابی! میں نے اکیڈمی جانا ہے، جاؤں اب؟ بریانی گھر بھیج دینا، اوکے۔"

غزل ملک، راولپنڈی۔

"آنچل تے بڑا پیار اے جی۔ وہ جی میں سندھ سے پنجاب آئی تے سوچیا پنجابی بول لوں۔ چلیے اتنی پنجابی کافی ہے، اب اردو۔ آنچل بہت اچھا ہے۔ رابعہ نے مدعو کیا تو سوچا سب سہیلیاں اتنی دور سے آرہی ہیں تو کیا میں ایک دن کی چھٹی لے کر دوسرے شہر نہیں جاسکتی، سو آگئی۔ اپنے آنچل کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ خداوند کریم یہ خوشیاں، یہ جھلملاہٹیں، ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔"

نازیہ کنول نازی، ہارون آباد۔

"سلام سب کو۔ اتنے پیار سے آنچل کی سالگرہ پر مدعو کیا رابی نے کہ آنا ہی پڑا۔ آنچل بہت اچھا ہے، بہت پیارا، میری کہانیوں کی طرح۔ یہ وہ سب کہتی ہیں، میں نہیں۔ مگر فرحت آنٹی کے بغیر ویرانی سی ہے۔ خدا اور ترقی دے آنچل کو، آمین۔"

چندا مشال، قصور۔

"میرے شہر کا نام قصور ہے ورنہ میرا تو کوئی قصور نہیں۔ اتنی سہیلیاں دیں آنچل نے۔ یہ ہماری تربیت کرتا ہے، یہ بہت گریٹ ہے بنڈل آف ڈیو۔ ہاہاہا۔ ہے نا انداز ہمارا شاہانہ۔"

عطرو بہ سکندر، اوکاڑہ

"آنچل بہت اچھا رسالہ ہے، اس سے بندہ اپنے اندر کا دکھ بھی بانٹ سکتا ہے۔ وہ کیا ہے نا، ان محترمہ کو اپنی فرینڈز سے دکھ بانٹتے موت پڑتی ہے۔ آنچل کے لیے بہت سی دعائیں، شکریہ۔"

کرن وفا، کراچی

"آنچل بہت اچھا ہے مگر اب وہی پرانی کہانیاں بار بار پڑھنے کو دل نہیں کرتا۔ ساری رائٹرز سن لیں کہ نیا نیا لکھا کریں۔ سب سے پہلے مجھے آنچل مل جاتا ہے تو سب فرینڈز پوچھتی ہیں، میرا کیا چھپا۔ سو کراچی میں رہنے کا کچھ تو فائدہ ہوا۔ سلسلے وار کہانیاں تمام سلسلے زبردست ہیں۔ دعائیں آنچل کے لیے، شکریہ۔"

سائرہ کرن، راجن پور

"مجھے تو آنچل بہت پسند ہے، بہت پسند ہے۔ بہت پسند ہے جی! میرے کو۔ او سوری، چھپڑے کی زبان ہے نا تو اک جگہ رہنا ذرا مشکل ہے۔ آنچل کے لیے دعا ہیں کہ رب اسے ترقی دے۔ آمین۔"

نحل، فیصل آباد

"ہائے جی! سارا ماہ انتظار رہتا ہے اس کا۔ مطلب آنچل کا۔ وہ دو دن میں ختم ہوجاتا ہے نا اور ہم پھر سے انتظار شروع کرتے ہیں۔ آنچل خوب صورت ہے۔ اس وجہ سے بڑا پیارا لگتا ہے۔ اس وقت تو اور پیارا ہوتا ہے جب میری تحریر ہو اس میں۔ دعا ہے اور ترقی کرے آنچل آمین۔"

انیلا آصف۔

"میں بھی اتنی دور سے آئی ہوں، بیٹی کے ساتھ۔ بڑا تنگ کرتی ہے مگر رابی نے آنچل کے لیے مدعو کیا تو آنا تو ضروری تھا۔ سو میں آگئی۔ آخر کو آنچل کی سالگرہ ہے، میری طرف سے ہیپی برتھ ڈے۔"

زرتاشیہ، بورے والا

"آنچل مجھے بہت پسند ہے، جسے میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ رابعہ نے بلایا سو ہم حاضر ہیں۔ آنچل

کی برتھ ڈے پر۔ خدا سے دعا ہے آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے، آمین۔"

پروین افضل شاہین، بہاولنگر

(یہ پروین صاحبہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہر جگہ نظر آتی ہیں تو سوچا ان کو بھی شامل کرلیا جائے۔)

"جی! میں پروین افضل شاہین۔ رابعہ صاحبہ نے اپنی تقریب میں بلایا ہم حاضر۔ ارے آنچل تو سب کا ہے تو پھر ہم دیر کیوں کرتے۔ سوفاف بہاولنگر سے فیصل آباد گئے۔ دعا ہے آنچل اسی طرح اپنی سالگرہ مناتا رہے، آمین۔"

حجاب نقوی، بھٹ شاہ

(میں جب بھی یہ نام پڑھتی ہوں تو کچھ اس طرح کے الفاظ منہ میں آتے ہیں۔ حجاب نقوی پھٹ جا، سوری ڈونٹ مائنڈ حجاب علی۔)

"جی تو میں حجاب نقوی۔ یہ اور دیکھیں ان محترمہ کو میرا نام پڑھ کر کیا یاد آتا ہے۔ مجھے آنچل بہت پسند ہے۔ خدا اسے اپنی امان میں رکھے، آمین۔"

"سائز والی آپی اوہ سوری، میرا مطلب ہے..... شہلین انجم انصاری! آپ بہت اچھا ہے، اس میں میری کہانیاں جو چھپتی ہیں۔ مذاق کیا جی! اللہ کرے یہ اسی طرح کامیاب اور سلامت رہے، آمین۔"

شائستہ اکرم، فیصل آباد

"آنچل کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ یہ پیار کا ایک بہت مضبوط رشتہ ہے۔ بہت پیارا راج دلارا سا۔ دعا ہے سدا ترقی کرتا رہے، آمین۔"

ڈاکٹر کومل ستار، لاہور

"آنچل بڑا کومل ہے میری طرح۔ جی! اکمی سے بھی کومل ہے جی یہ۔ پیارے پیارے دوست دینے والا آنچل۔ آنچل تو بے مثال ہے، اوکے جی! اب ہم بھی اجازت چاہتے ہیں۔ اپنے کلینک پر جانا ہے، جی دعا گو۔"

جی جناب! تو ہماری تمام ساتھیوں نے اظہار خیال کیا، آنچل کی سالگرہ پر۔ اسے دعاؤں سے نوازا اور اپنی قابل قدر آراء بھی پیش کیں اب آخر میں، میں مسکین سی مظلوم رابعہ حاضر خدمت ہوں۔ آپ سب کی بڑی مہربانی ہوگی اگر پانچ منٹ تک برداشت کریں تو..... ہم تو آنچل کے ایسے دیوانے ہوئے ہیں کہ کیا بتائیں۔ آنچل کی آمد کی اطلاع پاتے ہی نہ پوچھیں اتنے چکر لگتے ہیں بچوں کے بک اسٹال تک اور رشوت لینے لگے ہیں وہ تو اب۔ ہائے میں معصوم..... کوئی تو میری فریاد سنے اور سن لی گئی۔ اب بھائی شہر سے لا دیتے ہیں۔ ویری ناکس! آنچل سے بہت محبت ہے مجھے تو میری دل سے دعا ہے۔ آنچل دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے، آمین۔

اور اب آخر میں کیک کاٹ لیں سب آجاؤ۔ یہ عائشہ تو لگتا ہے ناشتہ نہیں کرکے آئی۔ اس وقت سے میں دیکھ رہی ہوں، کیک کے آس پاس سے انگلی سے کریم چاٹ رہی ہے، اُف بے صبری! اور یہ اپنی سوئی تو بریانی پلیٹ میں ڈال کر ٹیبل کے نیچے جا کر کھا رہی ہے۔ باہر آجاؤ، شرم کرو، تم سب۔ لو جی، اب کیک کاٹ دیا گیا سب مل کر کہو: "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مائے آنچل۔" دعا ہے سدا ترقی کی راہ پہ گامزن رہو، آمین۔

اور میری پیاری آنچل قارئین! آپ اب اپنی اپنی ہانڈیوں کی خبر لیں، دیکھیں جل گئی تو مارا آپ کو پڑنی ہے، میرا کیا جاتا ہے۔ بس ذرا خیالی پلاؤ پکا رہی تھی تو سوچا آپ کو بھی چکھا دوں۔ ذائقہ اگر آپ کو پسند آیا تو ضرور بتائیے گا۔ نہیں بتایا تب تو آپ کی خیر نہیں۔ مجھے آپ کے زندگی سے بھرپور تبصرے اور رائے کا انتظار رہے گا۔ یاد سے..... اوکے، خدا حافظ۔

آپ کی شخصیت

اے ایس صدیقی

وقت کی کمی کا رونا اکثر سنتے رہتے ہیں۔ جسے دیکھو یہی کہتا ملتا ہے "ٹائم ہی نہیں مل رہا ہے۔" جدھر دیکھو آدمی بھاگتا نظر آتا ہے۔ عجیب انتشار دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس تمام تگ و دو اور عجلت کے باوجود آدمی کو وقت نہیں میسر آرہا ہے۔ مطالعہ تو دور کی بات ہے، ورزش کے لیے آدمی وقت نہیں نکال پا رہا ہے۔

وہ لوگ جو تمام تر مصروفیت کے بعد بھی وقت کی کمی کا مسئلہ حل کرلیتے ہیں، وہ عام شخصیت نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ کوئی ایک دن کا نہیں ہوتا کہ حل کرلیا۔ یہ تو پوری عمر کا معاملہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے آدمی میں ایک خصوصی جوہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ شخصیت جو Organised ہوتی ہیں انہیں اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوتی کہ جناب ٹائم ہی نہیں مل رہا ہے۔

اس ضمن میں سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ آخر وہ کیا اسباب ہیں، جن کے باعث ہمیں وقت نہیں ملتا یا وقت ضائع ہوجاتا ہے۔

یہاں سب سے پہلے نمبر پر جو چیز نظر آتی ہیں وہ ہے آدمی میں موجود "بے ترتیبی۔"

بے ترتیبی خواہ اشیا کے حوالے سے ہو یا کاموں کے حوالے سے۔ یہ وقت کی بربادی کا سبب بنتی ہے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا اور شاید خود بھی اس تجربے سے گزرے ہوں گے۔ ہم لوگ اکثر اشیاء مثلاً رومال، عینک، چابیاں، فائلیں وغیرہ سنبھال کر نہیں رکھتے اور جب ان کی ضرورت ہوتی ہے تو ڈھونڈنا شروع کرتے ہیں اور اس تلاش میں ہلکان ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہ ہے وقت کا زیاں۔

اسی طرح یہ لاعلمی بھی وقت برباد کراتی ہے کہ ہمیں کون سے کام پہلے کرنے چاہیے؟ اور کون سے بعد میں؟

اب ایک تیسرا عنصر بھی دیکھیں، جس کی وجہ سے وقت کا زیاں ہوتا ہے۔ یہ ہے وہ عادت کہ آپ ہر کام خود کرنا چاہتے ہیں کیونکہ آپ کو دوسروں کا کام یا تو پسند نہیں ہوتا یا آپ کو اعتماد نہیں ہوتا۔

گویا بے ترتیبی.....

Priorities سے ناواقفیت۔

کام خود کرنے کی عادت۔

یہ تین باتیں وقت کے زیاں کا باعث بنتی ہیں۔ انہیں تینوں سے نمٹنے کی ترکیب دیکھتے ہیں۔

بے ترتیبی کے ضمن میں کوشش کریں کہ ہر چیز کے لیے ایک جگہ کا اصول اپنائیں جو چیز جہاں رکھی جاتی ہے اسے ہر بار استعمال کے بعد وہیں رکھیں۔

دوسری بات اپنی Priorities کا تعین کریں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ طے کیا جائے کون

سا کام پہلے کرنا ہے۔

تیسری بات کی سمت آتے ہیں۔ دوسروں سے کام نہ لینا اور ہر کام خود کرنا اچھی عادتیں نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ آدمی سارے کام خود ہی کرسکے۔ اس کے لیے آپ کو دوسروں پر اعتبار کرنا ہوگا۔ وقت تبھی بچایا جاسکتا ہے۔

اب چند اور باتیں جو وقت بچانے میں کام آسکتی ہیں۔

اپنے کاموں میں دلچسپی لیں۔ جب آپ کسی کام کو دلچسپی سے کرتے ہیں تو وہ جلدی ہوجاتا ہے۔ آپ کو پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ کتنی آسانی سے ہوگیا ہے۔ اس سے وقت بچتا ہے۔ عدم دلچسپی سے جب کام کیا جاتا ہے تو اس کا معیار بھی خراب ہوتا ہے اور اس میں تاخیر اور دیر بھی بہت ہوتی ہے۔

بے شک انسان ایک سماجی جانور ہے اور تعلقات خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر اس کے لیے بھی توازن کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اگر ہم ہر تقریب، ہر محفل میں شرکت کریں گے تو وقت بھی بہت صرف ہوگا۔ اس کے لیے ہمیں غور کرنا ہوگا۔ اسی طرح محافل میں درست وقت پر پہنچنے اور درست وقت پر واپسی کی بھی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس کے لیے آپ کے پاس ایک شیڈول ہونا چاہیے۔

اب ایک اور بات کی سمت ہم آپ کی توجہ مبذول کرائیں گے۔ یہ ہے Dceision Making یعنی فیصلہ کرنے کی حد۔ درست وقت پر درست عمل یا فیصلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ زندگی میں اس کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور لازمی ہوتا ہے کہ ہم اپنے اندر فیصلے کی قوت اور صلاحیت پیدا کریں۔ یہاں اس بات سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے فیصلے درست ہیں یا غلط۔ دراصل یہ معاملہ تجربے کا محتاج ہوتا ہے۔ غلط فیصلے ہی آپ کے اندر درست فیصلے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ تجربہ ہوتا جاتا ہے اور دیوار سیدھی ہوتی جاتی ہے۔

وقت کو بچانے کے لیے آپ کو اپنے روزمرہ کے کاموں کا جائزہ لینا ہوگا۔ اپنے معاملات کو دیکھیے۔ یعنی کتنی دیر تفریح کرتے ہیں، کتنی دیر پڑھتے ہیں، کتنی دیر ٹی وی دیکھتے ہیں، وغیرہ۔

بے شک آج کی زندگی میں معمولات بھی ہمارے لیے از حد اہم ہیں۔ لیکن نکتے کی بات یہ ہے کہ آپ اس میں بھی اعتدال کا اصول اپنائیں۔

موبائل اور انٹرنیٹ پر اگر وقت زیادہ صرف کررہے ہیں تو اسے کم کرکے کسی دوسری مثبت سرگرمی میں لگایا جاسکتا ہے۔

تو یہ تھیں چند باتیں جو وقت بچانے کے ضمن میں کی جاسکتی ہیں۔ تمام صورت آپ کے سامنے ہے۔ بہرحال آپ کو یہی کرنا ہوگا کہ آپ وقت کو بچانے کے لیے کیا روش اختیار کرتے ہیں۔

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

نذیر احمد خان، لیہ سے لکھتے ہیں کہ دائمی نزلہ کا شکار ہوں۔ آئے دن نزلہ رہتا ہے، ناک میں گوشت یا ہڈی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سب چیک اپ کروا چکا ہوں؟

محترم آپ MERCSOL 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

امیر الدین، گجرات سے لکھتے ہیں کہ پروسٹیٹ کا مسئلہ ہے۔ پیشاب کرنے کے بعد میں آتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور کچھ قطرے آبھی جاتے ہیں؟

محترم آپ Conium 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

فریدہ خانم، خانیوال سے لکھتی ہیں کہ جسم پر خشک خارش رہتی ہے، دانے وغیرہ نہیں نکلتے؟

محترمہ آپ Dolicus 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

فرزانہ ندیم، وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ سیلان الرحم کی شکایت ہے۔ اخراج خراشدار ہوتا ہے جہاں لگتا ہے خارش پیدا ہوجاتی ہے؟

محترمہ آپ Kreosot30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

کرم الٰہی، ملتان سے لکھتے ہیں کہ مجھے ہرنیا کا مرض ہے، ڈاکٹر آپریشن کا مشورہ دیتے ہیں۔ ہومیوپیتھی میں بہت سی بیماریوں کا علاج بغیر آپریشن ہوجاتا ہے؟

محترم یہ درست ہے کہ بہت سی بیماریوں کا علاج بغیر آپریشن ہوجاتا ہے مگر ہرنیا کا آپریشن ہی کرالینا چاہیے۔ معمولی آپریشن ہوتا ہے آپ کرالیں، اللہ صحت دے گا۔

ذکیہ سلطانہ، کراچی سے لکھتی ہیں کہ سردی کے موسم میں پیروں کی جلد پھٹتی ہے، بڑی تکلیف ہوتی ہے؟

محترمہ آپ Natrum Carb 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیا کریں۔

نرگس الیاس، جہلم سے لکھتی ہیں کہ میرے دو بچے ہیں، دونوں آپریشن سے ہوئے تھے اس کی وجہ سے پیٹ بڑھ گیا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ Calcium Flour 6x کی پانچ گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور CalciumCarb 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار پی لیا کریں۔

سکندر خان، پشاور سے لکھتے ہیں کہ میں شوگر کا مریض ہوں۔ اس کی وجہ سے بے حد کمزوری ہوگئی ہے، میری ازدواجی زندگی متاثر ہورہی ہے، بہت پریشانی ہے؟

محترم آپ Moschus 3x کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

وریشہ، ارجمند ہزارہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے ہر ماہ نہانے کے بعد شدید لیکوریا کی شکایت ہوتی ہے۔ بہت علاج کرایا مگر فائدہ نہیں ہوتا؟

محترمہ آپ Upione 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔ ہومیوپیتھی میں دوا کا کوئی کورس نہیں ہوتا۔ تکلیف ختم ہونے پر دوا بند کردیں، ان شاءاللہ صحت قائم رہے گی۔

سائمہ، قدرت آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بالوں میں بہت زیادہ خشکی ہے، سفید ہورہے ہیں اور بڑھتے بھی نہیں ہیں؟

محترمہ آپ مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ اپنا پتا مکمل لکھیں اور منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام Hair Grower ضرور لکھ دیں۔ آپ کو دوا گھر پہنچ جائے گی، ان شاءاللہ آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

مستحسن رشید، وزیرآباد سے لکھتے ہیں کہ آپ کے مشورے سے میرا دوست صحت یاب ہوچکا ہے۔ اس لیے میں اپنا مسئلہ بیان کررہا ہوں، برائے مہربانی دوا تجویز کردیں؟

محترم آپ Staphis Garia کے پانچ قطرے آدھا

کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

عائشہ بتول، شاہ کوٹ سے لکھتی ہیں کہ تیزابیت کو آپ کی نیزم فاس سے فائدہ ہے، اس کے علاوہ مجھے ہیپاٹائٹس بھی ہے اور دوسرے مسائل ہیں، سب کے لیے مناسب دوا تجویز کریں؟

محترمہ آپ Chelidonium 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔ ان شاء اللہ تمام مسائل حل ہوں گے۔

م۔ا چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرے مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترمہ آپ Caleiomphos 6x کی چار گولی تین وقت روزانہ لیں اور BariumCarb 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن لیں۔ اس کے علاوہ Chemaphs A30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ لیا کریں۔

قدرت اللہ، چنیوٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ بڑا خراب ہے۔ کسی سے کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ میرے لیے کوئی دوا تجویز کردیں؟

محترم آپ Selenium 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

رخشندہ بتول، کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرے تین بچے ہیں، سب کو دودھ پلایا ہے، میرا سراپا حسن تباہ ہوگیا ہے۔ خدا کے لیے میرا علاج بتائیں کہ قدرتی حُسن بحال ہوجائے؟

محترمہ آپ میرے کلینک سے Breast Beauty منگالیں۔ اس کے استعمال سے ان شاء اللہ قدرتی حُسن بحال ہوگا۔

مرزا قاسم بیگ، کراچی سے لکھتے ہیں کہ میرے دوست نے لندن سے مجھے بتایا کہ اس کے گنجے سر پر بال آگئے ہیں۔ اس نے آپ کا Hair Grower استعمال کیا تھا؟

محترم آپ بھی میرے کلینک سے ہیئر گروور حاصل کرلیں۔ ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

تنویر فاطمہ، اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میں کبھی بھی صحت مند نہیں رہتی، کچھ نہ کچھ چلتا رہتا ہے۔ مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں اگر میرا ابھی مسئلہ حل ہوجائے؟

محترمہ آپ Carboveg 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ قبل طعام پی لیا کریں۔

قمر الدین، سلطان پورہ سے لکھتے ہیں کہ مجھے بادی بواسیر کی شکایت ہے، ہر وقت چبھن رہتی ہے، قبض ہوجائے تو شدت بڑھ جاتی ہے؟

محترم آپ Aesculu ship 3x کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

خورشید حسن سیالوی، راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ عمر 25 سال ہے مگر وزن 80kg ہے، کوئی علاج بتائیں؟

محترم آپ Phytolacca Berry-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

شمشاد بیگ، گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے، کوئی دوا تجویز کریں؟

محترم آپ Calcium Phos 6x کی چار گولی تین مرتبہ روزانہ لیں اور Barium Carb-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن لیں۔ تین ماہ دوا مکمل کرلیں پھر چھوڑ دیں، عمر کے ساتھ قد بڑھتا رہے گا۔

قدرت اللہ، لاہور سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترم آپ Lycopodium 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ لیا کریں۔ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

نسرین اختر، لاہور سے لکھتی ہیں کہ میں ہومیو پیتھی فائنل ایئر کی طالبہ ہوں، آپ کی صحت بڑے شوق سے پڑھتی ہوں کیونکہ آپ ہومیو پیتھی کے بنیادی اصول کے مطابق سنگل ریمیڈی تجویز کرتے ہیں۔ ایک مریضہ کی کیس ہسٹری ارسال ہے، دوا تجویز کردیں؟

محترمہ آپ مریضہ کو Sepia 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلایا کریں۔

نذیراں بی بی، کمالیہ سے لکھتی ہیں کہ انلارجمنٹ آف یوٹرس کی شکایت ہے ڈاکٹر آپریشن تجویز کرتے ہیں؟

محترمہ آپ Sepia 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور LiliumTig 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار لیا کریں۔

رخشندہ ضمیر خان، کراچی سے لکھتی ہیں کہ ایک دوسرے ڈائجسٹ میں بھی اسی طرح کا کالم آتا ہے مگر آپ کی جو بات دل کو لگتی ہے وہ بات نہیں ہے، اس لیے آپ کو تفصیل سے حال لکھ رہی ہوں آپ میرے لیے جواب دیں؟

محترمہ آپ Ledumpal 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

نورین جمیل، سکندر آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے دائمی نزلہ ہے، کبھی ناک سے خون بھی آجاتا ہے؟

محترمہ آپ Meresol 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

طاہرہ منصور، کراچی سے لکھتی ہیں کہ چہرہ مرجھایا ہوا سا رہتا ہے، اس کی شادابی کے لیے بھی کوئی دوا ہے؟

محترمہ آپ Calcium Phos 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار لیا کریں۔

رشید الدین، کمالیہ سے لکھتے ہیں کہ میرے دو بیٹے ہیں۔ عمر 14-16 سال ہے، قد نہیں بڑھ رہا۔ علاج بتائیں؟

محترم آپ CalciumPhos 6x کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BariumCarb کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار پلایا کریں۔ تین ماہ یہ کورس مکمل کرلیں، اس کے بعد عمر کے ساتھ قد بڑھتا رہے گا۔

اریبہ افتخار، ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت زیادہ ہے، اسے کم کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فائٹولا کا دوا لکھی تھی۔ اس سے بہت کم وزن کم ہوا ہے۔ مزید کوئی تیز دوا بتائیں کہ میرا وزن نارمل ہوجائے، لڑکیاں مذاق بناتی ہیں؟

محترمہ آپ Phytolacca Berr-Q کے ساتھ Fucus Ves-Q یعنی دونوں ادویہ کے دس دس قطرے ملا کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

غوثیہ بیگم، جہلم سے لکھتی ہیں کہ بچوں کی پیدائش کے بعد پیٹ بہت بڑا ہوگیا ہے، بہت بُرا لگتا ہے؟

محترمہ آپ Calcium Flour 6x کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار لیں۔

رفیہ سلطانہ، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میں بہت دبلی پتلی ہوں، ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں، گوشت کا نام نہیں ہے؟

محترمہ آپ Alfalfa-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں۔ اچھی غذا کے ساتھ پھل فروٹ کا استعمال جاری رکھیں۔

عالیہ شباب، حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ عمر 17 سال ہے نسوانی حُسن نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں بہت زیادہ احساس کمتری میں مبتلا ہوں؟

محترمہ آپ Sabalseui Ittium-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور میرے کلینک سے Breast Beauty منگالیں۔ ان شاء اللہ قدرتی حُسن بحال ہوگا۔

رشید احمد، گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ کی صحت بڑے شوق سے پڑھتا ہوں، لوگوں کی کامیابی دیکھ کر آج اپنی حالت تحریر کرنے کی ہمت کر رہا ہوں۔ مایوس نہ کریں میرے لیے دوا تجویز کردیں؟

محترم آپ Staphis Garia 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

نسرین چانڈیو، نواب شاہ سے لکھتی ہیں کہ میرے بھائی کے سر کے بال گر چکے ہیں۔ وہ بالکل گنجا ہوگیا ہے اور اب میرے بال بھی تیزی سے گرنے لگے ہیں۔ گچھے کے گچھے سر سے نکل جاتے ہیں؟

محترمہ آپ Phosphorus 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار پی لیا کریں اور میرے کلینک سے ہیئر گرور منگالیں اسے سر پر لگائیں، آپ کے بال گرنے بند ہوں گے اور بھائی کے سر پر بھی دوبارہ گھنے بال پیدا ہوں گے۔ دو بوتل کے لیے 1100 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ آپ کو HairGrower گھر پہنچ جائے گا۔

پھول ان بی بی، سکھر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 85 سال ہے آپ کی صحت پڑھتی ہوں۔ تکلیف ایسی ہے کہ گھر میں کسی کو بتا نہیں سکتی آپ بھی شائع نہ کریں بس علاج بتادیں اور ایک بوڑھی ماں کی دعا لیں؟

محترمہ آپ CalciumPhos 6x کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔ اللہ آپ کو صحت مند رکھے آمین۔

نعیم الدین، وزیر آباد سے لکھتے ہیں کہ چار سال شادی کو ہوگئے ہیں مگر اولاد سے محروم ہوں۔ بیوی کی رپورٹس صحیح ہیں، میرے جراثیم نان ایکٹیو ہیں؟

محترم آپ Damiana-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور Tuberculinum 200 کے پانچ قطرے ایک ماہ میں صرف ایک بار لیں، تین ماہ بعد [illegible] رپورٹ کرائیں اور میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔

نذیر فاطمہ، منڈی بہاء الدین سے لکھتی ہیں کہ میرے کان سے مواد بہتا رہتا ہے۔ کسی علاج سے فائدہ نہیں ہوتا؟

محترمہ آپ Tellonium 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیا کریں۔

قمر الاسلام، پاک پتن سے لکھتے ہیں کہ میری بیماری ظاہر کیے بغیر علاج تجویز فرمائیں؟

محترم آپ CalciumCarb 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ یہ دوا اپنے شہر کے کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے خرید سکتے ہیں۔

فیاض احمد قریشی، ڈوڈیال سے لکھتے ہیں کہ میرے پیروں پر سوجن آجاتی ہے اور پیشاب میں جلن ہوتی ہے۔ میں نے بہت علاج کرائے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا؟

محترم آپ Apismel-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ام حبیبہ، ملتان سے لکھتی ہیں کہ مجھے دائمی سر درد ہے۔ حکیم، ڈاکٹر کوئی نہیں چھوڑا، سر درد نہیں جاتا۔ ٹیسٹ کرنے کوئی وجہ سامنے نہیں آتی؟

محترمہ آپ Usema Barb 3x کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں، ان شاء اللہ مکمل شفا حاصل ہوگی۔

جمیل الدین، لاہور سے لکھتے ہیں کہ میرا مرض ظاہر کیے بغیر کوئی مناسب علاج بتائیں؟

محترم آپ China-3x کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں۔

معائنہ و باقاعدہ علاج کے لیے تشریف لائیں۔

صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے۔ فون 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان 5-C، KDA فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 نارتھ کراچی۔

خط لکھنے کا پتا: آپ کی صحت، ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

کوکو بسکٹ

اجزاء:

کھوپرا	ایک پاؤ
گھی	ایک چمچ
چینی	ڈیڑھ کپ
انڈا	ایک عدد
بیکنگ پاؤڈر	ایک چمچ

ترکیب:

گھی کو پلیٹ میں گرم کرکے فریج میں رکھ دیں۔ چینی کو پیس لیں، اس کے بعد کھوپرے میں گھی، چینی، بیکنگ پاؤڈر، سرخ رنگ ایک چمچ اور انڈا اچھی طرح مکس کرلیں اور اچھی طرح مکس کریں پھر چھوٹے چھوٹے پیڑے بنائیں اور اسٹیل کی پلیٹ میں گھی لگا کر اس میں رکھیں۔ کوکر میں آٹے والی چھلنی رکھ کر پلیٹ اس کے اوپر رکھ دیں۔ کوکر کو بند کریں اور تیز آنچ پر پندرہ منٹ کے لیے رکھیں پھر نکال کر پلیٹ میں ڈالیں۔ مزیدار کوکو بسکٹ تیار ہیں چائے کے ساتھ سرو کریں۔

سمیرا..... ہرل

مزیدار چکن برگر

اشیاء:

مرغی (بغیر ہڈی کی)	ایک پاؤ
انڈا	ایک عدد
پیاز	ایک عدد
سرکہ	کھانے کے تین چمچ
سویا ساس	کھانے کے تین چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سفید زیرہ پاؤڈر	چائے کا آدھا چمچ
ثابت لال مرچ	آٹھ عدد
ثابت کالی مرچ	آٹھ سے دس عدد
ہری مرچیں	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)
سلاد کے پتے	حسب ضرورت
بند گوبھی	ایک پیالی
مایونیز	کھانے کے چار چمچ
کیچپ	کھانے کے چار چمچ
برگر بن	ایک عدد

ترکیب:

مرغی کو دھو کے موٹا قیمہ تیار کرلیں۔ اس کے بعد ثابت لال مرچ اور کالی مرچ بھون کر موٹی موٹی پیس لیں۔ مرغی میں ہری مرچ، سیاہ مرچ، پیاز باریک کاٹ کر نمک، سرکہ، سویا ساس، سفید زیرہ اور انڈا ڈال کر اچھی طرح ملائیں، اس آمیزے کو 20 منٹ فریج میں رکھ دیں۔ اب مایونیز میں کالی مرچ پاؤڈر، نمک، چینی ملائیں اور اس مایونیز میں بند گوبھی ملالیں۔ دس منٹ تک فریج میں رکھ دیں
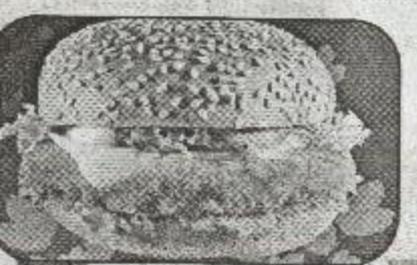
قیمہ فریج سے نکال کر اس کے کباب بنائیں اور ہلکی آنچ پر تلیں۔ برگر بن کو درمیان سے کاٹ لیں اور ہلکا سا تیل ڈال کر سینک لیں۔ پھر اس کے اوپر بند گوبھی والی سلاد لگا دیں۔ اس کے اوپر کباب رکھ دیں اور پر سلاد کا پتا رکھ دیں۔ پھر بن کا دوسرا حصہ لگا دیں، کیچپ اور آلو کے چپس کے ساتھ پیش کریں۔

حرمت ردا اکرم..... ڈلوال

فرائڈ فش ود روزمیری

اشیاء:

مچھلی	چار عدد
لہسن کے جوئے	دس عدد (لمبے لمبے سلائس کاٹ لیں)
فریش روزمیری	دو کھانے کے چمچے
زیتون کا تیل	پانچ کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
لیموں گارنش کے لیے	تین عدد

ترکیب:

مچھلی کو صاف کر کے دھو لیں۔ تیز چھری کی مدد سے دونوں اطراف میں تین تین کٹ لگائیں۔ لہسن کے سلائس مچھلی کے کٹے ہوئے حصوں میں ایک ایک کر کے سیٹ کر دیں۔ اب ایک ڈش میں مچھلیاں سیٹ کر دیں۔ پیالے میں زیتون کا تیل، سرکہ، روزمیری، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ملا کر آمیزہ تیار کر لیں۔ تیار شدہ آمیزے کو مچھلیوں کے اوپر خوب اچھی طرح لگا کر ایک گھنٹے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھیں۔ گرلنگ ٹرے کو ہلکا سا چکنا کر کے چاروں مچھلیاں اس کے اوپر سیٹ کر لیں۔ دونوں طرف سے گرل کر لیں۔ لیموں کی قاشوں سے گارنش کر کے گرم گرم سرو کریں۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

کشمیری بریانی

اشیاء:

چاول	ایک کلو (بھگو دیں)
گھی	ایک پاؤ
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
زیرہ	ایک چٹکی
دہی	آدھا پاؤ
پستہ، چلغوزہ، کھوپرا، مونگ پھلی، اخروٹ	سب ملا کر سو گرام
سیب	آدھا کلو
بادام	سو گرام چھلے ہوئے
پیاز	دو کپ (باریک کٹی ہوئی)
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

گھی گرم کر کے پیاز باریک کاٹ کر سنہری تل لیں۔ ادرک، لہسن، زیرہ ڈال کر معمولی تلیں۔ بعد ازاں اس میں زیرہ، دہی، میوہ جات، نمک اور پانی ڈال لیں۔ اُبال آنے پر بھیگے ہوئے چاول ڈال دیں۔ چاول ایک کنی گل جائیں تو سیب چھیل کر باریک کاٹ کر ڈال دیں۔ بادام بھی تل کر ڈال دیں اور دم پر رکھ دیں۔

سمیرا اشتیاق ملک..... اسلام آباد

چنے کی دال اور قیمے کی قبولی

اجزاء:

قیمہ (ہاتھ کا پسا ہوا)	ایک کلو
چاول باسمتی (دھو کر پندرہ منٹ بھگو دیں)	ایک کلو
چنے کی دال (اُبلی ہوئی)	ایک پیالی
دہی	ایک پیالی
لال مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ	تین عدد
سفید سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی)	چار عدد (درمیانی)
زردے کا رنگ	چٹکی بھر
ادرک لہسن (پیسٹ)	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پودینہ (باریک کٹا)	ڈیڑھ پیالی
لیموں	چار عدد
سیاہ زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	ڈیڑھ پیالی
گرم دودھ	ایک پیالی

ترکیب:

سب سے پہلے ایک دیگچی میں قیمہ، ادرک، لہسن، نمک، مرچ، ہلدی اور دو کھانے کے چمچے تیل ڈال کر بغیر پانی ڈالے بھون کر قیمہ اُتار لیں۔ اُبلی ہوئی دال میں دہی، پودینہ (آدھا)، ہری مرچ کٹی ہوئی اور دو لیموں کا عرق ملا دیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے پیاز گولڈن کر لیں۔ جب پیاز گولڈن براؤن ہو جائے تو اخبار پر پھیلا دیں تاکہ خستہ ہو جائے۔

ایک بڑی دیگچی میں چاول اُبال لیں۔ پانی میں چند پودینے کے پتے، ثابت ہری مرچ، سیاہ زیرہ، سرکہ اور نمک ڈال دیں۔ جب چاول دو کنی اُبل جائیں تو پانی نکال کر ایک چھلنی میں رکھ دیں۔ اب تینوں چیزیں تیار ہیں۔ چاول والی دیگچی میں نیچے ذرا سی چکنائی لگا کر چاولوں کی ایک تہہ لگائیں، اس کے اوپر قیمے کی تہہ پھر دال کی تہہ اور تھوڑی سی پیاز ہاتھ سے چُور کر ڈالیں۔ سب سے اوپر چاول اور گرم دودھ میں زردے کا رنگ ملا کر ڈال دیں۔ بچی ہوئی تلی ہوئی پیاز اور دو لیموں کا رس ڈال دیں۔ ڈھکن سے ڈھانپ کر توے کے اوپر پانچ منٹ کے لیے تیز آنچ پر رکھ دیں پھر آنچ ہلکی کر دیں۔ جب بھاپ اوپر آ جائے تو چولہے سے اُتار لیں۔ مزے دار قیمہ قبولی تیار ہے۔ دہی کے رائتے کے ساتھ کھائیں۔

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

جلد اور اس کی حفاظت

جلد خواہ اچھی ہو یا بری اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ جلد کی خصوصیات اور مسائل کیا ہیں اور آپ نے کس قدر

توجہ مبذول کی ہے اور کتنی احتیاط اس کے لیے برتی ہے۔
جلد تو متواتر اپنے آپ کو جوان بناتی اور پرانے خلیوں سے نجات حاصل کرتی رہتی ہے۔ طویل المیعاد دیکھ بھال اور اچھی عادات جلد کی بہتری کا باعث ہوتی ہے۔ تباہ کن اور نقصان پہنچانے والی طرز زندگی (مثلاً کثرت سے شراب نوشی، غیر محدود سگریٹ، ناکافی نیند، خراب غذا اور ناموافق ماحول) جلد کی خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ جس کے اثرات اکثر چہرہ پر نمایاں ہو جاتے ہیں اور پیچیدہ جلد کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان مسائل میں جلد کا غیر معمولی رنگ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

جلد کا رنگ

جلد کا قدرتی رنگ اور صحت مندرجہ ذیل امور کے مجموعہ کا نام ہے۔

(الف) بلا رکاوٹ، کافی اور صحت مند خون کی گردش
(ب) بائیو کیمیاوی مادے جو جسم کے نظام میں پائے جاتے ہیں (مثلاً معدنیات، لوہا اور سبزیوں سے حاصل کردہ پیلے رنگ جیسے وٹامنز)۔
(ج) تخلیق شدہ جسمانی رنگ جو جلد کو بھورا رنگ فراہم کرتا ہے۔

ایک صحت مند اور گلاب جیسی جلد کے رنگ سے کافی خون کی فراہمی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جلد سرخ اور دھبے دار نظر آئے گی۔ جب سست اور ناکافی خون کی سپلائی عروق شعریہ میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ جو شریانوں کو وریدوں کو ملاتی ہے۔ سرخ خون کے خلیوں کی کمی کے باعث جلد زرد نظر آتی ہے جیسا کہ خون کی کمی کے مریضوں میں ہوتی ہے یا اس کے برعکس ان کی زیادتی سے جلد کی رنگت سرخی مائل ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ خون کے جسیموں کی کثرت کے باعث ہوا کرتا ہے اگر کسی ایک گروپ والے وٹامنز کا بہت زیادہ استعمال کیا جائے مثلاً تانبے کا یا گاجروں میں پائے جانے والے رنگ کا تو جلد عارضی طور پر بھی زرد ہو جاتی ہے۔ جگر کے فعل کی خرابی اور پت یا صفرا کے باعث بھی جلد زرد رنگ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ یرقان کے مریض میں ہوتا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ جن کا ذکر کیا گیا۔ جلد کی رنگت میں تبدیلی قدرتی ہوا کرتی ہے۔ موروثی جلد کا رنگ بنی نوع انسان کی مختلف نسلوں میں جلد کے مختلف رنگ و روپ کا باعث ہوا کرتا ہے۔

انوکھے رنگ کے خلیے

جلد کے رنگ کا ارتکاز تخلیقی طور پر فعال ہوتا ہے اور رنگ کے خلیوں سے جن کو "میلانو سائٹس" کہا جاتا ہے۔ باقاعدہ بنتا ہے۔ یہ خلیے جلد کی بنیادی سطح میں فروغ پاتے ہیں۔ ابتدائی مرحلہ میں یہ خلیے دوسرے خلیوں سے مشابہ ہونے کے ساتھ ساتھ گول اور چپٹے ہوتے ہیں اور ان کے درمیان میں ایک کالا یا نشان ہوتا ہے۔ ان خلیوں میں رنگ کی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ خلیے کھوکھلے نلی دار بازوؤں کی شاخیں اگانا شروع کر دیتے ہیں۔ جن کو "ڈینڈ رائٹس" کہا جاتا ہے۔ "میلانو سائٹس" یا رنگ کے خلیے ہر روز صرف خوردبین سے دیکھے جانے والے دانے پیدا کرتے ہیں۔ جن کو "میلانو سومس" کہا جاتا ہے۔ جو ایک ساتھ بڑھنے کے ساتھ سیاہ رنگ بناتے ہیں۔ کھوکھلی نلی دار بازوؤں کی شاخیں استعمال کرتے ہوئے جو طرفین کی جانب باہر نکل آتی ہیں۔ رنگ کے خلیے سیاہ رنگ کی پیداوار کو آس پاس کی جلد کے خلیوں میں منتقل کر دیتے ہیں جن کو "کریٹیو سائٹس" کہتے ہیں۔ منتقلی کی رفتار یا شرح جلد کے خلیوں کی تجدید کی شرح دھوپ لگنے، بنفشی شعاعیں لگنے، کیمیاوی اتصال، جلد کے ناقص عمل اور صحت کے نقائص کے مطابق ہوتی ہے۔ سیاہ رنگ کی منتقلی ایک وقت میں ایک ہی مادہ میں نہیں ہوتی، بلکہ سیاہ رنگ بڑی مقدار میں آس پاس کی جلد کے خلیوں "کیریٹیو سائٹس" کے مادہ میں داخل ہو جاتا ہے اور مرکزی حصہ کے اوپری حصہ میں جمع ہو جاتا ہے۔ جب آس پاس کے خلیے بنیادی سطح سے جلد کی کھال کی اوپری سطح کی جانب حرکت کرتے ہیں تو وہ سیاہ رنگ کو بڑی مقدار میں جذب کر لیتے ہیں۔ سیاہ فام نسلوں کی جلد میں آس پاس کے خلیے سیاہ رنگ کو جذب نہیں کرتے اور نہ تباہ کرتے ہیں۔ سیاہ رنگ والے شخص کے آس پاس کے خلیے سیاہ رنگ کو برقرار رکھتے ہیں اور اسے نوکدار سطحوں تک لے جاتے ہیں۔

سیاہ رنگ کا راز

میلانن (سیاہ رنگ) کا لفظ یونانی زبان کے لفظ "میلا ناس" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی سیاہ کے ہیں۔ درحقیقت ایک جسمانی عام جلد میں صرف سیاہ رنگ ہی نہیں پایا جاتا ہے۔ درحقیقت انسانی جلد میں پانچ رنگ پائے جاتے ہیں۔

الف۔ میلانن (سیاہ رنگ) جو میلانن سومس سے پیدا ہوتا ہے۔
ب۔ میلا نائیڈ جو میلا نائن (سیاہ رنگ) کا بچا ہوا حصہ ہوتا ہے۔
ج۔ ہیموگلوبن، یہ ہیموگلوبن اور آکسیجن کا مجموعہ ہوتا ہے۔

ان تمام رنگوں میں میلانن (سیاہ رنگ) سب سے زیادہ اہم ہے۔ میلانن ایک عضویاتی رنگ ہے۔ جس کا ڈھانچہ یا ساخت انتہائی پیچیدہ ہے۔ میلانن کا بائیو مرکب ایک پروٹین کا عمل ہے اور سالماتی امینو ایسڈ ٹائروسین شامل ہوتی ہے۔ "ٹائروسینز" پروٹین جس میں تانبا شامل ہوتا ہے اور سالماتی آکسیجن شامل ہوتی ہے آکسیجن کی موجودگی "ٹائروسینز" ٹائروزائن کو آکسیجن سے مرکب کر کے "ڈوپا" بنا دیتی ہے۔ جو امینو ایسڈ (امینو گروپ کا تیزاب) ہے اور جو بائیو کیمیاوی تبدیلی کے ذریعہ اور پروٹین ڈوپا کو استعمال کرتے ہوئے سیاہ رنگ (امیلانن) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس عمل پر کئی عناصر سے اثر پڑ سکتا ہے۔ مثلاً درجہ حرارت کی تبدیلی سے کچھ وٹامنز اور معدنیات مثلاً وٹامن اے بی سی کے غذائی متبادل اجزاء کی مقدار سے تانبا، جست اور بھاری دھاتیں مثلاً زہر یا سنکھیا، پھول کا سی اور پارا ہے۔
اندرونی طور پر مادہ خارج کرنے والا نظام رنگ کے خلیوں کو باقاعدہ بنانے میں عام طور پر فعال کردار ادا کرتا ہے۔ صحت اور بیماری کی حالت میں بھی وہ ایسا ہے۔ بلغمی غدود کئی ہارمونوں کا لازمی ذریعہ ہے۔ یہ غدود بھیجے کے نیچے اور کھوپڑی کے مقابل، بیچ میں آنکھوں کے پیچھے ہوتا ہے۔ دو بار... موز جو رنگ کے خلیوں کو ترغیب دیتے ہیں یا متحرک کرتے ہیں وہ ایم ایس ایچ اور اے سی ٹی ایچ ہیں۔ یہ دو ہارمون کیمیاوی طور پر ایک جیسے ہیں۔ ایم ایس ایچ میں اضافہ گہرے رنگ کے باعث ہوتا ہے۔ ایم ایس ایچ کے ساتھ آلودہ ہو کر ہارمون اے سی ٹی ایچ بھی کچھ رنگوں کو پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ اے سی ٹی ایچ گردہ کی جھلی ... کھال کو تقویت دیتا ہے۔ گردوں کے ناکافی عمل سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

غزل

دشت میں دیپ جلاؤ گے چلے جاؤ گے!
تم نئے خواب دکھاؤ گے چلے جاؤ گے!
اب تو میں یہ سانس مرضی سے بھی لے لیتی ہوں
اس کو دشوار بناؤ گے چلے جاؤ گے
تم وفا سارے زمانے سے نبھاؤ گے مگر
اک فقط مجھ کو رلاؤ گے چلے جاؤ گے
آج تو جان ہوں، دھڑکن ہوں، صدا ہوں تیری
کل میرا نام بھلاؤ گے چلے جاؤ گے
تم کیا جانو یہ سفر آبلہ پائی کا ہے کیا؟
تم تو بس ہاتھ چھڑاؤ گے چلے جاؤ گے
مجھ کو اب خود پہ نہیں، تم پہ ترس آتا ہے!
تم وفا کس سے یہ پاؤ گے، چلے جاؤ گے
ہے یقین مجھ کو میری لحد پہ آکر اک روز!
چار آنسو تو بہاؤ گے، چلے جاؤ گے

(نازیہ کنول نازی)

وہ لمحے

وہ دن وہ راتیں
وہ ہماری انجھی سی باتیں
ان ہی باتوں میں ایسی بات کہہ دینا
جس کا کوئی معنی نہ ہوا
بڑی بڑی باتیں چٹکیوں میں اڑا دینا
کسی کو شریک نہ کرنا
خود رونا خود ہی ہنسنا
کہاں گئے وہ دن، کہاں گئیں وہ راتیں؟
وہ ہماری اپنی بے معنی باتیں!
کسی کو نہ بتانا، نہ کسی سے پوچھنا
شاید یا یقیناً وہی لمحے
ہاں! وہی لمحے کامیاب تھے!

(مہوش ناز...... کھلابٹ، ہری پور)

چلو یوں ہی سہی جاناں!

مجھے کہتے ہیں وہ اکثر
کہ سب کچھ بھول جاؤ تم
وہ وعدے جو کیے تم سے
وہ باتیں جو کہیں تم سے
وہ رسمیں ساتھ جینے کی
وہ قسمیں ساتھ مرنے کی
وہ نظریں بولتی تھیں جو
کہ تم ہی میرا سب کچھ ہو
وہ نظریں بھول جاؤ تم
نہیں وہ جانتا لیکن
وہ باتیں نقش ہیں دل پر
وہ نظریں ثبت ہیں دل پر
وہ وعدے اور وہ قسمیں
میرے سانسوں کی ڈوری سے
بندھی ہیں آج بھی جاناں!
جو حاصل زندگی کا ہے
وہ باتیں کیسے بھولیں ہم
مگر وہ پھر بھی کہتے ہیں
کہ سب کچھ بھول جاؤ تم
چلو یوں ہی سہی جاناں!
اگر یہ چاہ تمہاری ہے
تو سب کچھ بھول جائیں گے
وہ نظریں، وہ وعدے اور قسمیں
بھول جائیں گے اگر تم کہتے ہو
کہ سب کچھ بھول جاؤ تم
تو پھر ہم بھول جائیں گے
چلو یوں ہی سہی جاناں!

سدرہ شاہین...... پیرووال

غزل

نکلیں گے جو احباب کفن باندھ کے سر سے
تاریخ نئی ہوگی رقم خونِ جگر سے
گھر لوٹ کے آئے ہیں پرندے جو سفر سے
بربادیوں کو دیکھتے ہیں دیدۂ تر سے
سب مصلحتِ وقت سے خاموش ہیں ورنہ
چھپتی ہے حقیقت بھی کہیں اہلِ نظر سے؟
یا رب رہیں محفوظ مرے جیب و گریباں
پھر وحشتِ دل لے کے چلی ہے مجھے گھر سے
سنتا ہوں فسانہ بھی تو لگتا ہے حقیقت
چند اشک ٹپک جاتے ہیں پھر دیدۂ تر سے
ہر موڑ پہ احساسِ زیاں اور ہوا ہے
محفوظ رہے کب غمِ دوراں کے اثر سے
ڈرتا ہوں نہ ہوں گھات میں تیر مرے دشمن
ہر روز گزرتا ہوں نئی راہ گزر سے

قمر رضوی...... کراچی

غزل

جب سے اترے ہیں عذاب آنکھوں میں
تب سے جلنے لگے ہیں خواب آنکھوں میں
وجہ بربادی پوچھنے والو دیکھ لو تم بھی
ہم لیے پھرتے ہیں جواب آنکھوں میں
نہ گلہ ہے کسی سے، نہ ہی شکوہ مقدر سے
ہم تو فنا ہوئے ہیں ان نایاب آنکھوں میں
وہ بات ہماری نہ سمجھ پائیں تو پھر گلہ کیسا!
قفل ہے زباں پہ اور اک حجاب آنکھوں میں
ذکرِ امید ہم لائیں تو کہاں سے اے دوست!
بھر دیے ہیں اس نے کانٹے گلاب آنکھوں میں
جھکا ہے ہمارا سر تو جھکا ہی رہنے دو سارہ
اٹھی جو نظر تو پاؤ گے سبھی عتاب آنکھوں میں

سارہ ملک...... بوچھال کلاں کلر کہار

سمجھوتا

سنو اے لڑکی!
زندگی کے اس سفر میں
جیون کی رہ گزر پہ
حیات کے رستے میں
تمہیں کچھ تو ملا ہوگا؟
تو پھر تم کیوں اداس ہو؟
سنو اے لڑکی!
جب بن مانگے اتنی ساری سوغاتیں مل جائیں
تو پھر کسی اور چیز کی طلب کیسی؟
ان غموں کے ساتھ
ان اذیتوں کے ساتھ
ان آزمائشوں کے ساتھ
ان محرومیوں کے ساتھ
سمجھوتا کر لو

مسز نگہت غفار...... کراچی

غزل

آشیاں میرا جل نہ جائے کہیں
درد شعلوں میں ڈھل نہ جائے کہیں
آج وعدہ کیا ہے پھر اس نے
آج سنگ دل بدل نہ جائے کہیں
ایک مدت کے بعد دیکھا ہے
دل ہمارا مچل نہ جائے کہیں
ہم اکیلے ہیں راہِ الفت میں
وار ظالم کا چل نہ جائے کہیں
اتنی شدت سے پیار مت کرنا
دم ہمارا نکل نہ جائے کہیں
اب تو دے دو سکون رانا کو
عمر یہ تیری ڈھل نہ جائے کہیں

قدیر رانا...... راولپنڈی

نجم انجم ...... کورنگی، کراچی

قدم قدم پہ ہواؤں سے تعلق رکھنا......!
دوستی کی ڈور پہ دوستی کا آسرا رکھنا
ہماری یادوں کی خوشبو ضرور آئے گی
آپ بس اپنے دل اک دروازہ کھلا رکھنا

سلمیٰ ملک ...... قادر بوراں

میرے پختہ ارادے خود میری تقدیر بدلیں گے
میری قسمت محتاج نہیں، ہاتھوں کی لکیروں کی

ساجدہ زید ...... ویرووالہ چیمہ

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا، کچھ لوگ پہچانے گئے
کیا قیامت ہے کہ خاطر کشتہ شب بھی تھے ہم
صبح بھی آئی تو مجرم ہم ہی گردانے گئے

شہناز شازیہ سیال ...... ضلع خانیوال

وہ آئینہ کہ جس میں منہ دیکھتے تھے تم اپنا
لیے بیٹھا ہے آغوش میں عکس تم اپنا

اسماء اقراء ...... جھنگ

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دے دی
مگر پہلی محبت کا خمارہ یاد رہتا ہے

شائلہ مہر ...... فیصل آباد

نہ جانے کون سی مجبوریوں کا قیدی ہو
وہ ساتھ چھوڑ گیا ہے تو اسے بے وفا نہ ہو

پروین افضل شاہین ...... بہاولنگر

محبت کرنے والوں کی تجارت بھی انوکھی ہے
منافع چھوڑ دیتے ہیں خسارہ بانٹ لیتے ہیں

نازش ناز ...... فیصل آباد

لے کے ساتھ چلے گا کیسے ماضی کو
جو مشکل سے حال اٹھائے پھرتا ہے
سوچ رہا ہوں اس کی قسمت کیا ہوگی
طوطا جس کی فال اٹھائے پھرتا ہے

اے کے ستارہ ...... گگومنڈی

ڈاکٹر کرتا رہا زاہد تقاضا فیس کا
سسکیاں لیتی رہیں بیمار کی مجبوریاں

سمیرا بانو ندیم ...... سلام آباد

لوگ ہر موڑ پہ رک رک کے سنبھلتے کیوں ہیں
اتنا ڈرتے ہیں تو پھر محبت کرتے کیوں ہیں؟
میں نہ کوئی جگنو ہوں، نہ دیا، نہ چاند
پھر روشنی والے میرے نام سے جلتے کیوں ہیں؟

نوشین الطاف ...... نیو راجو بندی باغاں

ہم تو موجود تھے راتوں میں اجالوں کی طرح
لوگ نکلے ہی نہیں ڈھونڈنے والوں کی طرح
ہم دل تو کیا روح میں اتر جاتے
تم نے چاہا ہی نہیں چاہنے والوں کی طرح

فوزیہ کنول ...... گلشن پور

حسرت ہی تھی ہم بھی ہر روز تیری گود میں سر رکھ کر سوتے
صبح اٹھتے تو تیرے چہرے کا نظارہ کرتے

نسیم انجم ...... گلشن پور

کھڑکیوں سے باہر اب کوئی جھانکتا نہیں ہے
درد و غم کسی کا اب کوئی بانٹتا نہیں ہے
بے حسی نے لوگوں کو ایسے باندھ رکھا ہے
جا رہا ہو تو کوئی روکتا نہیں ہے

مسرت نگہت غفار ...... کراچی

محسوس کیا کرے گا وہ اوروں کے درد کو
جس نے خود اپنے آپ سے الفت کبھی نہ کی
چاہا ہے میں نے جس کو بڑی شدتوں کے ساتھ
اس طرح سے اس نے مجھ سے محبت کبھی نہ کی

شاہین گل خٹک ...... ضلع میانوالی مسلم کالونی

اس زندگی کے حسن کی تابندگی نہ پوچھ
جو حادثوں کی دھوپ میں تپ کر نکھر گئی

جویریہ طاہر
yaadgar@aanchal.com.pk

علم کے درجات

سیدنا فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
علم کے پانچ درجات ہیں۔ خاموشی و توجہ سے سننا، جو سنا اسے یاد رکھنا جو سیکھا اس پر عمل کرنا، جو علم حاصل ہوا اسے دوسروں تک پہنچانا۔

زاہد اسلم ...... ڈگری، سندھ

پھول جیسی باتیں

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ مال کے علاوہ آپ دوسروں کو ایسا کیا دیں کہ آپ کو پیسے خرچ کیے بغیر صدقے کا ثواب ملے؟
☆ دعا ☆ علم ☆ مشورہ ☆ مسکراہٹ
☆ مدد ☆ وقت ☆ ترتیب ☆ مشکل وقت میں حوصلہ
☆ نیکی کا حکم ☆ برائی سے روکنا
☆ معاف کرنا ☆ عزت دینا ☆ خوشیوں میں شامل ہونا
☆ تیمارداری کرنا ☆ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا
☆ راستہ دکھانا

عطرویہ سکندر ...... اوکاڑہ

شہادت کی فضیلت

تاریخ اسلام کا عظیم سربراہ قربت کے رشتوں میں ریشم کی طرح نرم تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بھائی زید بن خطاب کی شہادت کے بعد کہا کرتے تھے۔
"بادِ صبا چلتی ہے تو زید کی خوشبو لیے آتی ہے۔ دل کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں اور قرار و سکون لٹ جاتا ہے۔"
متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی کا دردناک مرثیہ لکھا جب اس کی مدینہ آمد پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا۔
"اگر میں تیری طرح شاعر ہوتا تو تیری طرح اپنے بھائی کا دردناک مرثیہ لکھتا۔"
نویرہ نے کہا۔ "امیر المومنین! اگر میرا بھائی اللہ کی راہ میں اس طرح مارا جاتا جیسے آپ کا بھائی شہید ہوا تو مجھے کوئی غم نہ ہوتا اور میں اس کے لیے مرثیہ نہ کہتا۔"
یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا۔ "مجھ سے بہت سے لوگوں نے میرے بھائی کی تعزیت کی مگر تجھ سے بہتر تعزیت کرنے والا میرے پاس کوئی نہ آیا۔"

بشریٰ باجوہ عطاریہ ...... اوکاڑہ

ہاتھ کی لکیروں میں

ہاتھ کی لکیروں میں
کیا تلاش کرتے ہو؟
ان فضول باتوں میں کس لیے الجھتے ہو
جس کو ملنا ہوتا ہے بن لکیر دیکھے ہی
زندگی کے رستوں پر ساتھ ساتھ چلتا ہے
پھر کہاں بچھڑتا ہے
جو نہیں مقدر میں
کب ہمیں وہ ملتا ہے
کب وہ ساتھ چلتا ہے
ہاتھ کی لکیروں میں
کیا تلاش کرتے ہو
(فاخرہ بتول)

مرسلہ: بشریٰ باجوہ عطاریہ ...... اوکاڑہ

اقتباس

اٹکھیلیاں کرتے سیاہ بادل، جھومتی ہوائیں، ان بادلوں کو مرغولوں کی شکل میں اُڑاتی ہوائیں ان ہواؤں میں اڑتے ہوئے طائر، گیت گاتے چہچہاتے ہوئے پرندے موسلا دھار بارش اور ان بارشوں میں بھیگنا، بھیگے ہوئے پیڑوں کی شاخوں کو پکڑ کر شرارت سے ہلانا، گھر کے آنگن میں ناچتے گاتے اور شور مچاتے ہوئے بھیگنا، بارش کے پانی میں کاغذی کشتیاں چلانا اور انہیں دور دور تک تیرتے ہوئے دیکھنا، ٹیرس پر کھڑے ہوکر بارش میں ان ٹھنڈی سرد ہواؤں سے جھومتے درختوں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا اور کہیں دور سے آتی ہوئی کوئل کی آوازیں سننا۔ پھر جب بارش تھمتی ہے تو...... نیلگوں آکاش پر سات رنگوں کی قوس قزح کو دیکھنا اور قدرت کے ان رنگوں کو اپنی نگاہوں میں سمونا کتنا دلفریب لگتا ہے۔ فطرت کے ان نظاروں کو دیکھنا کتنا اچھا اور پیارا لگتا ہے۔ مجھے فطرت کے یہ سب حسین رنگ بے حد پسند ہیں۔

کنیز فاطمہ...... ستیانہ بنگلہ، فیصل آباد

سنہری باتیں

☆سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو اس کے کرنے والے کی نظر میں چھوٹا ہو۔ (حضور اکرم ﷺ)

☆یہ ضروری نہیں کہ جو خوب صورت ہو وہ نیک سیرت بھی ہو، کام کی چیز اندر ہوتی ہے باہر نہیں۔ (شیخ سعدیؒ)

☆جس طرح محبت کا کوئی وقت، معیار اور موسم نہیں۔ اسی طرح حسد اور نفرت کے لیے بھی شرط اور معیار مقرر نہیں۔ (اختر عباس)

☆اگر انسان بننا چاہتے ہو تو ساری انسانیت کا احترام کرو۔ (علامہ اقبالؒ)

ثناء شفیق...... تاجک (اٹک)

بے چارے مرد

❁اگر عورت پر ہاتھ اٹھائے تو ظالم اور پٹ جائے تو بزدل۔

❁عورت کے آگے چلے تو فرعون پیچھے چلے تو جورو کا غلام۔

❁عورت کو کسی کے ساتھ دیکھ کے لڑے تو حاسد اور چپ رہے تو بے غیرت۔

❁گھر سے باہر رہے تو آوارہ اور گھر میں رہے تو ناکارہ۔

❁بچوں کو ڈانٹے تو ظالم نہ ڈانٹے تو بے پروا۔

❁عورت کو نوکری سے روکے تو شکی، نہ روکے تو عورت کی کمائی کھانے والا۔

درخشاں بی...... چونالہ

اقوال مفکرین

❁چیزیں تبدیل نہیں ہوتیں، ہم تبدیل ہوجاتے ہیں۔ (تھورو)

❁میری زندگی میں حسد کسی کے لیے نہیں اور محبت سب کے لیے۔ (لنکن)

❁ہمارے بچے ہمارے باپ ہیں۔ (ورڈز ورتھ)

❁خیر و شر کا احساس یعنی ضمیر ہر انسان کی طرف سے خداداد ہوتا ہے۔ (سویڈن برگ)

❁بزدل انسان زندگی میں کئی بار مرتا ہے جب کہ بہادر انسان موت کا ذائقہ صرف ایک بار چکھتا ہے۔ (شیکسپیئر)

❁قسمت ہمیشہ خود اعتماد لوگوں کا ساتھ دیتی ہے۔ (ورجل)

❁بے وقوف انسان کا دل منہ میں جب کہ عقل مند انسان کا دل اس کے منہ کے اندر ہوتا ہے۔ (فرینکلن)

حرمت ردا اکرم...... ڈلوال

خاموشی

❁خاموش رہنا بھی کبھی کبھی سوال بن جاتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ خاموشی ہے ہی سوال تو غلط نہ ہوگا۔ خاموشی جہاں دوسروں کے لیے سوال بن جاتی ہے، وہاں آپ کے لیے اس سوال کا جواب جو کوئی دوسرا فرد آپ کو نہیں دے سکتا۔ خاموشی تنہائی آپ کو وقت دیتی ہے خود کو جاننے پہچاننے کا۔ جہاں یہ آپ کا تعلق دوسروں سے توڑ دیتی ہیں۔ وہیں آپ سے آپ کا تعلق بے حد مضبوط بنا دیتی ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ سب سے اپنا تعلق توڑ لو اور خود میں ہی کھوئے رہو یوں تو ایسا ہوگا کہ آپ ہو یا نہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑتا اور کبھی کبھی خاموش رہنا بے وقوفی بھی کہلاتا ہے۔ بولو ضرور پر وہاں جہاں بولنا ضروری ہو، آپ کے لیے اور سب کے لیے۔ اس طرح خاموشی سوال نہیں بلکہ جواب کے روپ میں سوال بن جاتی ہے۔

سحرش رانا...... پنڈی بھٹیاں

اچھی بات

زندگی کی کمپنی چلانے کے لیے تین فیکٹریاں ضرور لگاؤ۔

❁دماغ میں آئس فیکٹری

❁زبان میں شوگر فیکٹری

❁دل میں لو فیکٹری

زینب احسن زینی...... فیصل آباد

آواز

مشہور سائنس دان آئن اسٹائن کا کہنا ہے کہ میں نے ہمیشہ مدلل جواب بچوں سے سنے ہیں۔ ایک روز میں نے ایک پانچ سالہ بچے سے پوچھا۔
”جب پانی اُبلتا ہے تو اس میں سے آواز کیوں آتی ہے؟“
بچہ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بولا۔
”یہ ان جراثیموں کی آوازیں ہوتی ہیں جو پانی کے اُبلنے سے چیختے ہیں اور مر جاتے ہیں۔“

حرمت ردا اکرم...... ڈلوال

دوستی

دو دوستوں کا رشتہ آنکھوں اور پلکوں جیسا ہوتا ہے۔ اگر پلک کچھ دیر نہ جھپکے تو آنکھ رو دیتی ہے اور اگر آنکھ میں کچھ چلا جائے تو پلک تڑپ اٹھتی ہے۔

شمامہ اکرم...... فیصل آباد

خوب صورت بات

ان کو جانا تھا وہ چلے گئے۔ ہم کو کھونا تھا ہم نے کھو دیا۔ فرق تو اتنا تھا اس نے زندگی کا اک پل کھویا اور ہم نے ایک پل میں پوری زندگی کھو دی۔

نازش ناز...... فیصل آباد

مکس مسالہ

فراز یہ کیا ہوگیا ہے
ہر دوست اب کنجوس ہوگیا ہے
کوئی نہیں پوچھتا حالِ دل محسن
لگتا ہے اُن کا ضمیر سوگیا ہے
پہلے تو مس کال دے دیا کرتے تھے غالب
اب لگتا ہے میرا نمبر اُن سے ڈیلیٹ ہوگیا ہے
اب ہر نظم پڑھ کر آئے اگر جواب اقبال
تو سمجھ لینا کہ اس نظم کا ان پہ اثر ہوگیا ہے
اور اگر نہ آئے تو سمجھ لینا وصی
دوست اب تمہارا کسی اور کا ہوگیا

شگفتہ خان ٹونی...... بھلوال

عورت

❁عورت محبت کا دوسرا نام ہے، اللہ نے عورت کی سرشت میں محبت کا پاکیزہ جذبہ شامل کیا ہے۔ اگر

عورت کا وجود نہ ہوتا تو شاید انسان محبت کا مفہوم بھی نہ سمجھ سکتا۔ عورت کی محبت اپنی نزاکت میں پھول کی طرح ہے، جس میں وفا اور ایثار کی مہک ہے تو دوسری طرف اس میں خودداری کے کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ وہ کبھی کلیوں کی طرح نرم و نازک ہوتی ہے تو کبھی چٹان کی طرح مضبوط۔ کبھی بہار کی طرح رنگین اور کبھی خزاں کے زرد پتوں کی طرح پُرنم اور کبھی کہر کی طرح پُراسرار کبھی ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح پُرجوش اور کبھی چودھویں کے چاند کی طرح پُرسکون ہوتی ہے۔

نوشین الطاف ...... نیورا جو پنڈی باغاں

دلچسپ معلومات

❁ لفظ کراٹے کا مطلب ہے خالی ہاتھ۔

❁ بال پوائنٹ کا ابتدائی نام بیرو تھا یہ ہنگری میں ایجاد ہوا۔

❁ دہلی ایشیا کا وہ واحد شہر ہے جو سات مرتبہ اجڑا اور سات مرتبہ بنایا۔

❁ انسانی دماغ میں تقریباً ایک لاکھ خانے ہوتے ہیں۔

❁ کاغذ چین میں دریافت کیا گیا۔

❁ زرافہ واحد جانور ہے جو بول نہیں سکتا۔

❁ کراچی کا دوسرا نام باب الاسلام ہے۔

زویا خان ...... اشرف نگر

کیا آپ جانتے ہیں؟

❁ ۱۷۴۰ء میں روس کے ایک بادشاہ نے برفانی علاقے میں ایک ایسا محل بنوایا تھا جو برف کی سلیں کاٹ کر صرف برف اور برف سے بنوایا گیا تھا۔ یعنی اس کی تعمیر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں صرف برف اور لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

❁ کیا آپ کو معلوم ہے کہ انسانی دماغ میں کتنا پانی ہوتا ہے۔ جی ہاں ماہرین کا کہنا ہے کہ انسانی دماغ میں تقریباً پچاسی فی صد پانی ہوتا ہے۔

❁ یہ حقیقت ہے کہ انسانی خون کا ایک قطرہ نظام دوران خون میں روزانہ تقریباً ایک میل سفر کرتا ہے۔

❁ دنیا میں متواتر جاگتے رہنے کا ریکارڈ انگلستان کے یو آر برنٹ نے قائم کیا۔ وہ متواتر اٹھاون (58) سال جاگتا رہا۔ اس کا انتقال 1965ء میں ہوا تھا۔

❁ جی ہاں! یہ بالکل درست ہے کہ ہندوستان کی ایک عورت نے بال بڑھانے کا سب سے بڑا اور انوکھا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ 1969ء میں اس خاتون کے بال تقریباً 26 فٹ تھے۔

سحرش درویش انصاری ...... جلال پور پیر والہ

اقوال زریں

❁ جاہل کی تواضع عالم کے غرور سے بہتر ہے۔

❁ کتنا خوش قسمت ہے وہ انسان جس کی زندگی کا انجام اس کے آغاز جیسا ہو۔

❁ انسان کا سب سے بڑا بوجھ غصہ ہے۔

❁ قرآن ایک ایسا دریچہ ہے جس سے ہم اگلی دنیا کو دیکھ سکتے ہیں۔

❁ کسی سے نیکی کرتے وقت بدلے کی توقع مت رکھو کیونکہ اچھائی کا بدلہ انسان نہیں خدا دیتا ہے۔

تعبیر جہاں ...... جلالپور پیر والہ

آئینہ

شہلا عامر

aayna@aanchal.com.pk

پروین افضل شاہین' بہاول نگر۔ پیاری باجی شہلا عامر صاحبہ السلام علیکم۔ خیریت موجود خیریت مطلوب۔ مارچ کا اس بار آنچل شاہزے کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے۔ ناولز میں آنگن کی روشنیاں' نئی کونپلیں' کوئی ایسا اہل دل ہو اور چاروں ہی سلسلے بھی فنٹاسٹک جارہے ہیں۔ میرے خطوط آپ آنچل کی زینت کیوں نہیں بناتی ہیں۔

شبانہ گل' ڈی آئی خان۔ آداب عرض! پیارے دوستو! کیسے ہو آپ سب "آنچل" شوق سے پڑھتے ہو اور لکھتے بھی ہو مگر میں یہ کوشش پہلی مرتبہ کررہی ہوں۔ اچھا رسپانس ملا تو شاید میں بھی آپ لوگوں میں شامل ہوجاؤں مگر میں آنچل کی چاہنے والی ہوں پڑھنے والی بھی ہوں اور آپ سب لوگوں کی اتنی لمبی زبانیں سنتی ہوں مگر کچھ بول نہیں سکتی کہ میرا نمبر آپ سے پیچھے کا ہے اور میں بھی آگے آنا چاہتی ہوں آپ لوگوں کے سامنے میں تو نہیں بات کرنے کے لیے اور آپ سب دوستوں کو بھی پتا چلے کہ ہم کسی سے کم نہیں۔ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ فی امان اللہ۔

نبیلہ انجم' عقیلہ شمائل' فیصل آباد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! شہلا آپی اینڈ تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کرام کو ہیر امحبت بھرا اسلام قبول ہو۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے جو نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے ان پر بھی کھول دے اور جو اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں میری سوئٹ سی ماں جیسی فرحت آرا میت اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ سب سے پہلے میں 3 قرآن مجید ایصال ثواب کرتی ہوں فرحت آپا کو آمین۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف جی اس دفعہ آنچل ہمیں کچھ مارچ کو ملا اور ہم آنچل لے کر بیٹھ گئے سب سے پہلے "سرگوشیاں" پڑھیں تو دل ڈوبنے لگا۔ آپی جی کے بغیر تو آنچل ادھورا ہی رہ گیا۔ جی انکل جی نے آنچل کی مدیرہ کے لیے رائے چاہی تھی تو آپ نازی باجی کو ذمہ داری سونپ دیں امید ہے احسن طریقے سے نبھائیں گی۔ اس کے بعد "حمد و نعت" اور شیطان کی حقیقتوں سے فیض یاب ہوئے تھے تو پھر "آئینہ" اور در جواب آں "میں خود کو سلامت پایا شکر ہے کہیں رہتے ہیں ہی ایک منٹ نہیں ہو گیا پھر جلدی سے گئے "یہ چاہتیں یہ شدتیں" جی اگر اب طاہرہ نے اپنی کمی قبول کرلی ہے تو زرش کو بھی چاہیے کہ معاف کردے اور زرش کے بارے میں سمعان اپنے دل میں کوئی بدگمانی پیدا نہ کریں اس کا اب خوشی خوشی اینڈ کرنا اور خود بھی حاضر رہنا کہیں دنیا کی بھیڑ میں گم نہ ہوجانا۔ پلیز جلدی تشریف آوری کرنا انتظار رہے گا اس کے بعد "اور کچھ خواب" پڑھا تو یوں لگا جیسے ناول آج بھی اسی مقام پر کھڑی ہے پلیز اب یہ بھی مکمل کرنے "جان جاں تو جو کہے" زرتاشیہ افراسیاب کے ساتھ ہی اچھی لگے گی کرن اور عادل کو اب جدا نہ کرنا پھر چھلانگ لگائی نازی جی کے پاس شکر ہے عارف کو اس صاعقہ نے بھی اچھی خاصی سزا دی ہے پھر "آنگن کی روشنیاں" پڑھا بڑا مزا آیا۔ زویا جی کو تو سب نے جی بھر کے تنگ کیا باقی سب رومین کے مطابق اچھا جا رہا ہے۔ "آپ کی پسند" غزل میں نازی کو حاضر نہ پا کر بہت افسوس ہوا۔ چلو جیسے آپ کی مرضی' بدولت ہار مان لیتے ہیں۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمام آنچل اسٹاف کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اللہ تعالیٰ آپ کو قدم قدم پر کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ سب قارئین اور آنچل اسٹاف پاکستان اور کشمیر کے لیے دعا کیا کریں نجانے کس کی دعا میں اثر ہو اور کشمیر آزاد ہوجائے ایک دفعہ پھر تمام قارئین کرام اور آنچل اسٹاف کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ حافظ۔

شاہین گل خٹک' میانوالی۔ سوئٹ آپی آنچل اسٹاف اور ڈیئر قارئین میری طرف سے محبتوں بھرا اسلام قبول کیجیے۔ 3 مارچ کو آنچل ملا۔ ٹائٹل گرل بالکل اچھی نہیں لگی البتہ اس کی جیولری پسند آئی۔ اس کے بعد جلدی جلدی ایک نظر سارے سلسلے دیکھے کہ کہیں ہمیں جگہ ملی بھی ہے کہ نہیں لیکن ہمیشہ کی طرح مایوسی ہوئی لیکن "امید پر دنیا قائم ہے" کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے پھر حاضری دے رہی ہوں۔ پلیز شہلا آپی اس دفعہ ضرور جگہ دیجیے گا۔ جلدی سے پسندیدہ ناول "یہ چاہتیں یہ شدتیں" پر

تحریریں نظروں کے راستے دل میں اتر گئیں۔ "دانش کدہ" واقعی "دانش کدہ" ہے معلوماتی بہترین تحریر تھی۔ ہمارے آنچل میں نازش خان ام حبیبہ، فرزانہ، سعدیہ اجمل سے مل کر اچھا لگا۔ ان کی باتیں بھی دلچسپ تھیں۔ سعدیہ اجمل کی باتیں تو بہت ہی اچھی لگیں۔ "آئینہ" میں تقریباً سارے خط پڑھ ڈالے بہت ہی زیادہ مشکل سے نظر کا چشمہ لگانے کے باوجود بھی دقت ہو رہی تھی پلیز اتنا باریک نہ لکھا کریں۔ شاہ شفیق، نرجس رانی، مقدس رباب، خالدہ وکیل، سارہ وحید، عقیلہ شائل، شاہ عدنان شاہ، ام مریم ان سب نے آئینے میں قارئین کو بھی مخاطب کیا تھا اب ہمارا فرض بنتا ہے ہم ان کی اس محبت کا جواب دیں۔ آپ سب ان عمروں کے ہوں گے جن کو میں بہنوں اور بچوں کہوں گی آپ سب کو بھی اللہ حامی و ناصر ہو اگر سلام بھیجا ہے تو وعلیکم السلام خیریت پوچھی ہے تو مہربانی اور ہاں رمشا ناز پہلی بار اس محفل میں شرکت کرنے پر خوش آمدید اب آتی رہنا یہ بہت پیار اور اپنائیت سے پُر محفل ہے۔ "دوست کا پیغام آئے" خوب صورت سلسلہ ہے۔ "آپ کی پسند" ثمینہ یعقوب، مقدس رباب، فلک ناز، ارشد ملک ان تمام کی پسند اچھی لگی۔ "یادگار لمحے" میں تمام تحریریں پسند آئیں۔ قسط وار کہانیوں کی اگلی قسط کا انتظار ہے۔ نادیہ فاطمہ کا ناول ام مریم کا ناولٹ اور تحسین انجم اور شازیہ اعجاز کے افسانے اچھے لگے۔ اب اجازت چاہوں گی اس امید کے ساتھ کہ خط شائع ہوگا زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ حاضری یقینی ہے اللہ آپ سب کا حامی و ناصر۔

عاشی، فیصل آباد۔ سلام تمام آنچل اسٹاف اور تمام پڑھنے والوں کو شہلا آپی پلیز ٹائٹل گرل تو اچھی ہونی چاہیے اور سلسلے وار ناول میں سمیرا پلیز اپنا ناول ختم کر دیں کیونکہ اب یہ بور ہو رہا ہے۔ مگر یہ خوشی ہوئی کہ نوریہ شارق کے ساتھ واپس چلی گئی اور اب زرش کو عقل آ رہی ہے تو سمعان کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ عشنا کوثر سردار میاں کو نازنگی سے محبت ہے تو اس کی اتنی زیادہ انسلٹ کیوں کی؟ اور معارج کو بھی اویس سے محبت نہیں تھی تو اس کی زندگی کیوں برباد کی؟ راحت وفا آپ کا ناول پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اب فراسیاب کی شادی زرتاشیہ سے ہوگی اور فرحان سامعہ بھی جدا نہیں ہوں گے وہ پلیز عنادل کی شادی [illegible] سے کریں کیونکہ محبت دل [illegible] محبت کرنی ہے نہیں ہو سکتی اور پلیز اب سارے سلسلے وار ناول ختم کریں کیونکہ بہت لمبے ہو رہے ہیں اور بور بھی ہو سکتے ہیں۔ پلیز آپ نئے سلسلے وار ناول شروع کریں اور ہاں باقی کہانیاں بھی بور تھیں کیونکہ ہر کہانی کو پڑھ کر ایسا لگا [illegible] کی کہانی پڑھ رہی ہیں۔ پلیز آنچل کا معیار پہلے جیسا کریں کیونکہ اب اس کا معیار اچھا نہیں رہا ہے آپ کی مہربانی ہوگی اس [illegible] اور معیاری کہانیاں شائع کریں۔ میں نے آنچل میں اپنا تعارف بھیجا تھا [illegible] شاید پسند نہیں آیا کیونکہ آپ نے شائع نہیں کیا۔ پلیز میرا تعارف ضرور شائع کریں۔ میری طرف سے تمام پاکستانی ٹیم اور قوم کو ورلڈ کپ جیتنے کی بہت بہت مبارک ہو۔ خدا [illegible] ہمیشہ ہر میدان میں کامیاب کرے آمین۔ پلیز میرا خط ضرور شائع کریں اور جواب بھی ضرور دیں۔ اگر کوئی بات بری لگی ہو تو پلیز معاف کریں کیونکہ معاف کرنا اچھی بات ہے اور کسی کی غلطی بتانا اور بھی اچھی بات ہے۔ اس لیے میرا خط ضرور شائع کرنا خدا حافظ۔

طیبہ نذیر، شادیوال گجرات۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیا حال ہے اور سب قاری بہنوں کو میرا خلوص بھرا اسلام۔ آنچل ہر بار کی طرح اب بھی 26 تاریخ کو مل گیا۔ مجھے تو چاروں لڑکیوں کے تعارف پسند آئے۔ "اور کچھ خواب" عشنا جی زبردست جا رہا ہے۔ کیپ اٹ اپ اور "جان جاں تو جو کہے" میں زرتاشیہ کتنی اچھی ہے۔ بالکل اچھا کر رہی ہے۔ "پتھروں کی پلکوں پر" امامہ تھی پاگل ہے۔ اب تو ارسلان کو چھوڑ دے شجاع اتنا اچھا ہے جانے دل سے اپنا لے۔ "آنگن کی روشنیاں" نادیہ فاطمہ رضوی نے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ "کوئی ایسا اہل دل ہو" ام مریم آپ نے تو مجھے پتھرا ہی دیا ہے۔ ویسے ناول اچھا تھا۔ "ستارے بجھا دیئے" شازیہ اعجاز شازی آپ کی بھی اچھی کاوش تھی۔ "آپ کی پسند" میں ثمینہ یعقوب کا انتخاب اچھا لگا۔ "یادگار لمحے" میں شگفتہ خان لونی کا انتخاب اچھا لگا اور اینڈ میں آنچل اسٹاف اور سب قاری بہنوں کو آنچل کی سالگرہ مبارک ہو۔ خدا حافظ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔

مہوش لبنیٰ، شازیہ۔ منڈی بہاؤالدین۔ السلام علیکم! 21 مارچ کی سہانی سہ پہر کو بارش میں بھیگ کر گھر پہنچے تو آنچل دیکھ کر ساری کلفت دور ہو گئی۔ مانا کہ ہم کوئی ایسے ماہر رائٹر یا ناول نگار نہیں کہ الفاظ و تشبیہات کا جادو چلا کر آپ سب کی نگاہ التفات پا سکیں۔ ٹائٹل گرل بس سو سو تھی۔ اشتہارات سے ہوتے ہوئے "حمد و نعت" پر جا رکے اور ایمان تازہ کیا پھر اپنے فیورٹ کپل سمعان اینڈ مسز سمعان کے پاس پہنچے زرش کو اب اپنی ساسو ماں کو بخش دینا چاہیے شارق کے ڈائیلاگز نے کہانی کا مزہ دوبالا کر دیا۔ نازی جی! اب امامہ کو عقل آ جانی چاہیے عبدالصمد مر گیا۔ اچھا ہوا (پہلے ہی ہو جانا چاہیے تھا) "جان جاں تو جو کہے" میں پہلی بار

چھلانگ لگائی۔ واہ جی واہ مزا آ گیا۔ "ویل ڈن" سمیرا شریف طور بہت اچھا لکھا اس ناول میں زرش بالکل میری طرح حساس ہے۔ یعنی بچوں والا مزاج ہے۔ لیکن زرش واپس لاہور چلی گئی اور شارق نے کیا گیم کھیلی یعنی "بیگم کے بدلے بیگم" پلیز اب شارق اور نوریہ کے درمیان تلخیاں ختم کر دیں اور سمعان اور زرش کو بھی ٹھیک کر دیں۔ ناول بہت زبردست رہا۔ راحت وفا نے بھی ناول کو اچھا موڑ دیا ہے اور اچھا ہوا کہ فرحان اور سامعہ جدا ہونے سے بچ گئے۔ زرتاشیہ کا کردار زبردست لگا۔ اس مخلص اور وفادار لڑکی کو اچھا صلہ ملنا چاہیے۔ باقی سلسلہ وار ناول بھی اچھے جا رہے ہیں۔ عشنا کوثر کا "اور کچھ خواب" میں معارج تغلق کا کردار بہت انوکھا اور دلچسپ ہے۔ پل پل بدلتا مزاج سمجھ میں نہیں آتا۔ پلیز پارسا اور یلماز کمال کا سسپنس ختم کریں اور یہ کیا انجیا بیگ کے ساتھ کیا کر دیا؟ "پتھروں کی پلکوں پر" میں پلیز نازی صاحبہ امامہ کی ارسلان حیدر سے جنونی عشق کو کسی کنارے لگائیے۔ ام مریم کا ناول دل کے تاروں کو چھو گیا۔ نادیہ فاطمہ رضوی آفرین ہے۔ لکھنے کا یہ انداز بہت بھایا۔ پلیز اسی طرح مزاح سے بھرپور اور ناول بھی لکھیے گا۔ زیادہ انتظار مت کروایئے گا۔ "تنی کو نہیں" اور شازیہ کا پہلا افسانہ بھی اچھی کوشش تھی۔ "ہمارا آنچل" میں چاروں دوستوں سے ملاقات اچھی رہی۔ آپ کی پسند میں سب بہنوں کا انتخاب اچھا لگا خاص طور پر عشنا محمد نے بہت زبردست لکھا۔ "یادگار لمحے" نے تو لاجواب کر دیا۔ "بیاض دل" میں فوزیہ سلیم، فوزی قیصر عباس اور صائمہ شوکت کے اشعار پسند آئے۔ "بیوٹی گائیڈ" اور "کام کی باتیں" سے استفادہ کرتے ہوئے دوستوں کی محفل "دوست کا پیغام آئے" میں دوستوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ "آپ کی شخصیت" میں اے ایس صدیقی صاحب سے گزارش ہے کہ حسیات انسان کی شخصیت پر بہت اثر انداز ہوتی ہے اس کے بارے میں ضرور تحریر کریں۔ آخر میں آنچل کی سالگرہ کے پرمسرت موقع پر آنچل سے وابستہ تمام لوگوں اور خاص طور پر بیرون ملک دوستوں کو خاص انتخاب آنچل کی سالگرہ مبارک ہو۔ آنچل سدا شاد رہے آباد رہے اور میری پیاری چھوٹی بہن "سنبل" کو بھی 12 اپریل کی سالگرہ مبارک ہو۔ فی امان اللہ۔

زانیہ خٹک، میانوالی مسلم کالونی۔ آنچل کے تمام اسٹاف کو ہمارا خصوصی سلام اور آنچل کو [illegible] رسالہ جیسے ہی ہاتھ لگا۔ چھلانگ لگا کر سلسلے وار ناول "جان جاں تو جو کہے" ویل ڈن راحت جی کہ سامعہ اور فرحان کو آپ نے جدا نہیں کیا۔ اس کے بعد "یہ چاہتیں یہ شدتیں" پڑھا جہاں سمیرا شریف طور نے ہماری امید کے مطابق کہانی کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ ناولٹ میں ام مریم کی کہانی "کوئی ایسا اہل دل ہو" پسند آیا۔ باقی تمام سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔ نیک تمناؤں اور بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہتے ہیں اگلے ماہ تک اللہ حافظ۔

انعم خان، ہزارہ۔ السلام علیکم! شہلا آپی آنچل کی رائٹرز اور تمام بہنوں کو میرا اسلام و دعا۔ اس ماہ کا آنچل یکم مارچ کو ملا۔ ڈائجسٹ کھول کر پڑھا۔ فرحت پھوپو کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ سرورق پر لڑکی اچھی تھی۔ سرگوشیاں سنیں پھر "حمد و نعت" سے دل کو قرار پہنچایا۔ ہمارا آنچل میں چار دوستوں سے ملاقات کی بہت اچھا لگا۔ سلسلہ وار ناول پڑھے ہمیشہ کی طرح پسند آئے۔ تحسین انجم انصاری کو پڑھا وہ مجھے میری کیفیت کی عکاس نظر آئیں۔ فرحت پھوپو کی وفات کے بعد کئی دنوں تک میرا حال بہت عجیب سا تھا۔ میں نے کسی پر ظاہر تو نہ کیا مگر ریشا کی طرح کہانی لکھنے کو دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا بہرحال پھر میں نے بھی ریشا کی طرح سوچا اور دوبارہ سے لکھنے کا فیصلہ کیا۔ ام مریم نے اچھا لکھا۔ نادیہ فاطمہ رضوی تو ہمیشہ سے اچھا لکھتی ہیں۔ ان کے کیا ہی کہنے اور شازیہ اعجاز شازی کو پڑھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ اپنے سوالات کے جواب شمائلہ آپی کی محفل سے وصول کیے۔ آئینہ دیکھنا شروع کیا۔ نرجس کو میرا شعر پسند آیا۔ بے حد شکریہ۔ نرجس آپ کا نام بہت خوب صورت ہے اور سارہ وحید بخاری آپ کو مجھ ناچیز میں لکھنے کی صلاحیت نظر آئی تو جناب بے حد شکریہ آپ کے کزن کے لیے صحت یابی کی دعا۔ اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ حافظ۔

مسز نگہت غفار، کراچی۔ پیاری سی شہلا جی السلام علیکم! مزاج بخیر امید ہے کہ معہ اہل خانہ اور اسٹاف بخیر ہوں گی۔ اس ماہ کو آنچل یعنی مارچ 2011ء کا آنچل خریدا۔ ٹائٹل اچھا لگا۔ محترم مشتاق احمد قریشی کی "سرگوشیاں" میں دل ایک بار پھر فرحت جی کو یاد کر کے اداس ہو گیا۔ لیکن یہ دنیا کی ریت ہے آج فرحت جی تو کل ہماری باری ہے۔ میں نے ایک عرصے بعد دوبارہ آنچل میں لکھنا شروع کیا شاید میری پچھلی تحریریں آپ تک نہیں پہنچیں ورنہ شائع ضرور ہوتی اس سے قبل جنوری میں جو کچھ بھیجا تھا وہ شائع ہو گیا تھا۔ بہرحال ان شاء اللہ تعالیٰ اب دوبارہ ناتا جوڑ لیا ہے۔ تو اب اسے قائم رکھوں گی۔ "حمد و نعت" کی مقدس اور حسین

کوئی فنٹاسٹک سی اسٹوری لے کر آئیں نا۔ "کوئی ایسا اہل دل ہو" ام مریم اچھا لکھا آپ نے مختلف سی اسٹوری ہو تو خود ہی اپنی جگہ آپ بناتی ہے۔ منفرد سی تھی اچھی لگی۔ افسانوں میں دونوں افسانے لاجواب تھے۔ تحسین انجم انصاری یوں لگتا ہے آپ نے میرے دل کی حالت بیان کردی ہو بڑی مشکل سے ہمت جمع کی حوصلے کو مضبوط بنا کے خط لکھ رہی ہوں۔ آنچل کی سالگرہ مبارک ہو۔ "بیاض دل" میں سب کے اشعار اچھے تھے۔ نظمیں غزلیں بھی اچھی تھیں بیوٹی گائیڈ بس ٹھیک ہی تھا اور "یادگار لمحے" میں پلیز ہر بار ایک یا دو احادیث ضرور شامل کیا کریں۔

رمشا ناز میمن۔ حیدر آباد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیسے ہیں آپ سب! امید کرتی ہوں ٹھیک ہوں گے۔ مارچ کا آنچل مجھے 26 فروری کو ہی مل گیا۔ سب سے پہلے "سرگوشیاں" پڑھیں تو بہت خوشی ہوئی کہ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" اگلے ماہ اختتام پذیر ہو جائے گا۔ "سرگوشیاں" کے بعد "انسان قرآن کی روشنی میں" کی طرف آئے پھر ہمارا آنچل میں چار چار تعارف پڑھے۔ سب ہی اچھے تھے۔ کہانیوں میں "نئی کونپلیں" بے حد پسند آئی اور بھی باقی ساری کہانیاں اچھی تھی۔ "آئینہ" میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اسی وجہ سے دوبارہ لکھنے کا حوصلہ ملا۔ شاعری ساری ہی اچھی تھیں۔ میری کوئی فرینڈ نہیں ہے میں چاہتی ہوں آنچل کے توسط بہت ساری فرینڈز بناؤں۔ کیا آپ میں سے کوئی میری فرینڈ بننا پسند کرے گا؟ پلیز جواب ضرور دیجیے گا میں منتظر رہوں گی اب اجازت چاہوں گی آنچل کے لیے بہت ساری دعائیں اپنا خیال رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

گل ناز۔ ملان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آنچل اسٹاف اور تمام قارئین! میں ہوں "گل ناز ملان" اور "آئینہ" میں پہلی مرتبہ شرکت کررہی ہوں۔ امید ہے خوش آمدید کہا جائے گا آنچل سے وابستگی چار سال سے ہے لیکن قلم پہلی بار اٹھایا ہے آنچل میں خط لکھنے کے لیے کچھ کنفیوز ہیں آنچل کے اچھا ہونے کی ایک خوبی یہ ہے کہ نئے آنے والوں کو کھلے دل سے خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ "پہلے" کو پہلی بار ہی جگہ دے دی جاتی ہے سو میں گزارش کرتی ہوں۔ مجھے بھی پلیز پلیز جگہ دے دیں اور آنچل کو اللہ دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ آنچل کے اسٹاف کو ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے آمین۔ آخر میں ایک بار پھر آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ میری تحریر کو ضرور شائع کرنا۔ بس ایک بار میں اپنا نام اور تحریر آنچل میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ یہ میری دیرینہ خواہش ہے۔ جس کو صرف آپ ہی پورا کرسکتے ہیں۔

اسما عطاریہ۔ کراچی۔ السلام علیکم! آنچل کے تمام اسٹاف کو میری طرف سے سلام پیش ہے۔ کیا حال ہیں شہلا آپی؟ شہلا آپی میں آنچل ڈائجسٹ کی دو سال سے خاموش قاری ہوں اور آنچل میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی اور نہ ہی میرے خط کو ردی کی ٹوکری کا حصہ بنائیں گی اور خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے جو آنچل تھا اس کی کہانیاں بہت اچھی ہوتی تھیں لیکن اب جو آنچل آتا ہے اس میں پہلے جیسی کوئی بات نہیں رہی سلسلے وار ناول کا کہوں گی کہ ساری رائٹر کہانیاں اچھی لکھتی ہیں لیکن ان کو بہت سال لگ جاتے ہیں ختم کرنے میں میری جو فیورٹ رائٹر ہیں سمیرا حمید، نازیہ کنول نازی، سباس گل، عشنا کوثر سردار۔ عشنا جی کہانی میں الفاظ بہت ہی استعمال کرتی ہیں ان کی کہانی "اور کچھ خواب" بالکل فلموں کی طرح ہے ایسا حقیقت میں تو بالکل بھی نہیں ہوتا ہوگا۔ نازی کے ناول "پتھروں کی پلکوں پر" میں کردار اتنے ہیں کہ مجھے یاد ہی نہیں رہتا کس کی کیا کہانی ہے۔ سب سے زبردست جو ناول ہے وہ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" ہے۔ سمیرا جی! واہ کیا بات ہے آپ کی بہت اچھا لکھتی ہیں آپ۔ اب تک کے لیے بس یہی خدا آنچل کو اور ترقی عطا فرمائے آمین۔ پلیز پلیز پلیز۔ میرا خط ضرور شائع کیجیے گا۔

آسرا گل چوہدری۔ نامعلوم۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف امید ہے کہ آپ سب بخیریت ہوں گے۔ میرا نام آسرا گل چوہدری ہے۔ میں گاؤں تربیلا ڈیم غازی کی رہائشی ہوں آپ کا ماہنامہ "آنچل" عرصے سے پڑھ رہی ہوں آج پہلی بار اپنی نگارشات کے ساتھ حاضر ہوں۔ ایک غزل میری اپنی ہے اور ایک میری پسند ہے آپ ان دونوں کو شامل کرکے شکریہ کا موقع دیں۔ پلیز پلیز میرا دل مت توڑیے گا۔ پہلی بار کسی ڈائجسٹ میں کچھ لکھا ہے۔ پلیز ضرور حوصلہ افزائی کیجیے گا اور آنچل کی مدیرہ فرحت آرا کے لیے دل بے حد دکھا ہے خدا پاک ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور آپ سب لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں آمین آخر میں اجازت پھر آنے کے لیے۔ اگر آپ نے حوصلہ افزائی کی تو اللہ حافظ۔

تصویر العین۔ اوکاڑہ۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیا حال ہیں؟ خیریت سے ہیں خدا آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمائے

آمین۔ آنچل کا ٹائٹل ذرا اچھا نہیں لگا۔ "حمد ونعت" بہت اچھی تھیں۔ "سرگوشیاں" میں مشتاق انکل سے گفتگو اچھی رہی۔ "نئی کونپلیں" تحسین انجم انصاری آپ کی یہ تحریر کیا بتاؤں کیا تھی۔ ایسا لگا جلتے دل پر ٹھنڈی پھوار پڑ گئی ہو۔ "آنگن کی روشنیاں" نادیہ فاطمہ رضوی کی لکھی کہانی تھی جو ہمارے اداس چہروں پر مسکراہٹ لے آئی۔ "کوئی ایسا اہل دل ہو" ام مریم! ایک بات تو بتائیں کہ آپ کی ہیروئنوں کو ہمیشہ بڑی عمر کے مرد ہی کیوں اچھے لگتے ہیں؟ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" اپنے اختتام کی جانب جاری ہے اور لگتا ہے زرش اپنے اغوا والے واقعے سے متاثر ہو کر طاہرہ بیگم کو معاف کردے گی اور سمعان کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگے گی۔ ویسے آنچل کا یہ سلسلے وار ناول بہت اچھا تھا بلکہ ہے۔ عشنا کوثر سردار کی ہر کہانی ایک طرح کی ہوتی ہے لیکن ہر ایک کا اپنا مزا اور انداز ہوتا ہے۔ غزلیں اور نظمیں میں غزالہ جلیل راؤ کی "مجھے تم سے محبت ہے" اچھی لگی کیونکہ وہ ہمارے اپنے شہر کی جو ہیں۔ "بیاض دل" میں ثمینہ شیرازی کے اشعار پسند آئے۔ یادگار لمحے میں "تین خوب کہانیاں" شگفتہ خان ٹونی کی اچھی لگی۔ سارہ یہ وحید بخاری پسندیدگی کے لیے شکریہ یہ آپ جیسے دوست ہی ہیں جن کے لیے ہم وقفے وقفے کے بعد آنچل میں انٹری دیتے رہتے ہیں۔ ہم آنچل میں لکھیں نہ لکھیں بے فکر رہیں آنچل سے ہمارا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔

حمیرا نورین۔ سرگودھا۔ پیاری شہلا آنی السلام علیکم! کسی ہیں آپ؟ میں آنچل کی خاموش قاری ہوں لیکن اس مرتبہ میں خط لکھنے پر مجبور ہوگئی ہوں۔ وہ اس لیے کہ پہلے آپ آنچل میں شادی کا حال بھی شامل کرتے تھے لیکن اب کیوں نہیں کررہے؟ پہلی دفعہ کسی ڈائجسٹ میں لکھ رہی ہوں اگر کہیں غلطی ہو جائے تو نظر انداز کردیں اور میرے خط کو ردی کی ٹوکری کی نذر نہ کریں پلیز۔ میں نے اپنا انٹرویو اور اپنے پیاروں کے نام پیغام دوست کا پیغام آئے میں بھیجا ہے کیا شائع ہو جائے گا۔ ضرور بتائیے گا کیونکہ ایک بار پہلے بھی آنچل میں خط بھیجا تھا جو شائع نہیں ہوا۔ پلیز ضرور بتائیے گا ورنہ میں مایوس ہو جاؤں گی۔ والسلام۔

فضا اینڈ سسٹرز۔ گجرات۔ السلام علیکم! خدا سے امید کرتی ہوں کہ آنچل اور آل اسٹاف بالکل ٹھیک اور فٹ فاٹ ہوں گے۔ مارچ کا شمارہ ملتے ہی "در جواب آں" میں اپنا خط شامل دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی آئندہ کے لیے ارادہ کرلیا ہے کہ آنچل سے دوستی پہلے بھی پکی تھی اب تو اور مضبوط ہوگئی ہے میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں! (جی بالکل) خدا سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو آنچل اسٹاف کو دین ودنیا کی برکتیں نصیب فرمائے آمین۔

ہما ایوب شیخ۔ عارف والا۔ السلام علیکم! اہل قارئین اور آنچل اسٹاف۔ کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی امان میں رکھے اور آنچل کو بھی ترقی عطا کرے۔ جس کے ذریعے سے ہم آپ لوگوں سے ہم کلام ہوتے ہیں آمین۔ مارچ کا شمارہ اچھا رہا جس کا کریڈٹ سمیرا شریف طور کو جاتا ہے۔ ناول اختتام پذیر ہوا چاہتا ہے اور جاتا بھی زبردست سمیرا ہماری طرف سے آپ کو Best of Luck دوبارہ کسی اچھے ناول کے ساتھ آئیے گا ہم آپ کو دل سے ویلکم کہتے ہیں۔ راحت وفا نے فرحان اور سامعہ کے ساتھ تو اچھا کردیا اب عادل تانیہ، زرتاشیہ اور افراسیاب کو بھی سیٹ کردیں لیکن باقی آنچل کے ناولز سے ہمیں شکایت ہے زیادہ مزا نہیں آیا۔ ناولز سے فارغ ہو کر سکون سے "شیطان کی حقیقت" کو پڑھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ان تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے آمین۔ اس لیے کہ صرف پڑھنا ہی مقصد نہیں اسے جذب کرنا اور اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ ورنہ فائدہ ایسے علم کا جو نفع نہ دے۔ "نازش خان ام حبیبہ فرزانہ صدیق" سے مل کر اچھا لگا۔ "آپ کی شخصیت" پڑھ کر ہنسی آئی۔ واقعی یہ حقیقت ہے کہ جب فیشن چل پڑتا ہے تو ہم اس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ یہ ہم پر اچھا لگے گا یا نہیں بس فیشن اپنا لیتے ہیں۔ (نقالی ہمارا شعار جو بن گیا ہے اس لیے) "بیاض دل، یادگار لمحے، آئینہ، دوست کا پیغام آئے" سب پڑھا (حالانکہ ہمارے نام کوئی پیغام بھی نہ تھا پھر بھی پڑھ لیا) آپ کی پسند میں سب سے اچھی پسند مقدس رباب کی لگی۔ "شمائلہ کاشف" کے جوابات سے لطف اندوز ہوئے اور "کام کی باتیں" میں سے فوراً جلے سالن کی بو دور کرنے کی ترکیب فوراً حافظے میں جذب کرلی کہ یہ کارنامہ اکثر ہی نادانستگی میں ہم جیسے معصوموں (ہاہاہا) سے سرزد ہو جاتا ہے۔ (معاف کیجیے گا اگر جھوٹ ہضم نہ ہو پائے تو) البتہ لبابہ احمد کو پڑھ کر واقعی مزا آیا۔ چلیں جی رسالہ ختم تبصرہ ختم گیا۔ اجازت دیں تے لوڈ رہ نہیں گئی۔ اللہ حافظ۔

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

dkp@aanchal.com.pk

پیاری دوستوں کے نام

نازیہ جی، عشناء جی، سمیرا جی اینڈ راحت جی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! کیسی ہیں آپ سب؟ حیران تو نہیں ہوں گی ناں کیونکہ آنچل پڑھنے والوں کی کمی نہیں اور آپ تمام کے نام پیغام بھیجنے والوں کی بھی کمی ہے ناں۔ میں رخسانہ اقبال قائد آباد (ضلع خوشاب) بہت مصروف ترین تھی اب نہیں مگر آنچل میں لکھی بہت سی باتوں کو پڑھ کرانے اندر اُتارتی تھی اور بس خوش ہوتی رہتی تھی کہ کیسے ایک آنچل کی طرح آنچل نے سب کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ بات کرنے کا انداز آنچل سے سیکھا اور آپ سب کی باتوں سے۔ مگر اب؟ لگتا ہے الفاظ کھو گئے ہیں، میں کیا تھی؟ کیسی تھی؟ یہ بھی کہانی ہے۔ مگر اب میں تنہا ہوں بس اتنا چاہتی ہوں (سب سے دوستی کی طلب گار ہوں) یہ لفظ بہت عجیب سا لگتا تھا مجھے پہلے۔ اب نہیں کیونکہ اب اس کی اہمیت سمجھ گئی ہوں۔ لگتا ہے زندگی کا مقصد ختم ہوگیا۔ میں نے بہت عروج دیکھا، اپنے خواب پورے ہوتے دیکھے۔ مگر تھے تو خواب ہی نہ ٹوٹ گئے۔ مگر میں ٹوٹنا نہیں چاہتی۔ پلیز میرے پاس پیارے الفاظ اس وقت نہیں ہیں ہاں مگر اتنا کہوں گی۔ کیا آپ اور آنچل کی تمام پڑھنے والی یہ چاہتی ہیں کہ میں اب صرف موت کا انتظار کروں اور بس؟

رخسانہ اقبال..... قائد آباد، ضلع خوشاب

کچھ خاص لوگوں کے نام

السلام علیکم! دوستو، سکھیو سب کیسی ہو؟ امید تو ہے فٹ فاٹ ہوں گی۔ تو اب آتے ہیں اصل بات کی طرف۔ مقدس رباب (رابی)! ہیلو جلدی سے میرا ہاتھ تھام لو (ارے میں گرنے نہیں لگی) بلکہ فرینڈشپ کے لیے۔ اگر میرا ہاتھ نہ پکڑا تو میں زبردستی پکڑ لوں گی اور سمیرا کاجل آپ بھی یہ پیغام اپنے لیے سمجھ لیں کیونکہ آپ سے بھی دوستی کرنی ہے۔ الی جب شانزے (شازی) آپ کا نام بہت پیارا ہے۔ امید ہے آپ بھی ایسی ہوں گی۔ جلدی سے سب سکھیاں جواب دینا۔ پلیز مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔ اپنے بارے میں جلد بتاؤں گی۔ آخر میں سب فرینڈز گرلز کو سلام۔ عظمٰی، فاریہ، زاہدہ اور ناہید آپی شادی مبارک ہو۔ آنے کی کوشش کروں گی۔ ثمینہ، عطیہ کو پیار۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ، رب راکھا۔

زوبیہ بٹ..... جہلم

صدف عمران کے نام

سوسویٹ صدف عمران! مارچ میں تمہاری شادی کی سالگرہ ہے، تو میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ بہت خوش اور زبردست زندگی جیو۔

مسکراتی سدا تیری حیات رہے
تیرے قدموں میں ساری کائنات رہے
کبھی غم نہ آئے زندگی میں تیری
خوشی اور تیرا عمر بھر کا ساتھ رہے

(آمین) کرن، سحرش، سونیا، بختاور، انکل، آنٹی سب کو بہت بہت سلام۔

مریم جبین..... ننکال

پیارے سے بھائی حمیر اور بھابی حنا کے نام

السلام علیکم! مائی بگر برادر حمیر اینڈ لولی، سویٹ اور کیوٹ سی بھابی حنا۔ کیسے ہیں آپ دونوں؟ امید ہے آپ لوگ ٹھیک ہوں گے۔ مارچ میں آپ دونوں کی منگنی کو ایک سال مکمل ہوجائے گا۔ میں نے سوچا کہ آنچل کے ذریعے آپ دونوں کو منگنی کی مبارک باد دے دی جائے۔ کیسا لگا یہ سرپرائز، اچھا تھا نا......؟ میں اللہ تعالیٰ سے آپ دونوں کی خوشیوں، زندگی کی پُرمسرت مسکراہٹوں اور نیک خواہشات کی تکمیل کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا کرتی ہوں۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے (آمین)۔ دعا گو آپ کی اپنی......

ثمانملہ اکرام..... فیصل آباد

سویٹ پیاری اور کیوٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ارے بھئی حیران نہ ہوں، یہ میں ہی ہوں آپ کی دوست اقراء کلثوم۔ میں اپنی دوست سحرش کو کیوں گی، سالگرہ مبارک ہو۔ میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ ارے ہاں بھئی! یاد ہے امبر کی بھی تو سالگرہ ہے۔ تم کو بھی سالگرہ مبارک ہو اور ہاں سوری انیلا جنوری میں تمہاری بھی تو سالگرہ تھی انیلا، امبر، انعم، شائستہ، سحرش، مصورہ، شازیہ کو سلام اور جناب میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں، مس طاہرہ رزاق جی۔ آنچل کے ذریعے میں کہوں گی تم سے، میں تم سے پیار کرتی ہوں اور معافی چاہتی ہوں اپنی ساری غلطیوں کی۔ چھوپو نور فاطمہ جی! کو بھی ڈھیر سا سلام اور میں آپ سے پیار کرتی ہوں۔ ورنہ آپ ناراض ہوجاؤ گی، خدا حافظ اور اپنا خیال رکھنا۔ او ہو اکبر بھائی میرے لاڈلے سویٹ کو بھی سالگرہ مبارک ہو۔

اقراء کلثوم..... سمبڑیال

دوستوں کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے تو باجی بٹ آپ کہاں ہیں؟ پلیز آنچل میں انٹری دیں۔ تمام دوکیپ بھابی آپ بھی آنچل میں کچھ لکھ کر بھیجا کریں۔ اُفشی صابرہ (اوکاڑہ) شادی مبارک۔ پروین افضل شاہین (بہاولنگر) اللہ تعالیٰ آپ کو پھولوں کی طرح ہمیشہ مسکراتا رکھے، آمین۔ حرم نور، کراچی! میں آپ کو اپنی خوب صورت مسکراہٹ دیتی ہوں پلیز قبول کریں۔ ہما احمد، رابعہ اکرام (فیصل آباد) آپ آنچل کو یونہی آباد رکھنا۔ عطرویہ سکندر (اوکاڑہ) آپی آپ بھی آنچل میں اب کم کم نظر آتی ہیں (اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے)۔ سلمٰی گل ہمیشہ گل داؤدی کی طرح تروتازہ رہیں۔ باقی تمام قارئین سے التجا ہے کہ جو بیمار ہیں ان سب کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا کریں۔ میرے ابو جی کے لیے بھی دعا کریں۔ انہیں دو سال پہلے برین ہیمرج ہوا تھا۔ اب وہ چل نہیں سکتے۔ مُون کے لیے بھی دعا کرنا۔

نبیلہ خان مُون..... عبدالحکیم مجاہد آباد

ڈاکٹر کومل ستار کے نام

السلام علیکم! ڈیئر کومل کیسی ہو؟ یقیناً آپ ٹھیک ٹھاک ہوں گی، خیر خیریت کے ساتھ۔ کیا ہوا حیران ہوگئیں؟ آپ تو یار امیں ہوں آپ نے لکھا تھا کہ آپ کے نام کوئی پیغام آنا چاہیے تو لیجیے ہم نے محبت بھرا پیغام آپ کے نام کردیا ہے۔ اب یہ تو آپ ہی بتائیں گی کہ ہماری محبت آپ کو قبول ہے یا نہیں۔ ارے یار گھبراؤ نہیں، میں کوئی فٹ پاتھیا عاشق نہیں ہوں۔ آپ ہی کی طرح ہوں بھلے نام میرا انجم ہے مگر تین بچوں کی ماں بھی ہوں، اب پتا نہیں کہ آپ کو دوستی قبول ہوگی یا نہیں۔ بہرحال یہ تو آپ ہی بتائیے گا کہ آگے کا کیا پلان ہے اور سنائیے کہ میڈیکل کے علاوہ کیا ارادے ہیں آپ کے؟ ہم گھر بیٹھے ہوئے ہیں آنچل کا سہارا لے کر، بہتر دوستوں کے ساتھ دعا سلام کرنا بہت پسند ہے، اب جلدی کرو اور اپنے ہاتھوں میں قلم اُٹھا کر محبت کا جواب محبت سے دے دیں، ہم منتظر رہیں گے۔ وکے، خدا ہمیشہ آپ کو خوش رکھے۔

نجمہ انجم اعوان..... کورنگی، کراچی

پیاری امی جان اور پیارے بھائی کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیر خیریت سے ہوں گے۔ پیاری امی جان مارچ میں آپ کی سالگرہ ہے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو لمبی اور صحت وتندرستی والی زندگی عطا فرمائیں اور آپ کا سایہ ہم پہ ہمیشہ سلامت رکھیں، آمین۔ پیارے بھائی عمر! اس مارچ میں آپ کو تیرہویں سالگرہ بہت مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ آپ اپنے والدین کے فرماں بردار بچے بنو اور بڑھاپے میں اپنے والدین کا سہارا بنو۔ اللہ پاک آپ کو بہت ساری کامیابیاں دیں۔ آپ زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب رہو آمین۔

سدرہ..... جہلم

شاہینہ خان، عطرویہ سکندر، ثمینہ عزیز کے نام

السلام علیکم! شاہینہ خان میں آپ سے دوستی کرنا

چاہتی ہوں؟ کیا آپ کو میری دوستی قبول ہے؟ عطروبہ اور ثمینہ عزیز آپ دونوں مجھے اچھے بلکہ اچھی لگتی ہو۔ میں آپ دونوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں؟ پلیز میرے اس پیغام کا جواب ضرور دیجیے گا۔ خاص طور پر شاہینہ خان آپ تو ضرور میرے اس خط کا جواب دیجیے گا۔ مجھے اس کا انتظار شدت سے رہے گا، پلیز میرے خط کو ضرور شائع کیجیے گا، اب اجازت چاہتی ہوں، اللہ حافظ۔

طاہرہ غزل...... جتوئی

عطروبہ سکندر کے نام

السلام علیکم پنکی! کیا حال ہے؟ امید ہے بالکل ٹھیک ہوگی اور گھر والے بھی ٹھیک ہوں گے۔ ہماری طرف سے ایم اے پارٹ ون میں کامیابی پر ڈھیروں ڈھیر مبارک۔ کنجوس اب فٹافٹ مٹھائی نکالو، ہماری دعا ہے تم ہمیشہ کامیابیاں سمیٹو آمین۔ اپنا خیال رکھنا۔

آبگینے...... جتوئی

ڈیئر فرینڈز کے نام

السلام علیکم دوستوں! کیا حال ہے؟ یقیناً حیران ہو رہے ہوگے کہ میں آج کیسے یہاں؟ تو دوستوں آپ سب کی یاد آ رہی تھی سوچا آنچل کے ذریعے رابطہ قائم کروں، بچپن میں کالج اور اسکول کے دن بہت یاد آتے ہیں۔ مجھے آپ سب کے جنم دن آج بھی یاد ہیں۔ حبیبہ، ثمینہ، بہادر علی اللہ کرے کہ آپ سب ہمیشہ خوش رہو اور اللہ آپ سب کو اچھی صحت دے۔ مارچ میں میرا جنم دن ہے۔ مجھے مبارک باد دینا مت بھولنا اور سات اپریل کو ثمینہ کا جنم دن ہے اس کو میں خود آ کر مبارک باد دوں گی۔ باقی سب کیسے ہیں؟ پلیز جواب ضرور دینا اور دعا کرنا کہ میرا ایم اے کا رزلٹ اچھا آئے، آمین۔ آپ کی دوست......

خالدہ وکیل...... جتوئی

آنچل کی تمام شاعرات کے نام

السلام علیکم! آنچل ریڈرز اور رائٹرز کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ شاید اس ناچیز کو آپ جانتے ہوں یا میرا نام کہیں پڑھا ہو۔ مختصر تعارف یہ ہے کہ بہت سارے ڈائجسٹ میں لکھتی ہوں اور شاعری بھی کرتی ہوں۔ آج کل ایک انتخاب ترتیب دے رہی ہوں۔ ملک بھر سے شاعرات اس انتخاب میں شامل ہو رہی ہیں آپ لوگوں سے بھی درخواست ہے اور عطروبہ سکندر تم کیسی ہو؟ بہت اچھے ایس ایم ایس ہوتے ہیں تمہارے، شکریہ۔ آپ سب کی دعاؤں کی طالب۔

غزالہ جلیل راؤ...... اوکاڑہ

دوستوں کے نام

پہلی بار آپ کی بزم میں شرکت کر رہی ہوں، مایوس مت کیجیے گا۔ یہ نہ ہو کہ میرا پہلا خط میرا آخری خط ہو۔ میرے خیال میں دوستی ایک ایسا اسم اعظم ہے جس کو جان لینے والا دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے۔ جذبات خالص ہوں۔ یہ شرط ہے۔ اینی وے۔ میری سب دوستوں کو میرا پیار بھرا سلام۔ نسرین کو (جس کی دوستی پر مجھے فخر ہے)۔ فریحہ کو (اللہ نظر بد سے بچائے)۔ سمعیہ کو (کچھ چیزیں نظر انداز کرنے والی نہیں ہوتیں؟)۔ آمنہ کو (میں مخلص ہوں یار)۔ صبا اسلم کو (آنکھیں کھول کر پڑھو صبا)۔ اس کے علاوہ سائرہ کو، عظمیٰ کو، حرا کو، کرن خان کو اور میری ان سب دوستوں کو سلام اور پیار۔

ام کلثوم...... اختر آباد، اوکاڑہ

لولی سی ناظمہ آپی کے نام

میری بہت ہی پیاری اور اچھی آپی ناظمہ! کیا حال ہے آپ لوگوں کا اور ماریہ اور جویریہ بہت بہت شکریہ کہ اتنی دور سے تم لوگ مجھے اپنی محبت پہنچاتی رہتی ہو اور ناظمہ آپی دیکھیں، آپ کو بھی یاد کر ہی لیا ہے اور سویٹ سی درشن جی۔ کیسی ہیں آپ؟ یقیناً بہت پیاری اور اچھی ہوں گی۔ باقی اللہ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے آمین اور ہاں اقراء (مائی ڈیئر لوی) تمہاری سالگرہ بھی تو ہے مارچ میں۔ بس تم کیک تیار رکھو، اوکے ناں۔ اوکے بھئی! اللہ آپ تمام لوگوں کو بہت خوش و خرم رکھے اور آپ پر زندگی اپنی تمام تر خوشیوں کے ساتھ مہربان رہے، آمین ثم

آمین۔ مجھے بھی سب لوگ دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ۔

حرمت روا اکرم...... ڈلوال

خلوص والوں کے نام

السلام علیکم! عاتک، افشی، آبگینے، ای جے شانزے، امبر گل، اتابیہ علی، سمیہ، چندا مشال، فلک مرتبہ، فیری گل، غزل ملک، غزالہ جلیل، ہما، حجاب، ارم گل، عفت، کرن، حسین، کرن وفا، مہوش ملک، نبیلہ، نادیہ، نوشین، رابعہ اکرم، سلمیٰ ملک، صدیقہ، ثناء، سدرہ اسلم، امیمہ رباح، زارا، سلمان، ذخیرہ، عباسی، سعدیہ اہل، ماہ رخ اور وہ دوست جن کے نام نہیں لکھے۔ ہر وہ تکلیف یا درد جو میں نے آپ کو دیا جانے انجانے میں وہ مجھے معاف کر دینا۔

عطروبہ سکندر...... اوکاڑہ

مائی ڈئیر فرینڈ امیمہ رباح کے نام

السلام علیکم پیا! گڑیا جب تمہارے پاپا کے انتقال کا پیغام ملا تو یقین جانو پاؤں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یہ سوچ کر ہی میرا دل بھر آیا کہ میری پیا کس حال میں ہوگی؟ اس وقت شدت سے تم سے ملنے کا دل چاہا۔ میری گڑیا! مجھے انکل کی وفات کا بے حد دکھ ہے۔ تمہاری اریب تمہارے دکھ میں برابر کی شریک ہے۔ پیا ڈیئر صبر کرو اپنی ماما کا خیال رکھا کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔ تم بے حد عزیز ہو مجھے پیا یا شاید سب کچھ۔ میں بہت پیار کرتی ہوں تم سے، اب تو مسکرا دو آج تو سب کے سامنے کہہ دیا نہ۔ ہنسو ہنسو شاباش میری گڑیا۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ انکل کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آمین۔

اریبہ شاہ...... بہاولپور

دوستوں کے نام

میں آنچل کی بہت شکر گزار ہوں جس نے مجھے اتنی اچھی سہیلیاں دیں۔ بشریٰ آپ بہت سویٹ اینڈ نائس ہو۔ رابعہ انجم (آپی جان) بیٹی کی بہت مبارک ہو۔ حوریہ بہت پیارا نام رکھا ہے۔ بے وفا ہمیشہ خوش رہو۔ آپی پیار کی قدر کرو۔ سومی کیوں اداس ہو؟ طاہرہ اینڈ رضوانہ ملک آئی ایم سوری یار! میں آپ لوگوں کو اتنا وقت نہیں دے پا رہی۔ نادیہ جہانگیر، شکریہ! آپ نے اتنی اچھی دوست کا گفٹ دیا مجھے۔ نگہو علوی! آپ بہت اچھی ہو، اچھی لڑکی۔ نازیہ آپی میرا گفٹ یاد ہے نا۔ بھولو گی تو نہیں؟ مہوش یار جلدی سے اگزام سے فارغ ہو جاؤ۔ سائرہ کرن، امیر، زندگی، ثانیہ، سائرہ مشتاق آپ سب بہت اچھی فرینڈ ہو آپ سب کو میری طرف سے نیک تمنائیں اور سلام اور میری ٹیوشن والی فرینڈ زربیعہ، کالج مت چھوڑو۔ عالیہ جی بہت شرارتی ہو، ہمیشہ ایسے ہی ہنستی رہو۔ آمنہ مارچ میں تمہاری سالگرہ ہے، میری طرف سے بیسٹ وشز، سدرہ آپ بہت پیاری ہو، بس بیماریاں کھانی ختم کر دو۔ اقراء کنجوسی کم کر دو۔ عشرت اتنا شرمانی کیوں ہو؟ نادیہ عنقریب تمہاری شادی ہے ایڈوانس میں شادی مبارک۔ خاور جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ نا۔ آمنہ کو تم سب بہت مس کرتی ہے (ہاہاہا)۔ حنا، باجی مصباح، باجی ماریہ، باجی معصیہ، باجی نعیم، بشریٰ، کرن، فرحت، افشاں، حمیرا! آپ سب کو ڈھیروں دعائیں اور سلام۔ مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا آپ سب کی کیوٹ سی فرینڈ حمیرا...... اللہ حافظ۔

تعزیتی پیغام

تمام اہل آنچل، دوست و احباب اور بچوں کو حسب مراتب سلام و دعائیں! ایک عرصے کی غیر حاضری کے بعد حاضر ہوئی ہوں۔ ابھی کہنے کے لیے کوئی خاص بات یا پیغام نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ہماری بے حد پیاری باجی اور پُرخلوص ساتھی ہمیشہ کے لیے ہم سے بچھڑ گئی ہیں، ان کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے۔ اپنا ڈھیر سارا خیال رکھیں اور اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

مسز نگہت غفار...... کراچی

زہرہ جبین

شاہ ناز قمر کی پسند ..... حیدرآباد سے

جو زندگی کی کتاب ہے یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے
کہیں اک حسین سا خواب ہے کہیں جان لیوا عذاب ہے
کئی چہرے اس میں چھپے ہوئے اک عجیب سی نقاب ہے
کہیں کھو دیا، کہیں پالیا، کہیں رو لیا، کہیں گالیا
کہیں چھین لیتی ہے ہر خوشی، کہیں مہرباں بے حساب ہیں
کہیں چھاؤں ہے کہیں دھوپ ہے کہیں اور ہی کوئی روپ ہے
کہیں برکتوں کی ہیں بارشیں، کہیں تشنگی بے حساب ہے

سمی ایوب کی پسند ..... بلدیہ ٹاؤن کراچی

میرے دل کی ہے یہ آرزو
مجھے تو ہی بس ملا کرے
یوہی چاہے مجھ کو تو عمر بھر
نہ شکایت نہ گلا کرے
مری چاہتیں مری خواہشیں
میری زندگی ہے ترے لیے
مری رب سے یہی دعا ہے بس
تجھ کو نہ مجھ سے جدا کرے
مرے خواب مرے رت جگے
مری نیند بھی ہے تیرے لیے
مری زندگی جو بچی ہے اب
ترے نام اس کو خدا کرے
مجھے زندگی سے گلا نہیں
مجھے تجھ سے بھی یہی آس ہے
میں بھی چاہوں تجھ کو سدا یونہی
اگر تو بھی مجھ سے وفا کرے

سحق طاہر کی پسند ..... گوجرہ

ابھی تم عشق مت کرنا
ابھی گڑیا سے کھیلو تم
تمہاری عمر ہی کیا ہے
ابھی معصوم بچی ہو
نہیں معلوم ابھی تم کو
کہ جب یہ عشق ہوتا ہے
تو انسان کتنا روتا ہے
ستارے ٹوٹ جاتے ہیں
سہارے چھوٹ جاتے ہیں
کہ جب ساتھی بچھڑتے ہیں
تو کتنا درد ہوتا ہے
ہزاروں غم ابھرتے ہیں
ہزاروں زخم کھلتے ہیں
سنو لڑکی امیری مانو
ابھی تم عشق مت کرنا
ابھی تم عشق مت کرنا

سحر کی پسند ..... گوجرانوالہ سے

مرحوم والد گرامی کی یاد میں

اپنے بیتے ہوئے کل کو بہت یاد کیا
اس اپنے بچھڑے ہوئے کل کو بہت یاد کیا
وہ جو مرا اک گھنا سایہ تھا
پل بھر میں مجھے دھوپ کی نذر کر گیا
جس مرحلے کا بھی مجھے گماں نہ ہوا
پل بھر میں مری دنیا ویران کر گیا
غم کا اندھیرا ہے اب میرے نگر میں
دیکھوں تو کس طرف دھندلی میری نظر ہے
لگتا ہے اب درودیوار سے ڈر
سہم دل پر چھایا ہے
زندگی نے لاحاصل بنا دیا
کتنی دوریاں ہیں محبت کے جہاں میں
دل ترستا ہے ماضی کی یاد سے
سایہ دیوار چھن گیا ہے
ہول سا دل میں اٹھتا ہے

سیما ارم ..... کی پسند ..... ساہیوال سے

مری پاگل سی محبت تمہیں یاد آئے گی
جب چاند ستارے چمک رہے ہوں گے
جب یادوں کے پھول مہک رہے ہوں گے
جب نیند کو نین ترس رہے ہوں گے
جب آنکھوں سے آنسو برس رہے ہوں گے
مری پاگل سی محبت تمہیں یاد آئے گی
جب تنہائی سے دل گھبرائے گا
جب تمہیں اکیلا پن ستائے گا
جب کوئی خواب ہی نہیں آئے گا
جب پھول کتاب میں ہی رہ جائیں گے
مری پاگل سی محبت تمہیں یاد آئے گی

ہما ایوب شیخ ..... عارف والا سے

شکستہ آئینوں کی کرچیاں اچھی نہیں لگتیں
مجھے وعدوں کی خالی سیپیاں اچھی نہیں لگتیں
گزشتہ رت کے رنگوں کا اثر دیکھو کہ اب مجھ کو
کھلے آنگن میں اڑتی تتلیاں اچھی نہیں لگتیں
وہ کیا اجڑا نگر تھا جس کی چاہت کا اثر اب تک
ہری بیلوں سے الجھی ٹہنیاں اچھی نہیں لگتیں
اسے پایاں ہوا جس کے جزیروں سے بچھڑ کے ہو
مجھے اپنے گھروں کی کھڑکیاں اچھی نہیں لگتیں
بھلے لگتے ہیں طوفانوں سے لڑتے بادباں مجھ کو
ہوا کے رخ پہ چلتی کشتیاں اچھی نہیں لگتیں
یہ کہہ کر آج میں اس سے تعلق توڑ آیا ہوں
مری جاں مجھ کو ضدی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں
کسی کے گھر میں رہن بستہ رہیں جو رات دن محسن
مجھے اکثر وہ سبھی ہرنیاں اچھی نہیں لگتیں

شہناز شازیہ سیال کی پسند ..... ضلع خانیوال سے

وہ لڑکی بھی عجیب پگلی تھی
پیاسے ہونٹ تھے آنکھ سمندر جیسی تھی
سورج اس کو دیکھ کے پیلا پڑ جاتا تھا
وہ سرما کی دھوپ میں دھل کر نکلی تھی
اس کو اپنے سائے سے ڈر لگتا تھا
سوچ کے صحراؤں میں وہ تنہا ہرنی تھی
آتے جاتے موسم اس کو ڈستے تھے
ہنستے ہنستے پلکوں سے رو پڑتی تھی
آدھی رات گنوا دیتی تھی چپ رہ کر
آدھی رات کے چاند سے باتیں کرتی تھی
دور سے اجڑے مندر جیسا گھر اس کا
وہ اپنے گھر میں اکلوتی دیوی تھی
موم سا نازک جسم سحر میں دکھتا تھا
دیے جلا کر شب بھر آپ پگھلتی تھی
تیز ہوا کو روک کے اپنے آنچل پر
سوکھے پھول اٹھانے نکلی پھرتی تھی
سب پہ ظاہر رو دیتی تھی بھید اپنا
سب سے اک تصویر چھپائے رکھتی تھی
کل شب چکنا چور ہوا تھا دل اس کا
پاپھر پہلی بار وہ کھل کر روئی تھی
محسن کیا جانے کیوں دھوپ سے بے پروا
وہ اپنے گھر کی دہلیز پہ بیٹھی تھی

پروین ..... کی پسند ..... بہاولنگر سے

چاند کی تمنا میں ہم بھٹکتے جاتے ہیں
آنسوؤں کی صورت میں خواب ڈھلتے جاتے ہیں
جانے کس نے دیکھا ہے پیار کی نظر سے پھر
زندگی کی راہوں میں پھول کھلتے جاتے ہیں
عشق جن کا سچا ہو پیار کے سمندر میں
جب قدم وہ رکھتے ہیں رستے بنتے جاتے ہیں
شہر ہے جدائی کا ہر طرف اندھیرا ہے
روشنی کی خواہش میں ہم سلگتے جاتے ہیں
دید کی تمنا میں جل بجھیں نہ آنکھیں ہی
جانے تم کب آؤ گے دن گزرتے جاتے ہیں
پھر کسی کی آنکھوں نے کرلیا اسیر اپنا
پھر کسی کے وعدوں پہ ہم بہلتے جاتے ہیں

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

مدیحہ نورین...... برنالی

س: السلام علیکم! آپی کیا حال ہے؟

ج: وعلیکم السلام! ہم ٹھیک ہیں۔

س: اگر کسی سے محبت ہو جائے تو کیسے بتائیں؟

ج: اخبار میں خبر دے دیں وہ خود آپ کو ڈھونڈتا ہوا آجائے گا۔

س: لڑکوں کا آخری اور پہلا فقرہ کیا ہوتا ہے؟

ج: پہلا فقرہ: تم میری زندگی ہو، یہ سچ ہے۔ دوسرا فقرہ: زندگی کا مگر بھروسا کیا۔

فرحانہ سلمان...... شجاع آباد

س: اگر کوئی ہم پر کیچڑ اچھالے تو بدلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ج: نہا لینا چاہیے۔

س: اگر ہمارا کوئی دشمن ہمارے سامنے آجائے تو کیا ہمیں سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟

ج: بالکل! سلام تو دشمن کو بھی کرنا چاہیے۔

س: اچھا اپیا جانی کوئی اچھی سی، پیاری دعا کے ساتھ رخصت کریں۔

ج: اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ پھولو پھلو اور خوش رہو۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

س: شمی جی! پہلی بار آپ کی محفل میں آئی ہوں کیسا لگا؟

ج: ہم تہہ دل سے خوش آمدید کہتے ہیں۔

س: اگر کسی کے دل میں اپنے لیے جگہ بنانی ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: محبت و خلوص نچھاور کریں۔

س: شمی جی! اچھی سی نیک سی دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں؟

ج: ہمیشہ خوش رہو، جیتی رہو۔

مے ...... چونالہ

س: آپ، بیوی ن مار پیٹ سے بچنے کا آسان ترین طریقہ کون سا ہے؟

ج: محبت۔

س: محبت کی منزل کہاں ہوتی ہے؟

ج: سکون اور عافیت والے گھر میں۔

س: آپو جانی! محبت کے میچ میں جیت کس کی ہوتی ہے؟

ج: سچے جذبوں کی۔

س: آپی! محبت کا لائسنس کیا ہوتا ہے؟ ذرا سوچ کر بتائیے؟

ج: لائسنس نہیں سرٹیفکیٹ ہوتا ہے، شادی۔

طلعت رانا...... پیچہ وطنی

س: شمائل آپو! اس دفعہ "ان" کی سالگرہ کیسے مناؤں؟

ج: سالگرہ کا دن بھول جاؤ۔

س: آپو! آخر وہ ہر دفعہ تحفہ دینا کیوں بھول جاتا ہے؟

ج: کنجوس جو ہے۔

س: آپو! جب بھی سالگرہ ہوتی ہے ساسو جی ناراض ہو جاتی ہیں؟

ج: خرچ جو بڑھا دیتی ہو۔

اسماء عطاریہ...... کراچی

س: السلام علیکم! آپی پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، خوش آمدید کہیں گی؟

ج: کیوں نہیں...... خوش آمدید۔

س: آپی! انگجا بال بنا سکتا ہے یا نہیں۔

ج: کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

س: اچھا آپی اب اجازت اگر آپ نے یاد رکھا تو دوبارہ حاضر ہوں گی آخر میں دعا دے دیں؟

ج: جیتی رہو، خوش رہو، آباد رہو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: وہ اتنے روپ کیوں بدلتے رہتے ہیں؟

ج: سرکس میں جو کام کرتے ہیں۔

س: آنکھیں جلد دھوکا کھاتی ہیں یا کہ دل؟

ج: دل، بے وفا جو ہوا۔

انعم خان...... ہری پور ہزارہ

س: السلام علیکم شمائلہ آپی! کیسی ہیں؟ اپنا حال بتا کر مجھ سے بھی پوچھیے گا کہ میں کیسی ہوں، میرا مطلب حال کیسا ہے؟ دل خوش ہو جائے گا اور یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ کسی کو خوش کرنا ثواب کا کام ہے؟

ج: ہم ٹھیک ہیں اور تمہاری خیریت نیک مطلوب ہے۔ تو جناب خوش ہو جائیے۔

س: ایک شکوہ جو آپ کو مجھ سے ہو، یا میرا اب تک کوئی سوال برا لگا ہو؟

ج: ہرگز نہیں۔ جو محبت کرتے ہیں وہ شکوؤں کو پی جاتے ہیں۔

س: کبھی ہمارا آمنا سامنا ہو گیا تو سچ سچ بتائیے آپ کا پہلا تاثر کیا ہوگا یا آپ مجھے دیکھ کر پہلا جملہ کیا ادا کریں گی یا پھر خاموش رہیں گی؟

ج: میں تو چپ جاؤں گی کہیں تم سوالات کی بوچھاڑ نہ کر دو۔

س: شمائلہ آپی! لوگ ہمیشہ سوال کا جواب کیوں مانگتے ہیں۔ جواب کا سوال کیوں نہیں مانگتے...... ضرور بتائیے گا۔ ردی کی ٹوکری سے اس سوال کے جواب کو ضرور بچائیے گا؟

ج: چلو تم سوال کے جواب میں جواب دو کہ اتنے سوال تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں؟

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

س: زندگی ہمیں گزارتی ہے یا ہم زندگی کو؟

ج: دونوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا پڑتا ہے۔

س: اس موسم بہار میں ان کو کون سا تحفہ بھیجوں؟

ج: گوبھی کا پھول۔

س: زندگی میں جینے کا مزا کب ملتا ہے؟

ج: جب زندگی دوسروں کے لیے گزاری جائے۔

س: نازک نازک، ہلکی پھلکی سی...... کیا؟

ج: تمہاری کھوپڑی۔

سیرا یا نو ندیم...... اسلام آباد

س: آپی غم کہہ دینے سے دل ہلکا ہوتا ہے۔ مگر کوئی غم ایسے ہوتے ہیں جن کو بیان نہ کیا جا سکے ایسے میں ہم کیا کریں؟

ج: غم کو خود تک محدود رکھنا بھی عظیم لوگوں کی نشانی ہے۔

س: کیا دور جا کر لوگ بدل جاتے ہیں؟

ج: جذبے سچے ہوں تو دور جانے سے محبت بڑھ جاتی ہے۔

س: ہم دن بہ دن حقیقی زندگی کے تقاضے کیوں بھولتے جا رہے ہیں؟

ج: اللہ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شمن بلوچ...... لسبیلہ

س: شمائلہ آپی پہلی شرکت ہے، دروازہ کھول دیجیے؟

ج: دروازہ تو کب سے کھلا ہے۔ عینک لگاؤ اور اندر آجاؤ۔

س: آپو جی دل کا دیا جلا کر تیز ہواؤں میں رکھ دیا جائے تو کیا ہوتا ہے؟

ج: اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ۔ جس دیے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا۔

یاسمین کنول...... پسرور

س: اچانک کوئی شخص زندگی سے چلا جاتا ہے تو زندگی ایک دم بے رونق سی کیوں لگتی ہے؟

ج: یہ زندگی کی حقیقت ہے، جو آیا ہے، اسے جانا

ہی ہے۔

س: حالات اس قدر خراب کبھی نہیں ہوئے تھے جتنے آج کل نظر آرہے ہیں، کیا وجہ ہے؟

ج: وطن عزیز کے لیے ہمیشہ خاص الخاص دعائیں کیا کرو۔

س: زندگی اتنی مصروف کیوں ہوتی جارہی ہے؟

ج: وقت تنگ جو پڑتا جارہا ہے۔

نجم انجم..... کراچی

س: السلام علیکم! کیا حال ہے آپ کا؟ ہاں تو پھر تیار ہیں ہمارے بے ڈھنگے سوالوں کے جواب کے لیے؟

ج: ہمارے پاس بھی ہزار بے ڈھنگے جوابات ہیں، تم ڈر تو نہیں جاؤ گی۔

س: پیاری بہن اگر آپ کے سر پر سینگ نکل آئیں تو سب سے پہلے ٹکر کس کو ماریں گی؟

ج: ظاہر ہے تم کو، تاکہ تم بے ڈھنگے سوالات کرنا چھوڑ دو۔

س: کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا لگتا ہے کسی نے آپ کے بارے میں کہا ہے آخر کیوں؟

ج: کریلا تم کہ ہے جی!

س: وہ کون سی پولیس ہے جس کو قیدی عمر بھر رہائی نہیں پاتا، جواب دیں تو مانیں؟

ج: وہی پولیس جو قاضی کو ساتھ لے کر آتی ہے۔

س: چٹ پٹے سوالوں کے جواب بھی املی لگا کر دیں اوکے، اللہ حافظ؟

ج: ہم نے املی لگا کر مرچ مسالہ بھی چھڑک دیا ہے، خوش؟

عروسہ شہوار..... جہلم

س: اپیا! اتنے عرصہ غیر حاضری کے بعد حاضر ہورہی ہوں۔ اس دوران میں آنچل اور آپ کی یاد سے غافل بالکل نہیں رہی۔ مصروفیت اور خرابی صحت غیر حاضری کا سبب تھے۔ میں نے آپ کو بہت یاد کیا اور دعاؤں میں یاد رکھا، کیا آپ نے بھی میری غیر حاضری کو محسوس کیا؟

ج: بالکل کیا۔ اللہ تمہیں شفائے کاملہ عطا فرمائے، آمین۔

س: کیا یہ درست ہے کہ باشعور اور باضمیر لوگوں کے بیچ "دوستی" کا رشتہ خون کے رشتوں سے کہیں زیادہ قریب اور گہرا ہوتا ہے؟

ج: ہر رشتے کی اپنی مہک ہوتی ہے اور دوستی کی مہک سب سے جدا ہے۔

س: وہ لوگ جو ہمدردی کے دو بول کہہ کر آگے چلتے بنیں، ہمدردی پر خوش ہونا کیسا ہے؟

ج: یہ سوچ کر خوش ہوجاؤ کہ ممکن ہے وہ جلدی میں ہوں۔

زائرہ خٹک..... میانوالی

س: رونے سے آنکھیں صاف ہوتی ہیں یا دل کا بوجھ؟

ج: دل کا بوجھ، آنکھیں تو سرخ ہوجاتی ہیں نا۔

س: اپیا میں نے دیکھا ہے ہمیشہ آپ کو؟

ج: اپنے خوابوں میں دیکھا ہے نا!

س: مجھے ہر وقت انتظار ہوتا ہے صرف؟

ج: آنچل کا۔

س: اپیا جس سے محبت کی جائے آنکھیں اس میں عیب کیوں نہیں دیکھ سکتیں؟

ج: کیونکہ محبت اندھی ہوتی ہے۔

حنا احمد

آج کل لوگوں کی اکثریت جسمانی کام کرنے کے بجائے ذہنی کام کرنے کی زیادہ کوشش کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں لوگ محنت کش بننے سے زیادہ دانش ور بننے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ سارا دن دفتروں میں بیٹھ کر کام کرنا یا شو روم میں بیٹھ کر کاروبار کرنا معمول بن چکا ہے۔ کاروبار اور کام کے بہت زیادہ دباؤ کے باعث ہم لوگ کھانے پینے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے اور جو کچھ زبان کو اچھا لگتا ہے کھائے چلے جاتے ہیں۔ چاہے پنیر اور مکھن سے لدے برگر ہوں یا سوڈے کی بوتلیں۔ حالانکہ اس قسم کی غذائیں ہماری صحت کے لیے ہرگز اچھی نہیں ہوتیں۔

اس قسم کی مصروف اور کام والی زندگی میں ہمارے پاس متوازن غذا کے لیے سوچنے اور ورزش کے لیے جم جانے کا وقت کم ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں موٹاپے کا مرض بڑھ رہا ہے۔ پاکستان میں بھی اب آپ کو موٹے لوگ پہلے سے زیادہ دکھائی دیں گے۔ اعداد و شمار کے مطابق صرف امریکہ میں ملکی آبادی کا 60 فی صد ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کا وزن زیادہ ہے تاہم وزن کم کرنا کوئی زیادہ مشکل نہیں۔ لائف اسٹائل میں اگر تھوڑی سی تبدیلی کی جائے تو وزن کم کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود کو اس کے لیے تیار کریں۔ ذیل میں آپ کے سامنے سات اصول پیش کررہے ہیں جن کو اپنا کر آپ اپنے وزن کو کنٹرول میں رکھ سکتے ہیں۔

1۔ پانی زیادہ پئیں۔

ہمارے جسم کو پانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ پانی ہمارے جسم سے ہر قسم کے فاضل مادے خارج کرنے کے ساتھ ہمارے تمام جسمانی اعضاء اور خلیوں کو ضروری غذائی اجزا پہنچانے میں مددگار ہوتا ہے اس کے علاوہ ہمارے جسم سے ہر گزرتے لمحے پانی خارج بھی ہوتا رہتا ہے اور یوں ہم اگر پانی نہ پئیں تو ہم ڈی ہائیڈریشن کا بھی شکار ہوسکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دن بھر میں زیادہ سے زیادہ پانی پئیں۔ اپنی صبح کا آغاز پانی کے ایک گلاس سے کیجیے۔ ہر کھانے سے پہلے پانی کا ایک گلاس پانی پئیں اور اپنے ساتھ پانی کی بوتل لے کر جائیں۔ ہمارے جسم کو روزانہ کم از کم تین لیٹر پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ کو جب بھی اور جہاں بھی یاد آئے اور موقع ملے۔ خوب پانی پئیں۔

2۔ پھل کھائیں اور جوس پئیں۔

پھل کھانے اور ان کا جوس پینے سے آپ کے جسم سے زہریلے مادے خارج ہوجاتے ہیں۔ مختلف قسم کے پھل کھانے سے ہمارے جسم کو فائبر، وٹامنز اور اینٹی آکسیڈنٹ ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو جس قدر ممکن ہو پھل کھانے اور ان کا جوس پینا چاہیے۔ اسٹوروں سے ملنے والے اکثر جوسز میں مصنوعی مٹھاس شامل کی جاتی ہے۔ اگر آپ جوس پینا چاہتے ہیں تو گھر پر بنائیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں بہت زیادہ وقت لگتا ہے تو پھر ایسے جوس ہی پئیں جن پر سو فیصد پھل کا رس کا لیبل لگا ہو۔ ایسے جوس آپ کے جسم کے لیے زیادہ مفید ہوں گے اور ان سے آپ کو وزن کم کرنے میں بھی زیادہ مدد ملے گی۔

3۔ خوب سبزیاں اور سلاد کھائیں۔

اگر آپ اضافی وزن کم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے سبزیاں بہترین ہیں۔ سبزیاں انتہائی فطری غذا ہیں جن میں مختلف قسم کے وٹامنز، معدنیات اور بے شمار ایسے کیمیائی اجزاء ہوتے ہیں جو ہمارے جسم کے لیے نہایت مفید ہوتے ہیں۔ سبزیوں میں چکنائی اور کیلوریز کم ہوتی ہیں اور سبزیاں نہ صرف ہمارے بلڈ شوگر کو کنٹرول میں رکھتی ہیں بلکہ بلڈ کولیسٹرول اور بڑی آنت اور دیگر اقسام کے کینسرز کے خطرے کو بھی کم کرتی ہیں۔ یہی تمام چیزیں ہمارے وزن کو بھی کنٹرول میں رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ سے سبزیاں نہیں کھائی جاتیں تو اس کے بجائے سلاد تیار کریں۔ مختلف قسم کی سبزیاں جیسے مولی، گاجر، پیاز، ٹماٹر، پودینے اور دیگر پتے دار سبزیوں کو ملا کر سلاد بنائی جائے اور اسے کھانے کے ساتھ لیا جائے تو اس سے مختلف قسم کے وٹامنز اور صحت کے دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ آپ انٹرنیٹ پر سلاد کی سینکڑوں تراکیب دیکھ سکتے ہیں۔ آپ خود بھی سلاد کی کئی قسمیں تیار کرسکتے ہیں۔

4۔ بھوک لگے تب ہی کھائیں۔

اگر آپ ایسی دعوتوں میں ہوتے ہیں جہاں مزے مزے

کے کھانے قطار در قطار لگے ہوتے ہیں اور آپ للچائی ہوئی نظروں سے ان کی جانب دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن اگر آپ موٹاپے سے بچنا چاہتے ہیں تو صرف اس لیے نہ کھائیں کہ آپ کے سامنے کھانا لگا ہے بلکہ صرف اس وقت کھائیں جب آپ کو اس کی ضرورت ہو۔ بعض لوگ وقت بے وقت کھانے پینے کے شوقین ہوتے ہیں۔ وہ کھانوں کے درمیان یا جب وہ فارغ ہوتے ہیں تو کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے ہیں، ایسا کرنا چھوڑ دیں۔

عام طور پر وقت بے وقت کھانے کی جو چیزیں ہمیں دستیاب ہوتی ہیں ان میں چکنائی اور کیلوریز بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ ہر وقت کچھ کھانے کے شوقین ہی ہیں تو سبزیاں اور پھل کھائیں۔ یہ نا صرف آپ کی مجموعی صحت کے لیے مفید ہیں بلکہ آپ کو موٹا بھی نہیں کرتیں۔

5۔ اپنا کھانا ساتھ رکھیں۔

اس کے علاوہ اپنے پاس ہر وقت ایسی کھانے کی چیزیں رکھیں، جو صحت بخش ہوں۔ ہم میں سے اکثر لوگ بہت زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ کھانے پینے کے سلسلے میں چھان پھٹک کریں لہٰذا اس مقصد کے لیے گھر پر بنا ہوا کھانا اپنے پاس رکھیں۔ گوشت سے بنے سینڈوچ خریدنے کے بجائے، سبزیاں، گاجریں اور سلاد کھائیں یا کوئی بھی کم کیلوریز والی غذا اپنے پاس رکھیں۔ اس طرح آپ اپنے پیٹ کو بازاری چکنائی بھرے کھانے کی چیزوں سے بھرنے سے بچ جائیں گے۔

اس کے علاوہ آپ کھانے کے لیے ایک وقت بھی طے کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ دن میں دو تین کے بجائے پانچ بار کھائیں، کم مقدار میں لیکن باقاعدگی کے ساتھ کھائیں۔ اس سے آپ کے میٹابولزم میں اضافہ ہوگا۔

6۔ ورزش ضرور کریں۔

جم میں جانا اور ورزش کرنا صرف پٹھے بنانے میں مددگار نہیں بلکہ اس کے ذریعے ہم وزن بھی کم کر سکتے ہیں۔ ورزش کر کے ہم اپنی اضافی کیلوریز کو چربی کی صورت میں جسم میں جمع کرنے کے بجائے زائل کر سکتے ہیں بلکہ ہمارا جسم حرکت میں رہنے کے لیے بنا ہوا ہے لہٰذا ورزش یا حرکت کے ذریعے ہم اپنے بدن میں توانائی پیدا کرتے ہیں اور یوں ہمیں اچھا محسوس ہوتا ہے۔ ہر ہفتے کے اختتام پر اپنے دباؤ کو کم کرنے اور اضافی کیلوریز کم کرنے کے لیے جم جائیں یا گھر پر ہی کوئی جسمانی سرگرمی کریں۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو روزانہ کوئی ہلکی پھلکی ورزش کریں۔

7۔ دن کے وقت لیٹنے اور بیٹھنے سے پرہیز کریں۔

ہم میں سے زیادہ تر لوگ لیٹ کر یا صوفے پر نیم دراز ہو کر ٹی وی دیکھنا پسند کرتے ہیں یا یونہی آرام دہ کرسی پر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب آپ کام سے تھکے ہوئے گھر آتے ہیں تو آپ کے ذہن میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں اور وہ ہے صوفہ اور ریموٹ کنٹرول۔ لیکن یاد رکھیں کہ اس طرح کی سستی سے آپ اپنے وزن کو کم نہیں کر سکتے بلکہ الٹا اس سے آپ کے وزن میں اضافہ ہی ہوگا۔ لہٰذا جس وقت آپ چل پھر سکتے ہیں اس وقت بلاوجہ لیٹنے اور بیٹھنے سے پرہیز کریں۔

ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر فضول پروگرام دیکھنے کے بجائے کوئی کام کاج کریں۔ مثال کے طور پر اپنے باغ میں جا کر کوئی ورزش یا اپنے گیراج کی صفائی کریں یا کار کی مرمت کریں یا پھر کسی پارک یا ساحل وغیرہ جا کر واک کریں۔ تازہ ہوا میں سانس لیں اور زیادہ سے زیادہ حرکت میں رہیں۔ اس سے نا صرف یہ کہ کام کے بعد ہونے والا آپ کا دباؤ کم ہوگا بلکہ آپ کا موڈ بھی اچھا ہوگا آپ خود کو زیادہ توانائی سے بھرپور محسوس کریں گے۔

آخری بات

یاد رکھیں کہ اگر آپ زندگی میں یہ اصول اپنا لیں تو آپ کو وزن کم کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا لیکن اس کے لیے مصمم ارادہ ضروری ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود سے مخلص ہوں اور اپنا کچھ وقت خود پر صرف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ صرف چند گاجریں کھا لینے اور مالٹے کا جوس پی لینے سے آپ کا وزن کم نہیں ہوگا۔ آپ کو کچھ حرکت بھی کرنا ہوگی۔ دنیا کی تمام دوسری چیزوں کی طرح آپ کے جسم کو بھی ضرورت ہوتی ہے کہ اسے وقت دیا جائے۔ لہٰذا صبر سے کام لیں۔ اگر آپ ایمانداری سے ان اصولوں پر عمل کرنا شروع کر دیں اور اپنے طرز زندگی کو تبدیل کر لیں تو آپ ایک روز اپنا وزن کم کرنے اور ایک صحت مند جسم حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

لبابہ احمد

بچوں کی معذوریاں، حفاظتی تدابیر اور بہتر پرورش کے اصول

یونیسف کی رپورٹ کے مطابق اس وقت ایک کروڑ تیس لاکھ بچے ہر سال پانچ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یعنی تقریباً 35 ہزار بچے روزانہ مر رہے ہیں یہ حقیقت کتنی لرزہ خیز ہے کہ جس دنیا میں ہم سانس لیتے ہیں، جہاں اتنی رنگینیاں، اتنی دلچسپیاں ہیں، جہاں بے شمار آسائش ہیں، سہولتیں ہیں، اسی دنیا میں ہمارے اردگرد روزانہ 35 ہزار بچے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، ان میں سے دو تہائی اموات دنیا کے دس ممالک میں ہوتی ہیں، جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔ ہمارے پیارے وطن میں بھی ہر سال تقریباً سات لاکھ بچے 5 سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ اچھی خوراک، صاف پانی، بنیادی تعلیم اور حفظان صحت کے اصول بچوں کی صحت اور بہتر پرورش کے لیے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن سے واقفیت والدین اور کارکنان صحت کے لیے بہت ضروری ہے ایسی سادہ لیکن خصوصی معلومات جن پر عمل کر کے ہم اپنی نسلوں کو بے شمار مہلک بیماریوں سے بچا سکتے ہیں، جس کی وجہ سے ساری عمر کا روگ اور ہمیشہ کے پچھتاوے سے نجات مل سکتی ہیں، آپ نے اپنے اردگرد ایسے بچے دیکھے ہوں گے، جن کے جسم عام بچوں کی طرح کام نہیں کرتے یا وہ ذہنی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں، ایسے بچے معذور کہلاتے ہیں۔ یہ معذوری دو قسم کی ہو سکتی ہے۔ جسمانی معذوری اور ذہنی معذوری۔

بچے جن کے ننھے ہاتھوں میں ملک و قوم کے آنے والے دنوں کی قسمت ہے، وہ ایسے خوش رنگ اور خوش نما پھول ہیں جو ذرا سی تپش سے کملا جاتے ہیں اور تھوڑی سی توجہ سے کھل اٹھتے ہیں۔ انہیں پروان چڑھانا اور پھلنے پھولنے دینا والدین کا فرض بھی ہے اور ذمے داری بھی۔

مقصد حیات محض ڈھیر سارے بچے پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں ہر ممکن اور مناسب سہولتیں مہیا کرنا ہے۔ جن میں اولین سہولت صحت و تندرستی ہے پاکستان میں بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد 5 سال سے کم عمر میں طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے ان میں بے شمار بیماریاں ہوتی ہیں جنہیں تھوڑی سی احتیاط سے دور کیا جا سکتا ہے۔

کئی بیماریاں ایسی بھی ہیں جو بچوں کو ہمیشہ کے لیے معذور اور دوسروں کا محتاج کر دیتی ہے، ان کے لیے حفاظتی ٹیکوں کا کورس مکمل کرنے کے علاوہ ایسی چھوٹی چھوٹی مگر انتہائی اہم باتوں کے بارے میں واقفیت ہونا چاہیے جن پر عمل کر کے بچوں کو ان موذی معذوریوں کا شکار ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ تمام لوگ جو بچوں کی صحت اور دیکھ بھال کے بارے میں فکر مند ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے یہ معلومات ضرور حاصل کریں۔

(1) عورت کو 18 سال سے پہلے اور 35 سال کی عمر کے بعد حاملہ ہونے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(2) بعض عورتیں غربت اور بچوں کی زیادتی کی وجہ سے حمل گرانے کی کوشش کرتی ہیں، ایسی ناکام کوشش کی وجہ سے بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور بچہ معذور بھی ہو سکتا ہے۔

(3) حاملہ عورت بھاری وزن اٹھانے سے گریز کرے۔

(4) بچے کی پیدائش سے پہلے ماں اور باپ

دونوں کو اپنا خون ٹیسٹ کرا لینا چاہیے۔ اگر خون کے غلط میل کا وقت سے پہلے پتا چل جائے تو پہلے بچے پر ایک خاص ٹیکہ (روگام) ماں کو یہ ٹیکہ لگ جائے تو آئندہ ہونے والے بچے خطرے سے محفوظ ہو جائیں گے۔

(5) حاملہ عورت کو دوران حمل ہر ممکن طور پر خوش رکھنا چاہیے، شوہر اور گھرانے کے دوسرے افراد کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ حاملہ عورت کسی نفسیاتی دباؤ سے متاثر نہ ہو۔

(6) اگر ماں اور باپ کے خون کا میل صحیح نہ ہو تو بچے کو پیدا ہوتے ہی شدید قسم کا یرقان ہو سکتا ہے، جس سے بچہ ساری عمر کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر ناکارہ ہو سکتا ہے۔

(7) بہت سے خاندانوں اور علاقوں میں نزدیکی رشتہ داروں میں شادی کرنے کا رواج ہے ایسے شادی شدہ جوڑوں کے ہاں ایسے بچے پیدا ہو سکتے ہیں، جو دماغی معذوری اور جسمانی معذوری کا شکار ہوں۔ ان بچوں میں گونگا پن، بہرہ پن اور ذہنی پسماندگی بھی پائی جا سکتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ سگے رشتہ داروں مثلاً سگے ماموں، خالہ، چچا یا پھوپی زاد بہن بھائیوں کی آپس میں شادی کرنے سے گریز کریں یا رشتہ جوڑنے سے پہلے دونوں کا خون ٹیسٹ کرائیں۔

(8) اگر کسی کے ہاں ایک سے زیادہ بچے پیدائشی طور پر معذور ہوں تو انہیں چاہیے کہ مزید بچے پیدا نہ کریں۔

(9) اسلام نے حاملہ عورت کی طرح دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزے فرض نہیں کیے ہیں، کیونکہ روزہ رکھنے سے بچہ اور ماں دونوں کمزور ہو جاتے ہیں، خود پیغمبر اسلام نے کئی موقعوں پر مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو صحت مند رہنے کی ہدایت دی ہے۔

(10) اگر بچے کے کان میں درد ہو تو کان میں کوئی تیل یا دودھ کے قطرے یا کوئی اور مائع شے ڈالنے سے پرہیز کریں۔

(11) ننھے بچوں کو کسی بھی دوا کے انجکشن ہرگز نہ لگوائیں، غیر ضروری انجکشن کی وجہ سے بچے کو ٹانگوں یا بازوؤں کا فالج بھی ہو سکتا ہے۔

(12) کچھ نوزائیدہ بچے شروع کے چند ماہ بہت روتے ہیں، بظاہر انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی، اکثر مائیں انہیں سلانے کے لیے افیم کی گولیاں گھول کر پلا دیتی ہیں یا کوئی اور نشہ آور چیز دیتی ہیں تاکہ بچہ آرام سے سوتا رہے، یہ انتہائی خطرناک ہے رونا بچے کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے، لیکن نشہ آور چیزوں سے بچے کے دماغ اور جسم کی نشوونما کمزور پڑ جاتی ہے۔

(13) اکثر مائیں اپنے بچے کا سر گول کرنے کے لیے کس کر باندھ دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ننھے بچے کے سر پر کوئی وزن بھی رکھ دیتی ہیں، اس طرح کچھ علاقوں میں بچے کے پورے جسم کو کپڑے میں لپیٹ کر رسی یا ڈوری سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بچے کی جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

(14) چوسنی یا دودھ کی بوتل یا پھر نپل کے راستے خطرناک جراثیم بچے کے پیٹ میں جا سکتے ہیں۔ اس لیے ان کا استعمال نہ کرنا بہتر ہے۔ نوزائیدہ بچے کے لیے ماں کے دودھ سے بہتر کوئی اور دودھ نہیں ہوتا۔

(15) والدین کی ناچاقی بچے کی شخصیت تباہ کر دیتی ہے، لڑائی جھگڑے دیکھ کر وہ جارحانہ ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگوں سے چڑا کرنے لگتا ہے۔

جب کہ کچھ والدین اپنے بچوں پر سختیاں کر کے انہیں نفسیاتی مریض بنا دیتے ہیں۔